فتاویٰ نوریہ
فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز
2
شعبہ تصنیف و تالیف دار العلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور ، ضلع اوکاڑہ

فتاویٰ نوریہ

بلغ العلى بكماله
كشف الدجى بجماله
حسنت جميع خصاله
صلوا عليه وآله

٢

الله نور السموات والارض

يَسۡتَفۡتُونَكَؕ

قُلِ اللّٰهُ

يُفۡتِيكُمۡ

تصنیف

شیخ الحدیث فقیہ اعظم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی القادری
بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ترتیب و تدوین

استاذ الفقہ والحدیث حضرت مولانا علامہ الحاج ابو الفضل محمد نصر اللہ صاحب نوری

ناشر
شعبہ تصنیف و تالیف دار العلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور، ضلع اوکاڑہ

کتاب	----- فتاویٰ نوریہ
جلد	----- دوم
تصنیف	----- حجۃ الاسلام حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہ العزیز
تدوین	----- حضرت علامہ ابوالفضل محمد نصراللہ نوری علیہ الرحمہ
ترتیب نو و تعارف ابواب	----- (صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری
اشاعت اول	----- ذوالحجۃ المبارکہ ۱۴۰۳ھ / ستمبر ۱۹۸۳ء
اشاعت دوم	----- شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ / جنوری ۱۹۹۴ء
اشاعت سوم	----- جمادیٰ اخریٰ ۱۴۲۱ھ / ستمبر ۲۰۰۰ء
صفحات	----- ۷۷۶
مطبع	----- شرکت پرنٹنگ پریس، چوک نسبت روڈ، لاہور
ناشر	----- شعبہ تصنیف و تالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع اوکاڑہ
قیمت	----- ۳۰۰ روپے

فتاویٰ نوریہ کے سٹاکسٹ

(۱) انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور شریف ضلع اوکاڑہ

(۲) ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

نقش آغاز

حجۃ الاسلام سیدی فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ کی چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل شہرۂ آفاق تصنیف' فتاویٰ نوریہ اس دور کی عظیم فقہی کتاب ہے' جس کی اہمیت و افادیت دائمی اور آفاقی ہے----- تاریخ فتاویٰ میں اسے ایک منفرد مقام حاصل ہے----- اس میں جدید و قدیم مسائل کا حل اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ ارباب علم و دانش اس کے دلائل و براہین کو حرز جاں بنائے بغیر نہیں رہ سکتے----- حقیقت ہے کہ یہ فتاویٰ علم کا ایک وسیع سمندر' قرآن کریم اور احادیث مصطفوی کا بیش بہا گنجینہ اور اسلامی علوم و معارف خصوصاً فقہ کا نہایت قیمتی خزینہ ہے-----

فتاویٰ نوریہ کا دوسرا حصہ' عرصہ سے نایاب تھا' اب بحمد اللہ تعالیٰ اسے بڑے سائز پر نئے انداز میں شائع کیا جا رہا ہے-----

فتاویٰ نوریہ کی پہلی دو جلدیں برادر گرامی شیخ الفقہ والحدیث علامہ ابو الفضل محمد نصر اللہ

نوری قدس سرہ العزیز (م ۱۹۷۸ء) نے مرتب فرمائی تھیں، جب کہ بقیہ چار جلدوں کی ترتیب و تبویب کی ذمہ داری احقر کو انجام دینا پڑی -----

فتاویٰ نوریہ کی دوسری جلد، پہلی بار ۱۹۷۷ء میں ۸ / ۱۸X۲۲ سائز پر اشاعت پذیر ہوئی ----- اس کا دوسرا ایڈیشن برادر گرامی کے وصال کے بعد ۱۹۸۸ء میں نسبتاً بڑے سائز (۸ / ۲۰X۲۶) میں شائع ہوا تو اس کے آغاز میں صاحبِ فتاویٰ کے حالات اور آخر میں فتاویٰ نوریہ کی تقریب تعارف (منعقدہ ۴ / جون ۱۹۸۰ء، نیشنل سنٹر، لاہور) میں پڑھے گئے ممتاز علماء اور سکالرز کے مقالات (۱) کا اضافہ کر دیا گیا ----- اب زیر نظر اشاعت میں حسب ذیل ترامیم کی جا رہی ہیں :

- اسے بڑے سائز (۸ / ۲۰X۳۰) میں شائع کیا جا رہا ہے، اب فتاویٰ کی تمام جلدیں اسی سائز میں دستیاب ہیں -----
- پہلے ایڈیشن میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں، اس اشاعت میں صحت و درستی کی مقدور بھر سعی کی گئی ہے، بعض مقامات پر ضروری حوالہ جات اور مفید تعلیقات کا اضافہ کیا گیا ہے -----
- فہرست کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے -----
- ترتیب میں ممکنہ حد تک حسن پیدا کیا گیا ہے -----
- یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر باب اور رسالہ نئے صفحے سے شروع ہو، نیز فتاویٰ میں شامل تمام کتب اور اہم ابواب کا تعارف پیش کر دیا گیا ہے، جس سے موضوع کے بارے میں ایک اجمالی خاکہ قاری کے ذہن نشین ہو جاتا ہے -----

---

(۱)...... یہ تمام مقالات نئے ایڈیشن سے حذف کر دیئے گئے ہیں، اب یہ مقالات فتاویٰ نوریہ جلد ششم کے آخر میں شامل کر دیئے جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ ----- (محبّ)

✿ کتاب کے آخر میں تین فہرستوں کا اضافہ کیا گیا ہے:

۱...... فہرست آیات کریمہ

۲...... فہرست احادیث مبارکہ

۳...... فہرست مآخذ و مراجع

فتاویٰ نوریہ کی اس جلد میں زکوٰۃ، عشر، روزہ، رؤیت ہلال، اعتکاف، حج، نکاح اور رضاعت وغیرہ مسائل سے متعلق ۲۴۱ / استفتاءات ہیں، جن میں ضمناً کم و بیش چھ صد فقہی جزئیات و مسائل آگئے ہیں-----

اس جلد میں تین مستقل رسائل شامل ہیں:

۱...... روزہ اور ٹیکہ

۲...... افادۃ النشر او کد الامر

۳...... حرمت المصاہرۃ ترفع المناکحۃ

زیر نظر اشاعتِ نو میں جن حضرات نے معاونت فرمائی، ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں، دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے مدرسین، مولانا قاری محمد اسد اللہ نوری اور مفتی محمد لطف اللہ اشرفی نوری نے از سر نو پروف ریڈنگ کی----- نیز مؤخر الذکر نے اصل مآخذ سے مراجعت کے بعد مآخذ و مراجع کی فہرست مرتب کی، جس میں مصنف، مطبع، سن اشاعت اور مصنف کے سن وصال کی تفصیل آگئی ہے-----

عزیزم محمد ساجد نوری متعلم دار العلوم ہذا نے فتاویٰ نوریہ میں درج آیات اور احادیث کی فہرستیں تیار کیں، نیز احادیث کی تخریج کا کام سرانجام دیا-----

مولانا صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری اور مولانا محمد یوسف نوری نے بڑی دل جمعی سے پیسٹنگ کی اور فتاویٰ کو حسن صوری سے آراستہ کیا، نیز اول الذکر نے جملہ طباعتی امور بڑی

لگن اور دلچسپی سے انجام دیے------

پروفیسر خلیل احمد نوری اور مولانا محمد منشاء تابش قصوری نے مفید مشوروں سے نوازا اور یوں یہ علمی و فقہی گلدستہ آپ کے ہاتھوں تک پہنچ رہا ہے------

ہم نے اس جلد کی تصحیح و تزئین کی مقدور بھر سعی کی ہے، تاہم اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو اسے ہماری کوتاہی پر محمول کیا جائے------

اللہ رب العزت جل جلالہ صاحب فتاویٰ نوریہ کے درجات بلند کرے اور جادۂ حق کے مسافروں کو آپ کے علمی فیضان سے مستنیر ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور فتاویٰ نوریہ کے نور کو عام فرمائے------

آمین بجاه سید المرسلین صلی الله تعالیٰ علیه و آله و اصحٰبه اجمعین

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوریہ قادریہ

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑہ)

فہرست

مشمولات

اجمالی فہرست کتب وابواب

فتاویٰ نوریہ جلد دوم

فہرست فتاویٰ نوریہ جلد دوم

صفحہ نمبر	فہرست مسائل	نمبر شمار
۸۷	**کتاب الزکوٰۃ**	
۹۱تا۹۹	تعارف کتاب الزکوٰۃ-----	۱
۱۰۱	چاندی کا نصاب (۵۰ : ۵۲) ساڑھے باون تولے اور سونے کا نصاب (۵۰ : ۷) ساڑھے سات تولہ ہے-----	۲
۱۰۱	چاندی سونے کے برتنوں 'ڈلی اور زیورات پر زکوٰۃ ہے-----	۳
۱۰۱	نوٹوں پر' جب تک چلتے رہیں زکوٰۃ ہے-----	۴
۱۰۱	پیسوں میں اگر چاندی غالب ہو تو بند ہونے کے بعد بھی زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں-----	۵
۱۰۱	اونٹ 'گائے اور بکری وغیرہ کے نصاب زکوٰۃ کے شرائط کا بالاختصار بیان-----	۶
۱۰۱	نوٹ کی زکوٰۃ میں چاندی کا اعتبار ہے-----	۷
۱۰۵	وہ رقم جو حکومت مشاہرات ملازمین سے ہر ماہ رکھ لیا کرتی ہے 'اس پر زکوٰۃ نہیں-----	۸

فتاویٰ
جلد دوم

فتاوٰی نوریہ
جلد دوم

فتاویٰ

جلد دوم
فتاویٰ

فتاویٰ نوریہ
جلد دوم

جلد دوم
نوادرات
فتاوٰی

جلد دوم
فتاویٰ نوریہ

جلد دوم
فتاوٰی

جلد دوم
فتاوی

فتاویٰ
جلد دوم

باب المہر ۳۶۳

فتاویٰ نذیریہ
جلد دوم

جلد دوم
فتاویٰ نوریہ

جلد دوم
فتاویٰ نوریہ

جلد دوم
فتاویٰ

جلد دوم
فتاویٰ

جلد دوم
فتاوی نوریہ

جلد دوم
فتاوی

جلد دوم
فتاویٰ نوریہ

فتاویٰ
جلد دوم

جلد دوم
فتاویٰ نوریہ

جلد دوم
فتاویٰ نوریہ

جلد دوم
فتاویٰ نوریہ

فتاویٰ
جلد دوم

فتاویٰ
نذیریہ
جلد دوم

جلد دوم
فتاویٰ

فتاویٰ نذیریہ
جلد دوم

فتاویٰ
جلد دوم

اصول فقہ و حدیث و فتویٰ

فتاویٰ
جلد دوم

جلد دوم
فتاوی نوریہ

نمبر شمار	مسائل	صفحہ نمبر
۵۲۲	الاشباہ والنظائر کا شمار کتب فتاویٰ میں ہے-----	۱۹۱
۵۲۳	فتاویٰ عالمگیری اور خلاصۃ الفتاویٰ کا شمار فتاویٰ معتبرہ سے ہے-----	۱۹۱
۵۲۴	اورنگ زیب علیہ الرحمۃ نے علما کے اتفاق سے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرایا-----	۱۹۲
۵۲۵	کافی للحاکم معتمد کتاب ہے-----	۵۷۰
۵۲۶	کتب ظاہر الروایہ میں مبسوط پہلی کتاب ہے اور اسے اصل کہا جاتا ہے-----	۵۷۰
۵۲۷	کتب ظاہر الروایہ میں جامع کبیر تیسری کتاب ہے-----	۵۷۰
۵۲۸	جامع صغیر' ظاہر الروایہ میں دوسری کتاب اور زیادات چوتھی ہے-----	۵۷۰
۵۲۹	مبسوط سرخسی کے خلاف پر عمل نہیں کیا جاتا اور نہ ہی فتویٰ دیا جاتا ہے-----	۵۷۰
	قطعات تاریخ	
۵۳۰	مراسلات فقیہ اعظم-----(قمر یزدانی)	۷۷۱
۵۳۱	تاریخ طباعت فتاویٰ نوریہ----(سید شریف احمد شرافت نوشاہی)	۷۷۲
۵۳۲	فقیہ اعظم-----(مولانا ابوالضیاء محمد باقر ضیاء النوری)	۷۷۳
۵۳۳	اجمالی فہرست کتب وابواب فتاویٰ نوریہ-----	۷۷۴ تا ۷۷۶

چند ممتاز اہل علم مستفتین

فتاویٰ نوریہ کی دیگر خصوصیات کے علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں اس میں معاشرے کے عام شعبہ ہائے زندگی سے متعلقہ حضرات نے استفتاء ات کیے ہیں' وہیں بحر علوم و معارف کے شناوروں کی کثیر تعداد بھی اس کے مستفتین کی فہرست میں نظر آتی ہے اور یہی بات اسے دیگر معاصر فتاویٰ جات سے ممیز کرتی ہے اور اس کے ظاہری و باطنی حسن میں اضافہ کا باعث ہے-----

زیر نظر فتاویٰ نوریہ جلد دوم کے چند قابل ذکر علمی مقام کے حامل مستفتین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :

۱ علامہ قاضی غلام محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جہلم، صفحہ ۱۰۳، ۸۰-۷۹، ۵۸۳، ۵۸۳

۲ مولانا عبدالکریم علیہ الرحمۃ' حجرہ شاہ مقیم، صفحہ ۱۲۳

۳ حضرت مولانا ابو الانعام مفتی محمد رمضان الحق النوری علیہ الرحمۃ' بانی دارار لعلوم قادریہ حویلی لکھا' صفحہ ۱۳۷

۴ علامہ مفتی ابو الیسر محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ' سابق خطیب ٹیکسٹائل ملز بوریوالا '

صفحہ ۲۱۷، ۶۷۵

۵ صاحبزادہ مولانا سید اختر حسین شاہ جماعتی علیہ الرحمۃ، علی پور سیداں، صفحہ ۲۳۷

۶ حضرت علامہ ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ، بصیر پور شریف، (آپ نے سفر زیارت وحج کے موقع پر مدینہ منورہ سے استفتاء بھیجا تھا)، صفحہ ۲۷۱

۷ مناظر اہل سنت مولانا محمد سعید اسعد، فیصل آباد، صفحہ ۳۰۲

۸ علامہ رحمت علی مدنی علیہ الرحمۃ، مدینہ منورہ، صفحہ ۳۰۶

۹ استاذ العلماء مولانا منظور احمد مدظلہ، حال مہتمم دارالعلوم غوثیہ جنڈانوالا، (خوشاب)، صفحہ ۳۳۸

۱۰ علامہ مفتی غلام معین الدین علیہ الرحمۃ، مدیر سواد اعظم لاہور، نائب ناظم جمعیت علماء پاکستان، تلمیذ و خلیفہ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ، صفحہ ۳۴۳

۱۱ خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری قصوری علیہ الرحمۃ، صفحہ ۴۵۰

۱۲ شیخ الحدیث علامہ ابو البیان غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمۃ، اوکاڑہ، صفحہ ۴۸۳

۱۳ مولانا محمد منشاء تابش قصوری، مرید کے، صفحہ ۴۴۴، ۵۲۸

۱۴ حضرت مولانا مفتی نصیر الدین رکن پوری علیہ الرحمۃ، رکن پورہ، صفحہ ۶۴۱

۱۵ مناظر اسلام مولانا علامہ غلام مہر علی، منڈی چشتیاں، صفحہ ۶۵۰

۱۶ دفتر ہفت روزہ سواد اعظم لاہور، صفحہ ۴۰۶

۱۷ دارالافتاء جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی، صفحہ ۱۷۸

۱۸ دارالافتاء دارالعلوم نعیمیہ، کراچی، صفحہ ۱۹۶

فقیہِ اعظم قدس سرہ

قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اُویس اندر قرن

علم و فضل کے پیکر رعنا

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا و مصلیا و مسلما

حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ صاحب قدس سرہ کی ذات والا صفات جامع کمالات تھی۔ آپ کا علمی تبحر، آپ کی فقہی بصیرت، آپ کا پاکیزہ کردار اور عمر بھر خدمت دین کی پُر خلوص جدوجہد، آپ کی وہ خصوصیات ہیں، جن میں عہد حاضر میں شاید ہی کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہو۔ علم و فضل کے پیکر رعنا ہونے کے باوجود ان کی تواضع اور ان کے انکسار نے انہیں اہل علم و نظر کی آنکھوں کا تارا بنا دیا تھا۔

آپ کی دینی خدمات بے شمار ہیں، ان میں آپ کا قائم کردہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ اور آپ کے فتاویٰ نوریہ کی متعدد جلدیں تا ابد ان کے علمی اور فقہی انوار سے تاریک دلوں کو منور کرتی رہیں گی اور سالکان راہ محبت کے لئے خضر راہ کا کام دیتی رہیں گی۔

جب کبھی ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے تو ذہن کو اطمینان اور دل کو جلا نصیب ہوتی ہے۔ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ ہستی جو عمر بھر ہنگامہ ہائے روزگار سے دامن کش رہی، اس نے کس طرح جدید تقاضوں کا صحیح ادراک کیا اور ان کی روشنی میں اپنی فقیہانہ، دوررس بصیرت سے جدید مسائل کے ایسے حل پیش کیے، جنھوں نے جدید و قدیم دونوں طبقات کو مطمئن کر دیا اور ہر ایک کے لوح قلب پر فقہ اسلامی کی برتری کا ایسا نقش ثبت کیا، جس کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔

ہم صدق دل سے دست بدعا ہیں کہ اللہ رب العزت ان کے دست مبارک سے لگائے ہوئے پودے دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کو تا ابد سرسبز و شاداب رکھے اور اس دارالعلوم کو رشد و ہدایت کا مرکز بنائے تاکہ اس چشمۂ شیریں سے تشنگان علم ہمیشہ ہمیشہ سیراب ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادگان خصوصاً صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری صاحب کو عمر دراز عطا کرے اور اپنے والد ماجد کے عدیم المثال محامد و محاسن کا صحیح وارث بنائے، ان کو عمر خضر عطا فرمائے اور انہیں توفیق بخشے کہ وہ اپنے والد ماجد قدس سرہ کی روشن کی ہوئی اس شمع کو روشن رکھیں، اپنے حسن عمل اور بلندی کردار سے اس کی تابانیوں میں اضافہ کرتے رہیں۔

افقہ العلماء

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی قدس سرہ العزیز

مخدوم العلماء حضرت علامہ مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عصر حاضر کے محدث ہی نہیں' بلکہ ایک صاحب طرز فقیہ اور عظیم المرتبت شیخ طریقت بھی تھے۔ حدیث' تفسیر' فقہ' معانی اور کلام وغیرہ علوم آپ کی شخصیت میں مبداء فیاض کی عنایات سے جمع تھے۔..........اگر دیگراں علماء اند او اعلم العلماء بود-----اگر دیگراں فضلاء اند او افضل الفضلاء بود-----لوگ فقیہ اعظم کہتے ہیں لیکن میں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ اگر دیگراں فقہاء اند او افقہ الفقہاء بود......اگر دیگراں اصفیاء اند او رئیس الاصفیاء بود......اگر دیگراں مشائخ اند او شیخ المشائخ بود...... فتویٰ کے اندر اگر میں یہ کہوں کہ وہ اصحاب ترجیح سے تھے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کے فتووں کے اندر اجتہادی شان ہے' مجتہدانہ بصیرت ان کو حاصل تھی' ویسے تو "لا بد للمفتی ان یکون مجتہدا" ہر مفتی کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے لیکن حضرت فقیہ اعظم کے فتاویٰ کی اپنی شان ہے' ان کی بعض تحقیقات سے کسی کو اختلاف ہو تو الگ بات ہے لیکن ان کی فقاہت اور ثقاہت کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

جہاں حضرت کی حیات ظاہری میں ہزاروں علماء و فضلاء نے آپ کے چشمۂ علم سے سیرابی حاصل کی' وہاں بے شمار لوگ روحانی طور پر بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کا روحانی فیض جاری رہے گا۔

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

حضرت فقیہ اعظم

قدس سرہ العزیز

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری

عُمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

(۱)

مجمع علم و عرفاں، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی، نسباً ارائیں، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۶/ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۰/ جون ۱۹۱۴ء کو تحصیل دیپال پور کے مضافات موضع سوجے کی میں ہوئی۔ ولادت سے قبل آپ کے بزرگوں کو دین مصطفوی کی شمع فروزاں کرنے والی عظیم شخصیت کے ظہور کی متعدد بشارتیں بذریعہ خواب اور بذریعہ مختلف اولیاء کرام مل چکی تھیں-----

آپ کے والد ماجد زبدۃ الاصفیاء مولانا ابو النور محمد صدیق چشتی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) اور جد امجد حضرت مولانا احمد دین علیہ الرحمۃ (م ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء) نے اپنی

نگرانی میں تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا۔ اسی اثناء میں آپ کو ایک ماسٹر صاحب کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا، لیکن آپ نے یہ کہہ کر پڑھنے سے انکار کر دیا کہ میں کسی داڑھی منڈانے والے (تارک سنت اور فاسق) استاد سے نہیں پڑھ سکتا۔ قرآن کریم اور فارسی کی تعلیم اپنے والد مکرم اور جد امجد سے حاصل کرنے کے بعد سلف صالحین کی سنت کے مطابق طلب علم کے لئے سفر شروع کیا۔ آپ نے بڑی جاں فشانی سے کام لیتے ہوئے متحدہ ہندوستان کے دور دراز مقامات پر جا کر متعدد علماء کرام سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی۔ اس سلسلے میں استاد العلماء حضرت مولانا فتح محمد جبیبوی محدث بہاول نگری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے-----

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے دوران تعلیم محنت، لگن اور ذاتی مطالعہ سے وہ استعداد پیدا کی کہ اساتذہ بھی اس خداداد صلاحیت ولیاقت کے معترف تھے-----

آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کے بعد ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء میں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلہ لیا، جہاں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) اور مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء) سے دورہ حدیث شریف پڑھا۔ حضرت محدث الوری دورۂ حدیث پڑھنے والوں کو اکثر فرمایا کرتے :

"اس بار تم مولانا محمد نور اللہ صاحب کی طفیل پڑھ رہے ہو"-----

دورۂ حدیث مکمل کرنے کے بعد ۶ / شعبان ۱۳۵۲ھ بمطابق ۲۳ / نومبر ۱۹۳۳ء کو سند و دستار فضیلت عطا کی گئی۔ اس موقع پر امام اہل سنت محدث الوری علیہ الرحمۃ نے آپ کو مطبوعہ سند کے علاوہ خصوصی اسناد سے بھی نوازا اور ابو الخیر کنیت عطا فرمائی۔ بعد میں مفتیٔ اعظم مولانا ابو البرکات علیہ الرحمۃ نے آپ کو فقیہ زماں، محدث دوراں، فقیہ العصر، فقیہ النفس اور مفتیٔ اعظم وغیرہ جلیل القدر القاب سے ممتاز فرمایا۔ جن کی تفصیل کے لئے احقر کی تصنیف "سیدی ابو البرکات رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکاتیب کے آئینے میں" کا مطالعہ کیا جائے۔ ان گوناں گوں اور متنوع القاب میں سے "فقیہ اعظم" کا لقب زبان زد خاص و عام ہے۔ اب فقیہ اعظم کہا جائے تو اہل علم اس سے آپ ہی کی ذات گرامی مراد

لیتے ہیں۔ غازیٔ کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمہ اللہ نے بھی اپنے ایک گرامی نامہ میں حضرت کے نام کے ساتھ فقیہ اعظم کا لقب تحریر فرمایا-----

حضرت فقیہ اعظم نوراللہ مرقدہ نے اپنی فطری ذکاوت وذہانت سے زمانہ طالب علمی ہی میں ذاتی مطالعہ سے علوم درسیہ کے علاوہ متعدد علوم وفنون میں وہ مہارت حاصل کی کہ باید وشاید-----

(۲)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے بنگلہ فاضل کا (بھارت)' موضع واسو سالم' موضع سوجے کی وغیرہ مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصہ اپنے استاذ گرامی حضرت محدث بہاول نگری کے پاس ان کے مدرسہ مفتاح العلوم میں صدر مدرس رہے۔ پھر ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں تحصیل دیپال پور کے قصبے فرید پور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے نام سے مدرسے کی داغ بیل ڈالی۔ آپ کی قابلیت اور پُر تاثیر تدریس کا شہرہ عام ہونے لگا' جملہ علوم وفنونِ درسِ نظامیہ کی تدریس کا کام تنہا انجام دیتے رہے۔ کسی بھی فن کا درس ہوتا' طلبہ کے قلوب واذہان میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع فروزاں کرتے چلے جاتے۔ اسی مقام پر ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء میں بخاری شریف سے دورۂ حدیث کا آغاز فرمایا۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دورۂ حدیث کی اس پہلی جماعت میں دیگر تلامذہ کے علاوہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شریک درس تھے-----

طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک عظیم الشان علمی ادارے کی متقاضی تھی' جس کے لئے یہ جاگیردارانہ ماحول مناسب نہ تھا' اس لئے آپ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء میں بصیر پور میں تشریف لے آئے' یہ پسماندہ علاقہ خصوصاً وہ خطۂ زمین جس پر اب دارالعلوم موجود ہے' قذاقوں کا مسکن تھا۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے یہ خطہ علم وعرفان کا گہوارہ بن گیا-----

دارالعلوم کی تعمیر وتاسیس سے عروج وارتقاء کے مرحلے طے کرنے میں آپ کو بڑے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا' مگر آپ نے صبر واستقامت سے ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ نے اپنی شبانہ روز محنت' پیہم لگن اور جہد مسلسل سے اسے عظیم یونیورسٹی بنا دیا۔ یہ مدرسہ آج ایک عظیم

الشان علمی مرکز کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کر چکا ہے۔ مدرسہ کی اسی (۸۰) کمروں' متعدد برآمدوں اور درس گاہوں پر مشتمل دو منزلہ عمارت وسیع ہال کی صورت میں کتب خانہ اور خوب صورت مسجد قابل دید ہے-----

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے تقریباً پچاس سال قرآن و حدیث اور دیگر علوم و فنون کا درس دیا' اسباق کی پابندی فرمائی' تدریس سے آپ کو بڑا شغف تھا۔ چنانچہ جب حج و زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تو وہاں بھی تصوف و حدیث کا درس جاری رکھتے' اسی وجہ سے آپ محدثِ عرب و عجم کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ جب سنت یوسفی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جیل میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی درس و تدریس کا کام رہا۔ آپ نے درس حدیث کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رکھا' آپ سے فیض یافت گان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے' جو ملک کے گوشے گوشے بلکہ بیرون ملک بھی درس و تدریس' تصنیف و تالیف اور افتاء و تبلیغ کے ذریعے رشد و ہدایت میں مصروف ہیں-----

(۳)

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مرشد کامل کی جستجو کی۔ چونکہ درس و تدریس کا شوق تھا' اس لئے خیال پیدا ہوا کہ کہیں لمبے لمبے وظیفوں کا ارشاد نہ ہو جائے' اس لئے آپ چاہتے تھے کہ ایسا رہبر ملے' جو شریعت و طریقت کا جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اس زبوں حالی کے دور میں اشاعت علم کی اہمیت و ضرورت سے بخوبی آگاہ ہو۔ غالباً ۱۹۴۱ء میں آپ حزب الاحناف کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے تو حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (وفات ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اپنے والد گرامی اور حضرت مفتئ اعظم سید ابو البرکات قدس سرہ العزیز کے مشورے سے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ رہبر کامل نے خود ہی ارشاد فرمایا :

"مولانا! آپ کا وظیفہ درس و تدریس ہے"-----

چنانچہ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے عمر بھر اس وظیفے کو حرز جان بنائے رکھا۔ بیعت ہونے کے بعد سیدی فقیہ اعظم رمضان المبارک میں مراد آباد شریف حاضر ہوئے' یہاں

حضرت صدر الافاضل نے آپ کو سلوک و معرفت کی مختلف منزلیں طے کرائیں، اپنے سلاسل حدیث کی اسناد، مختلف اشغال و اعمال اور اوراد و وظائف کی اجازت اور سلسلہ عالیہ قادریہ مکیہ کے علاوہ دیگر سلاسل میں بھی اجازت و خلافت سے نوازا۔ اس تحریری اجازت نامے پر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے ۱۷/ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ (۲۸/ ستمبر ۱۹۴۲ء، بروز پیر) کی تاریخ درج فرمائی-----

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے علاوہ حضرت فقیہ اعظم کو اپنے گرامی قدر اساتذہ مولانا سید دیدار علی شاہ الوری، مفتیٔ اعظم مولانا ابوالبرکات قادری اور حضرت محدث بہاول نگری رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اعمال و وظائف اور مختلف سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی-----

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی شخصیت اس قدر پُر کشش تھی کہ ان کی خدمت میں حاضری دینے والا ہمیشہ کے لئے دامِ عقیدت و محبت میں گرفتار ہو جاتا۔ آپ سے متاثر ہو کر کئی بد مذہب اپنی بد عقیدگی سے تائب ہو کر مسلک اہل سنت کے مبلغ بنے۔ بے شمار لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی، آپ کے مریدین و معتقدین پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی موجود ہیں-----

(۴)

"حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز اپنے دور کی نادر روزگار شخصیت تھے، علم و فضل، تقویٰ و طہارت، تنظیم و سیاست اور ہمت و استقامت میں یکتائے روزگار تھے، یوں تو تفسیر، حدیث اور دیگر تمام مروج علومِ دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، لیکن فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا، اس لئے آپ کے ہم عصر اکابر علماء نے آپ کو فقیہ اعظم تسلیم کیا۔ آپ کے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ کے مطالعہ سے آپ کی وسعت نظر، عمیق مشاہدہ، قوت استدلال اور جدت فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے"-----

(محمد عبد الحکیم شرف قادری، مولانا، نور الحبیب، بصیر پور، شمارہ رجب ۱۴۰۳ھ)

آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، ملک اور بیرون ملک کے لوگ استفتاءات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ حالات حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور اور مسائل عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، انگریزی اور ہومیو پیتھی ادویات، جاں بہ لب مریضوں کے لئے عطیۂ خون، بچیوں کو لکھنے کی تعلیم دینے اور ریل گاڑی و ہوائی جہاز میں نماز وغیرہ عہد حاضر کے نئے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے-----

فتاویٰ نوریہ کی زیر نظر جلد (دوم) میں بھی رؤیت ہلال، روزہ کی حالت میں انجکشن، بلغاریہ و ڈنمارک وغیرہ (جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے) اور بعض وہ علاقے جہاں سال کے کچھ دن ایسے آتے ہیں جن میں غروب آفتاب کے بعد جلد ہی صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے، ایسے علاقوں میں نماز روزے اور دیگر تقریبات کے اوقات کا تعین، حج کے لئے تصویر کا جواز اور ایوبی دور میں عائلی قوانین پر مبنی پنجاب اسمبلی میں بیگم سلمیٰ کے پیش کردہ بل پر تحقیقی رائے ایسے متعدد فتوے ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے عصر حاضر کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے تحقیق کا حق ادا کیا-----

جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ (سابق جج وفاقی شرعی عدالت، مہتمم دارالعلوم نعیمیہ کراچی) نے ایک مرتبہ پچیس سے زائد مسائل پر مشتمل ایک سوال نامہ پاکستان کے اکابر علماء کی خدمت میں ارسال کیا، جس میں انتقال خون، اعضاء کی پیوندکاری اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی وغیرہ ایسے جدید مسائل کے بارے میں رائے طلب کی گئی تھی۔ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز ان چند بزرگوں میں سے تھے، جنہوں نے جواب کی زحمت برداشت کی۔ بقول حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ :

"بلکہ صحیح یہ ہے کہ پوری دلچسپی سے معقول و مدلل جوابات صرف آپ ہی کے تھے"-----(مکتوب بنام مولانا شبیر احمد ہاشمی، محررہ ۶ / مئی ۱۹۸۳ء)

جواد مطلق نے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کو جس فقہی بصیرت سے بہرہ ور فرمایا تھا، اس کے بارے میں شارح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، شیخ الحدیث کراچی رقم طراز ہیں :

"حضرت فقیہ اعظم اپنے وقت کے عظیم محدث اور فقیہ تھے، آپ مجتہدانہ

بصیرت کے حامل تھے' آپ کے مطالعہ کی وسعت بے پناہ تھی' جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے تو حوالوں کا انبار لگا دیتے تھے۔ فتاویٰ نوریہ میں دلائل کا سیلاب ہے۔ بہت سے ایسے مسائل جن کو آپ نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور ان میں اپنی مجتہدانہ رائے کا اظہار فرمایا۔ ہو سکتا ہے بعض حضرات کو ان میں سے کسی چیز سے اختلاف ہو لیکن ایک وقت آئے گا کہ علماء آپ کے خیالات سے رہنمائی حاصل کریں گے"-----

(مکتوب بنام راقم' محررہ ۱۹/ مئی ۱۹۸۴ء)

فتاویٰ نوریہ کی زیر نظر جلد کے اکثر و بیشتر فتووں میں بیسیوں مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے' اس سلسلے میں متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں' اختصار کے پیش نظر چند شواہد ملاحظہ فرمائیں :

صفحہ ۵۵۳ تا صفحہ ۵۷۶ حرمت مصاہرت کے بارے میں ایک فتویٰ ہے' ۲۴ صفحات کے اس فتوے میں ۲۶۱ حوالہ جات دیے گئے ہیں-----

صفحہ ۱۱۵ تا صفحہ ۱۱۶ پر بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عدم جواز پر صرف دو صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی فتویٰ ہے' جس میں دس کتب کے حوالے اور انیس صحابہ کرام کے اسماء گرامی درج کیے ہیں' جن سے اس مسئلے کے بارے میں احادیث مروی ہیں-----

صفحہ ۲۷۱ سے رؤیت ہلال سے متعلق ایک فتویٰ شروع ہوتا ہے' جو صرف تین صفحات کا ہے' مگر اس میں ۳۴ کتب کے حوالے دیے گئے ہیں-----

اسی طرح صفحہ ۲۰۷ تا صفحہ ۲۰۹ پر نکاح کے بارے میں ایک فتویٰ ہے' اڑھائی صفحات کے اس فتوے میں ۳۷ حوالہ جات دیے گئے ہیں-----

اس قدر محنت اور تحقیق کے باوجود آپ نے عمر بھر کسی سے فتویٰ نویسی کے عوض ایک پائی بھی وصول نہ فرمائی۔ اسی طرح درس و تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض بھی عمر بھر بغیر کسی ادنیٰ معاوضے کے للّٰہیت و خلوص کے ساتھ انجام دیتے رہے------

ایک فقیہ اور مفتی کے لئے ایمانی فراست' علمی وسعت' تزکیۂ نفس' تقویٰ وورع اور دیانت و راست بازی وغیرہ جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے' وہ تمام تر آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ انہی

اوصاف کے پیش نظر ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا :

''حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب دور حاضر کے امام ابو حنیفہ ہیں''-----

(۵)

حضرت فقیہ اعظم فنافی الرسول اور فنافی حب المدینہ تھے۔ آپ کی محفل میں حاضری سے شرف یاب ہونے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ کے پیارے شہر مدینہ منورہ کا ذکر آتے ہی مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگتے' درس حدیث دیتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابلنے لگتے' ایسا محسوس ہوتا کہ محبوب پاک ﷺ کے جمال جہاں آراء کے دیدار میں محو ہیں۔ مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری کے نام ایک مکتوب گرامی میں اسی حقیقت کو یوں منکشف فرماتے ہیں :

> ''میرا تو بفضلہٖ تعالیٰ یہ عالم ہے کہ بصیر پور میں درس اسباق دیتے ہوئے مدینہ عالیہ میں ہی حاضر معلوم ہوتا ہوں۔ گنبد خضراء پیش نظر رہے تو کوئی دوری نہیں۔ تعلیم بھی نہایت ضروری ہے کہ صوفیٔ بے علم شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے' ورنہ دل یہی چاہتا ہے کہ ہر وقت مدینہ عالیہ حاضری رہے''-----(مکتوب محررہ' ۱۸/اکتوبر ۱۹۷۹ء)

آپ کے دل میں حاضریٔ مدینہ منورہ کی کتنی تڑپ تھی' اس کی جھلک آپ کی تحریروں میں جا بجا دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت کے مرید خاص حاجی چودھری محمد اسحاق نوری متعدد بار حاضریٔ مدینہ منورہ میں حضرت کے ہم سفر رہے' وہ حاضریٔ بارگاہ سرکار ﷺ میں تھے کہ ان کے نام ایک مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا :

> ''حسرت آتی ہے کہ آپ کے ساتھ ان پاک پیاری گلیوں میں یہ فقیر بھی ہوتا تھا' مگر کیا کروں کہ یہ نامرادی کے دن بھی قسمت میں تھے۔ گو تذکرہ تو وہیں کا رہتا ہے مگر ہوں تو دور و مہجور..................
>
> حاجی صاحب! اس گدائے بے نوا کی جلدی حاضری کی اجازت لے کر آئیں اور

بغداد شریف کی حاضری کی منظوری بھی لے کر آئیں کہ وہاں سب کچھ ملتا ہے"----(محررہ ۲۰/اپریل ۱۹۸۰ء)

جب ظاہراً حاضری میں تاخیر ہو جاتی یا حج و عمرہ کے دن قریب آتے تو آپ کی بے قراری' اضطراری شکل اختیار کر جاتی۔ دیکھیے اپنے مرید چوہدری عبد الرزاق نوری مدنی کو ایک مکتوب میں وار فتگی کی عجیب کیفیت میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا قبلہ فضیلۃ الشیخ محمد ضیاء الدین قادری مد ظلہم سے نہایت نیاز مندانہ سلام عرض کریں اور خاص الخاص دعا کرائیں کہ یہ سگ بے بضاعت بھی مدینہ منورہ کی گلیوں کی زیارت کر سکے۔ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ چاچڑاں شریف والوں کا ایک شعر لکھتا ہوں کہ میرے دل کی حسرت کی آواز ہے۔

کوئی یار سنیہڑا گھل وے' دن بہتے گزرے
میرا جاوے نہ جوبن ڈھل وے' دن بہتے گزرے

مدنی صاحب! خوب خوب بچوں کی طرح بلک بلک کر اور رو رو کر دعائیں کریں اور التجائیں کریں۔ ضدی بچے کے مہربان ماں باپ ضد پوری کر دیتے ہیں' ہمت کریں میں تو بالکل بے دست و پا ہوں' کچھ بھی نہیں کر سکتا' نہ بچہ ہوں کہ ضد پر اڑ جاؤں۔ ہاں کرم ہی کرم درکار ہے"----(محررہ ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ' ۲۴/جون ۱۹۸۰ء)

اور پھر جب اذن حضوری مل جاتا تو آپ کی مسرت دیدنی ہوتی۔ حاجی رشید احمد نوری بھٹی کو تحریر فرمایا:

"سترہ ستمبر کو بصیر پور سے (مدینہ منورہ) روانگی ہے۔ اس دن میری عید کا دن ہے"----(مکتوب محررہ ۱۴/اگست ۱۹۸۱ء)

پھر کوئی عزیز آپ کی علالت و نقاہت اور موسم کی حدت کے پیش نظر یہ عرض کرتا کہ----ع

گرمی ہے' تپ ہے' درد ہے' کلفت سفر کی ہے

تو آپ اسے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کے ہم زباں ہو کر جواب دیتے-----ع

ناشکر! یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے

چنانچہ حاجی رشید احمد نوری بھٹی کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

"کل ان شاء اللہ تعالیٰ روانہ ہو رہا ہوں' ولله الحمد و المنة' آپ کی نصیحت بجا کہ کمزور ہوں اور گرمی بڑی ہے مگر مدینہ منورہ کی طرف منہ ہو تو کوئی خوف نہیں"-----(محررہ ۱۵/جولائی ۱۹۷۹ء)

۱۹۶۰ء میں پہلی بار آپ حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے' پھر مسلسل کرم ہوتا رہا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ بیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری سے شرف یاب ہوئے-----

۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء میں حاضریٔ مدینہ منورہ کے لئے عراق اور شام کا راستہ اختیار فرمایا۔ بغداد شریف' کربلا معلیٰ' نجف اشرف' بصرہ' کوفہ' دمشق اور حلب وغیرہ شہروں میں متعدد انبیاء کرام' صحابہ کرام' اہل بیت اطہار اور اولیاء عظام کے مزارات پر حاضری دی-----

(۶)

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ بیک وقت بہترین مدرس بھی تھے اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک منتظم بھی----- نعت گو شاعر بھی تھے اور بلند پایہ محقق بھی-----ژرف نگاہ مفتی بھی تھے اور شیخ کامل بھی-----ان گوناں گوں اوصاف کے ساتھ ساتھ جواد مطلق نے آپ کو سیاست میں بھی بڑی فراست سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ اگرچہ عملاً سیاست سے کنارہ کش رہے' تاہم جب کبھی دین کی سربلندی کے لئے قربانیوں کا موقع آیا تو قوم نے آپ کو مجاہدین کی صف اول میں پایا۔ چنانچہ آپ نے تحریک پاکستان میں اپنے مرشد گرامی حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز اور دیگر اکابر علماء و مشائخ اہل سنت کے ساتھ مل کر اس تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کی خاطر نمایاں کردار ادا کیا-----

۱۹۴۶ء میں جب کانگریس اور مسلم لیگ کا انتخابی معرکہ ہوا تو آپ نے اپنا بھر پور اثر و رسوخ استعمال کیا، نتیجتاً اس حلقہء انتخاب میں مسلم لیگی امیدوار کو کامیابی ہوئی۔ جہاد کشمیر میں غازی کشمیر حضرت علامہ ابو الحسنات قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) کے ساتھ مکمل تعاون کیا-----

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے پرزور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، آپ کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی مگر تین ماہ بعد رہا کر دیے گئے۔ ۱۹۷۴ء میں سانحہ ربوہ کے باعث جب دوبارہ تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے تحفظ ناموس رسالت کا نعرہ بلند کیا اور اس تحریک میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا-----

۱۹۴۸ء میں ملتان میں جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل ہوئی تو اس اجلاس میں حضرت بھی شریک ہوئے۔ آپ جمعیت کے اساسی ارکان میں سے تھے اور جمعیت کی مجلس عاملہ و شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ ۱۹۷۷ء میں خواص و عوام کے پرزور اصرار پر جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا، یہ وہ وقت تھا کہ حکمران پارٹی کی مخالفت کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا، مگر اس مرد مجاہد نے نعرۂ قلندرانہ بلند کیا----- مخالفت کی آندھیاں اٹھیں، بدتمیزی کے جھکڑ چلے، دھمکیوں کے طوفان اٹھے مگر جرأت و استقلال کے اس کوہ گراں کے پائے ثبات میں ذرا بھر لغزش نہ آئی۔ آپ کو الیکشن میں حصہ لینے اور کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں حکومت وقت نے کئی انتقامی منصوبے بنائے (جن کا دستاویزی ثبوت موجود ہے)، مگر آپ نے تمام سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ہر مقام پر ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا-----

ملک کے دیگر مقامات کی طرح اس حلقۂ انتخاب میں بھی وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں، دھاندلیوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک کے نتیجہ میں جبر و استبداد اور آمریت کا بت پاش پاش ہو گیا۔ نظام مصطفیٰ کی اس تحریک میں آپ کا مثالی کردار ہمیشہ دعوت فکر و عمل دیتا رہے گا۔ ۲۳ / مارچ ۱۹۷۷ء کو ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری دی۔ ساہیوال سنٹرل جیل میں بھی اپنے مشن کو جاری رکھا اور درس قرآن کریم کے علاوہ قیدی طلباء و علماء کو بخاری شریف کا درس بھی باقاعدگی سے دیتے رہے-----

۱۹۷۸ء میں آپ کو جماعت اہل سنت پاکستان کا سینئر نائب صدر مقرر کیا گیا' آخر عمر تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے -----

(۷)

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی اتباع نبوی اور عشق مصطفوی علیہ السلام سے عبارت تھی۔ ان کا چلنا' پھرنا' اٹھنا' بیٹھنا' غرض ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ کے مطابق تھی ----- عبادت و ریاضت اور تقویٰ و طہارت میں مقام رفیع پر فائز تھے ----- فرائض وواجبات کے علاوہ سنن و نوافل کا وہ اہتمام کہ باید و شاید ----- بچپن ہی سے تہجد کی عادت تھی' جس پر عمر بھر مواظبت فرمائی۔ مریدین و معتقدین کو بھی پابندی سے تہجد ادا کرنے کی تاکید فرماتے۔ چنانچہ اپنے ایک مرید حاجی سکندر علی نوری کے نام تحریر فرمایا:

''نماز پنج گانہ اور نفل تہجد کا خیال آپ کے اہل خانہ بھی رکھیں اور اوراد و وظائف پورے کرتے رہیں'' ----- (محررہ ۲۱/اگست ۱۹۷۲ء)

ایک اور مکتوب گرامی میں مولانا مسعود احمد نوری بن مولانا زید احمد نوری خطیب گوجرانوالا کے نام تحریر فرمایا:

''نمازیوں اور ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک و محبت سے رہا کریں' تہجد قضا نہ کیا کریں'' ----- (محررہ ۴/جنوری ۱۹۷۲ء)

آپ نے عمر بھر شریعت مطہرہ پر پابندی کا درس دیا' جس کی جھلک جابجا آپ کی تحریروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اپنے ایک فرزند نسبتی مولانا حافظ محمد فیض الرحمٰن کوثر کے نام ایک مکتوب میں یہ نصیحت فرمائی:

''اپنے اوقات عزیزہ پڑھنے اور پڑھانے میں پورے کریں اور استقامت علی الشریعۃ کا خاص خیال رہے کہ اصل وہی ہے اور اسی میں مدارج عالیہ مضمر ہیں۔ خاقانی نے کیا خوب کہا ہے -----

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی

کہ یک دم باخدا بودن بہ از مُلک سلیمانی

حکیم سنائی نے بھی خوب سنائی ہے------

غمِ دین خور کہ غمِ غمِ دین است
ہمہ غم ہا فروتر از این است"

(محررہ ۶/رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ)

اسی طرح حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ اور مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری و مولانا ابو الحقائق محمد رمضان نوری رحمہما اللہ تعالیٰ کے نام تحریر فرمایا:

"شریعت غراء پر عمل پوری کوشش سے کرتے رہیں۔ ہر قسم کی خیانت سے پوری پرہیز رہے، خلوص و اخلاص و اتفاق سے وقت بسر کریں، یہ دنیا لعب و لہو ہی تو ہے"-----(محررہ مدینہ منورہ، ۷ ۲/مئی ۱۹۶۰ء)

حضرت فقیہ اعظم باوقار، بارعب اور پرکشش شخصیت کے حامل تھے۔ آپ بچوں پر رحمت، طلباء پر شفقت اور بزرگوں سے مودت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی حافظ شیرازی کے اس شعر کا صحیح مصداق تھی-----

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں مروت با دشمناں مدارا

اخلاقیات میں صاحبِ خلق عظیم کے مظہر اتم تھے۔ شخصیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آپ کی ذات شرافت و متانت، جرأت و استقلال، ہمدردی، خیر خواہی، حلم و بردباری، بے لوثی و فرض شناسی، عالی ظرفی، علم و عمل، تواضع وانکساری، خدا ترسی اور پرہیزگاری کا مرقع تھی۔ آپ نے ۱۹۷۵ء میں اپنی جواں سال عالمہ فاضلہ صاحبزادی کی وفات اور پھر ۱۹۷۸ء میں جواں سال عالم، فاضل، محقق اور قابل ترین صاحبزادے مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ کے وصال پر جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، وہ تاریخ عزیمت کا درخشندہ باب ہے۔ جس طرح حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے موقع پر کتب احادیث میں حضور ﷺ کے طریق عمل کی منظر کشی کی گئی ہے، حضور ﷺ کے اس متبع سنت اور مظہر نے اپنے عمل سے وہی سماں پیدا کر دیا

کہ آنکھیں اشک بار تھیں اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے :

ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضیٰ ربنا و انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون-----(مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت)

''آنکھیں اشک بار ہیں' دل غم گین ہیں' مگر ہم ایسی کوئی بات نہیں کہتے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو اور ہم اے ابراہیم! تیرے فراق سے بڑے رنجیدہ ہیں''-----

عاجزی و فروتنی آپ کے ماتھے کا جھومر اور استغناء و توکل آپ کی زینت تھے۔ آپ کسی امیر یا وزیر کے دروازے پر نہ گئے' طلبِ زر اور طلبِ دنیا سے ہمیشہ پہلو تہی کی-----بس انھیں تکیہ تھا تو اپنے کریم رؤف و رحیم ﷺ کی محبت پر تھا----- یہی ان کا اصل سرمایہ تھا۔ مریدین و معتقدین کے لئے اسی دولت کے حصول کی دعا کیا کرتے' جیسا کہ حافظ محمد فیض الرحمٰن کوثر علیہ الرحمۃ کے نام تحریر فرمایا:

''دنیا دار المحن اور سجن المؤمن ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور حب الحبیب الاعظم ﷺ سے دل آباد رکھے تو سب کچھ حاصل ہے۔ یرزقنا اللّٰہ تعالیٰ''-----

(محررہ ۳/ فروری ۱۹۸۱ء)

(۸)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے یکم رجب المرجب ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۵/ اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک دوپہر ایک بجے میو ہسپتال لاہور میں وصال فرمایا۔ وصال مبارک کی خبر قیامت اثر کو ٹیلی ویژن اور ریڈیو نے دو مرتبہ نشر کیا۔ اخبارات نے صفحۂ اول پر یہ جان کاہ خبر شائع کی۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ ملک بھر سے لوگ بصیر پور شریف پہنچنا شروع ہو گئے۔ ۱۶/ اپریل کو غسل کے بعد حضرت کو دن کے گیارہ بجے دار العلوم کے صحن میں رکھ دیا گیا۔ تین بجے تک مشتاقانِ دید' دیدار سے مشرف ہوتے رہے-----

آپ کا چہرۂ انور پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس پر نورانیت اور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ روزنامہ مشرق لاہور نے اپنی ۱۸/ اپریل ۱۹۸۳ء کی رپورٹ میں تحریر کیا:

"مولانا مرحوم کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ دیکھ کر لوگوں کا ایمان تازہ ہو رہا تھا"-----

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی-----

مولانا تابش قصوری صاحب لکھتے ہیں:

جنازہ میں کم و بیش چالیس ہزار نامور علماء و مشائخ عظام اور اصفیاء و حفاظ کرام شریک تھے۔ ان خواص کے علاوہ عوام کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں-----

(ترجمان اویس، مریدکے، رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ)

روزنامہ جنگ لاہور (۱۸/اپریل ۱۹۸۳ء) نے جنازہ کا اجتماع ڈیڑھ لاکھ بتایا۔ تاہم محتاط اندازے کے مطابق عوام کی تعداد دو لاکھ سے متجاوز تھی-----

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے مشرقی حصہ میں آپ کا روضہ مبارکہ مرجع خلائق ہے۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک رجب المرجب کی پہلی اور دوسری تاریخ کو بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوتا ہے، جس میں ممتاز علماء و مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں-----

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نور اللہ مرقدہ کے برادر گرامی حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ کہا:

آں ابو الخیر زبدۂ اخیار — بود اندر علوم کوہِ وقار
تاج دارِ ولایتِ عرفاں — در دیارِ علومِ دیں سردار
سینہ گنجینہ اش ز حبِّ نبی — دِلش از ذوق و شوقِ دیں سرشار
رحلتش غرّۂ زِ ماہِ رجب — سال ہفتاد و دو ز عمر شمار
فخر آں بود چونکہ "نور اللہ"

مرقد اوست، مظہر انوار

۱۴۰۳ھ

ممتاز نعت گو شاعر راجا رشید محمود نے یہ قطعۂ تاریخ وصال کہا:

فقیہ زماں صاحب اوج و عظمت رہے عمر بھر سادگی کی علامت
جو پوچھوں میں تاریخ ترحیل ان کی تو ہاتف کہے "فاضلِ پاک طینت"

۱۴۰۳ھ

نامور شاعر جناب طارق سلطان پوری نے متعدد کلمات سے تاریخ وصال کا استخراج کیا، جن میں چند مادہ ہائے تاریخ حسب ذیل ہیں:

وہ بصیرت کا نمونہ وہ فقاہت کا نشاں اجتہادی شان کا مالک تھا وہ مردِ خدا
اس عظیم المرتبت انسان کا سالِ وصال "مظہرِ انوارِ اوج شرع" طارقؔ نے کہا

۱۹۸۳ء

"وجیہ و محبوب، باکمال شخصیت" (۱۹۸۳ء)، "پیکرِ تقویٰ و تفقہ دین" (۱۴۰۳ھ)، "مجتہدانہ بصیرت کا جلوۂ حسین" (۱۴۰۳ھ)

"فہیم، محقق اعظم" (۱۴۰۳ھ)، "یم تدبر و فراست" (۱۴۰۳ھ)، "حسن عہد، فقیہ اعظم" (۱۴۰۳ھ)

معروف نعت گو جناب قمر یزدانی نے درج ذیل کلمات سے تاریخ وصال کا استخراج کیا:

"شخصیت بے مثال" (۱۹۸۳ء) "عابد مغفور" (۱۴۰۳ھ) اور

"عالم یکتا علامہ محمد نور اللہ نعیمی نور اللہ مرقدہ"

۱۹۸۳ء

(۹)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے ہاں پانچ صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تولد

ہوئیں، جن میں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں :

۱ مولانا الحاج محمد ظہور اللہ نوری

۲ مولانا الحاج ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء)

۳ صاحبزادہ محمد عبد اللہ

۴ صاحبزادہ محمد اسد اللہ (یہ دونوں صاحبزادے کم سنی میں وفات پا گئے)

۵ راقم الحروف محمد محب اللہ نوری

(۱۰)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز، صاحب تصنیف عالم دین تھے۔ تدریسی و انتظامی مصروفیات کے ساتھ آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ جن تصانیف کا علم ہو سکا، وہ یہ ہیں :

۱ فتاویٰ نوریہ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، سب جلدیں زیور طبع سے مزین ہو چکی ہیں

جلد اول	پہلا ایڈیشن، مطبوعہ چٹان پریس، لاہور، ۱۹۷۴ء
جلد اول	دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۱ء
جلد اول	تیسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۱ء
جلد اول	چوتھا ایڈیشن، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۷ء
جلد دوم	پہلا ایڈیشن، مطبوعہ ملی پرنٹرز، لاہور، ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء
جلد دوم	دوسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء
جلد دوم	تیسرا ایڈیشن، اب (اگست ۲۰۰۰ھ) شائع ہو رہا ہے
جلد سوم	پہلا ایڈیشن، کمبائن پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۳ء
جلد سوم	دوسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۴ء
جلد سوم	تیسرا ایڈیشن، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۹ء
جلد چہارم	پہلا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۰ء

جلد چہارم　　دوسرا ایڈیشن، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۸ء

جلد پنجم، ششم　　(یہ دونوں جلدیں یکجا ہیں)

پہلا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۰ء

جلد پنجم، ششم　　دوسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۳ء

۲　رسالۃ الرمز (عربی)، ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء (۱)

۳　انوار اتقن الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ ذکاء دولہ، تصنیف ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

۴　تنویر فئ الزوال بنور عدل فئ الزوال (عربی)، ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء، مطبوعہ دین محمدی پریس، لاہور

۵　قضائے سنت فجر (۲)

۶　انار استرار الکفار فی اضرار النار، ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

۷　نور نعیمی، ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء (۳)

۸　نور القوانین، ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء

۹　عقود العساجد لعمار المساجد، ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

۱۰　مسئلہ سایہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء، مطبوعہ لاہور

۱۱　افادۃ النشر او کد الامر، ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

۱۲　نعمائے بخشش المعروف دیوان نور، ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء، مطبوعہ مقبول احمد

۱......یہ رسالہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے۔

۲......اس رسالہ کا سن تصنیف درج نہیں ہے، البتہ حضرت علیہ الرحمہ نے آخر میں جو دستخط ثبت فرمائے ہیں، ان سے واضح ہے کہ یہ "فرید پور جاگیر" کے زمانہ قیام (۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۵ء) میں تحریر کیا گیا۔ یہ رسالہ فتاویٰ نوریہ جلد ۶، صفحہ ۳۸۷ تا ۳۹۰ شامل کر دیا گیا ہے

۳......یہ رسالہ دوسری بار ۱۹۷۹ء میں "بہروپیوں کا اصل روپ" کے نام سے شائع ہوا۔

پریس لاہور (۴)

۱۳ حرمۃ المصاہرہ ترفع المناکحہ '۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء

۱۴ مکبر الصوت '۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء 'مطبوعہ اردو پریس لاہور (۵)

۱۵ ضمیمہ مکبر الصوت '۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء 'مطبوعہ لاہور آرٹ پریس لاہور

۱۶ تقبیل الابہامین عند ثانی الاذانین '۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء (۶)

۱۷ حدیث الحبیب '۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء 'مطبوعہ الہلال پریس لاہور (۷)

۱۸ حرمت زاغ '۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء 'مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور (۸)

۱۹ روزہ اور ٹیکہ '۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء 'مطبوعہ لاہور '۱۹۶۶ء

۲۰ ابداء البشریٰ بقبول الصلوۃ فی الضحوۃ الکبریٰ '۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء 'مطبوعہ نثار آرٹ

۴...... عربی 'فارسی 'اردو اور پنجابی منظوم کلام 'جس کا اکثر و بیشتر حصہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے۔ اور پنجابی کا کچھ حصہ مطبوعہ ہے 'باقی غیر مطبوعہ ہے۔

۵...... اس کتاب کا تاریخی نام مکبر الصوت لیس فوت (۱۳۷۵ھ) ہے۔ دوسرا ایڈیشن بمعہ ضمیمہ خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری علیہ الرحمۃ کے زیر اہتمام جمعیت اہل سنت قصور کی طرف سے شائع ہوا۔ اب یہ رسالہ (مع ضمیمہ) فتاویٰ نوریہ جلد ا 'صفحہ ۳۶۳ تا ۴۵۵ شامل کر دیا گیا ہے۔

۶...... یہ رسالہ فتاویٰ نوریہ جلد ا 'صفحہ ۲۷۷ تا ۳۰۲ شامل ہے

۷...... اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن نثار آرٹ پریس لاہور سے ۱۹۷۲ء میں اور تیسرا ایڈیشن جسارت پریس لاہور سے ۱۹۷۳ء میں طبع ہو کر انجمن حزب الرحمٰن کی طرف سے شائع ہوا۔

۸...... اس رسالہ کا تاریخی نام "الجواب لا محل کباب الغراب" ہے۔ یہ جمعیت عالیہ بہلامیہ (مؤتمر علماء پاکستان) کی طرف سے شائع کیا گیا۔ دوسری بار انجمن حزب الرحمٰن نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔

پریس لاہور، ۱۹۶۹ء (۹)

۲۱ الافتاء فی جواز تعلیم الکتابۃ للنساء، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

۲۲ خطبات نوریہ (عربی)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۴ء

۲۳ حواشی صحیح بخاری (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۴ حواشی صحیح مسلم (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۵ حواشی جامع ترمذی (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۶ فوائد ظہوریہ، حواشی شرح جامی (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۷ مکاتیب فقیہ اعظم (غیر مطبوعہ)

۲۸ مواعظ فقیہ اعظم (غیر مطبوعہ)

۹...... یہ رسالہ مشرقی پاکستان سے آمدہ سوالات کے جواب میں تحریر کیا گیا، جو خطیب دار السلام جامع مسجد مدرسہ ملفت گنج کی طرف سے شائع ہوا۔

فتاویٰ نوریّہ

مَنْ يُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ
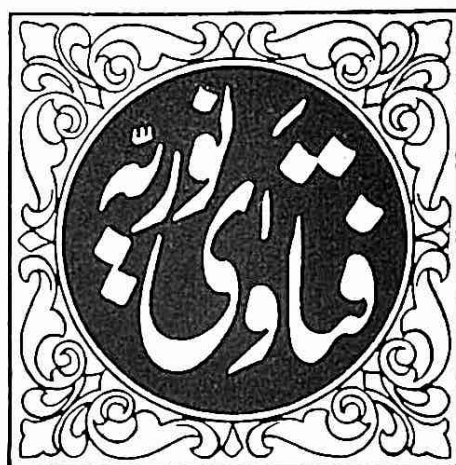
(متفق علیہ)

"اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرما لیتا ہے'

اسے دین کا "فقیہ" بنا دیتا ہے"

زکوٰۃ

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ، (التوبۃ : ۱۰۳)

"اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کیجئے جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کرو اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمادیا کیجئے"

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ
وَ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ (ترمذی)

''یقیناً غضبِ الٰہی کے فرو کرنے اور بُری موت سے بچنے کا ذریعہ صدقہ ہے''

تعارف کتاب الزکوٰۃ

ارکان اسلام میں سب سے اولیت تو شہادتِ توحید و رسالت کو ہے' اس ادائے شہادت کے بعد ایک مسلمان کے ذمہ جو عبادات ہیں' ان میں سب سے اہم نماز اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے----- زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ذکر قرآن کریم میں تیس مقامات پر آتا ہے' جن میں اٹھائیس جگہ نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا ذکر آیا ہے----- نماز کی طرح زکوٰۃ کا آغاز بھی ابتدائے اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا' تب زکوٰۃ کا لفظ انفاق فی سبیل اللہ اور خیرات کے مترادف تھا----- سورۂ مزمل جو وحی کا ابتدائی سورۃ ہے' اس میں بھی اس امر کی صراحت موجود ہے-----ارشاد ربانی ہے :

و اقیموا الصلوة و آتوا الزكوة و اقرضوا الله قرضا حسنا و ما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه عند الله هو خيرا و اعظم اجرا-----(المزمل :۲۰)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو کچھ تم اپنے لئے آخرت میں بھیجو گے' اسے اللہ کے حضور بہتر اور زیادہ ثواب کی صورت میں پالو گے"-----

گویا اجمالی طور پر زکوٰۃ' آغاز اسلام میں شروع تھی' تاہم مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ۲ھ میں باقاعدہ ایک نظام کی صورت میں فرض ہوئی' جس کی تکمیل بالتدریج فتح مکہ کے بعد ہوئی-----

احکام الٰہیہ سراسر حکمت پر مبنی ہیں' ان میں جہاں حقوق اللہ کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے' وہیں حقوق العباد کی اہمیت کو بھی واضح کیا گیا ہے اور انہیں پورا کرنے اور ان کا لحاظ رکھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے----- نماز' اللہ کے حقوق میں سے ہے' جب کہ زکوٰۃ میں بندوں کے حقوق کا پاس رکھا گیا ہے----- نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے-----

نظام زکوٰۃ کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آئے' سرمایہ داروں اور غریبوں کے درمیان توازن قائم رہے اور ملت اسلامیہ کے افراد میں باہمی ہمدردی' غم خواری' تعاون' خبر گیری اور محبت و مودت کا رشتہ قائم ہو-----

زکوٰۃ کے متعدد معانی ہیں' علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

اصل الزكوة فى اللغة الطهارة و النماء و البركة و المدح و كله قد استعمل فى القرآن و الحديث-----

(لسان العرب' جلد ۱۴' صفحہ ۳۵۸)

"لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کا معنی پاکیزگی' بڑھنا' برکت اور مدح ہے' قرآن و حدیث میں ان تمام معانی کا استعمال ہوا ہے"-----

زکوٰۃ ادا کرنے سے بقیہ مال پاکیزہ اور ستھرا ہو جاتا ہے اور اس سے طہارت نفسی حاصل ہوتی ہے' مال میں خیر و برکت اور روحانی طور پر بالیدگی اور نشو و نما بڑھ جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والا سوسائٹی کی نظر میں قابل ستائش ٹھہرتا ہے اور ضرورت مند زکوٰۃ حاصل کرنے کے بعد اس کی مدح و تعریف کرتے ہیں-----

اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ کا مفہوم یہ ہے کہ جس مال پر ایک سال گذر گیا ہو' اس میں سے ایک معین حصہ کا' کسی مسلمان فقیر کو رضائے الٰہی کے لئے مالک بنا دینا' بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی نہ ہو-----

دیگر عبادات کی مانند اخلاص وللٰہیت زکوٰۃ کا رکن ہے-----وجوب زکوٰۃ کے لئے یہ شرائط ہیں :

۱ اسلام-----

۲ بلوغ-----

۳ عقل-----

۴ حریت-----

۵ مال بقدر نصاب موجود ہو-----

۶ نصاب کی قرض سے فراغت-----

۷ نصاب حاجات اصلیہ سے زائد ہو' یعنی اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے' علاج' لباس اور رہائش کے اخراجات منہا کرنے کے بعد بچنے والی رقم اگر نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ لازم ہو گی-----

۸ مال بڑھنے والا ہو' خواہ حقیقۃً یا حکماً----- جیسے سونا' چاندی' روپے' مال تجارت اور جنگل میں چرنے والے جانور-----

۹ سال گزرنا-----یعنی قمری سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فرض ہو گی-----

نصاب

رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے لئے ایک نصاب مقرر فرمادیا ہے کہ اس نصاب سے کم مالیت رکھنے والے پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے :

سونا ساڑھے سات تولہ-----(۸۷.۴۸ گرام)

چاندی ساڑھے باون تولہ-----(۶۱۲.۳۶ گرام)

نقدی روپیہ یا مال تجارت میں چاندی کی مالیت کا لحاظ رکھا جائے گا-----

آج (مؤرخہ ۵ / جون ۲۰۰۰ء) چاندی کا بھاؤ ایک سو روپے فی تولہ ہے' اس حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت پانچ ہزار دو صد پچاس (۵۲۵۰ روپے) پاکستانی بنتی ہے' لہذا اگر شروع سال اور اختتام سال میں اتنی مالیت کا مالک ہو اگرچہ دوران سال کمی واقع ہو جائے' وہ

صاحب نصاب قرار پائے گا اور اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی-----

زرعی پیداوار کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس میں کوئی نصاب نہیں' زمین سے تھوڑی یا زیادہ جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو' اس میں سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے-----

شرح زکوٰۃ

مال' اللہ رب العزت کی عطا ہے-----وہ جس قدر بھی اپنے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دے' عین انصاف ہے-----مگر یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہماری ضرورت اور مال کی جانب طبعی رغبت کے پیش نظر اپنے رسول کریم ﷺ کے ذریعے مال کا ایک قلیل حصہ راہ حق میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور بقیہ مال ہمارے لئے پاک اور حلال فرما دیا کہ اسے اپنی جائز ضروریات میں جیسے چاہیں' خرچ کریں-----

حضور ﷺ نے اس سلسلے میں نہایت حکیمانہ انداز میں پیداوار کی مختلف اقسام پر مختلف شرح زکوٰۃ متعین فرمائی-----وہ اشیاء جن میں نشوونما اور ترقی کی صلاحیت نہیں' جیسے رہائشی مکان' لباس' زیر استعمال سامان' سواریاں اور قیمتی پتھر وغیرہ' ان پر کوئی زکوٰۃ مقرر نہیں کی گئی-----

وہ چیزیں جن میں نشوونما کی صلاحیت ہے اور کچھ عرصہ باقی رہنے والی ہیں' وہ پانچ ہیں :

۱...... معدنیات-----

۲...... زرعی پیداوار-----

۳...... سونا' چاندی (کرنسی)-----

۴...... مال تجارت-----اور-----

۵...... جانور-----

پہلی قسم معدنیات یعنی سونا' چاندی' قدرتی گیس' تیل' نمک' کوئلہ' لوہا اور تانبہ وغیرہ کی کانیں-----چونکہ یہ محض عطیہ الٰہی ہیں' لہٰذا ان میں سب سے زیادہ زکوٰۃ رکھی گئی ہے-----یعنی حاصل شدہ ذخائر کا خمس (۲۰ فی صد)-----

زرعی پیداوار کی دو قسمیں ہیں-----ایک وہ جو بارش کے قدرتی پانی سے نشوونما پائے' اس میں چونکہ مالک کو بلا خرچ پانی مہیا ہوتا ہے' لہذا اس میں پیداوار کا عشر (۱۰ فی صد) ادا کرنا ہوگا----- جب کہ دوسری قسم کے فصل کی آب یاری کے لئے ٹیوب ویل یا رہٹ کے ذریعے پانی حاصل ہوتا ہے اور اس پر محنت اور خرچ اٹھتا ہے' لہذا اس میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں (۵ فی صد) حصہ مقرر فرمایا-----

سونا' چاندی' روپیہ پیسہ کے حصول' اس کی حفاظت اور اس کے ذریعے تجارت کے لئے سخت محنت اور جاں فشانی سے کام لینا پڑتا ہے' لہذا اس میں زمین کی دوسری قسم سے بھی نصف شرح زکوٰۃ مقرر فرمائی' یعنی چالیسواں حصہ (۲.۵۰ فی صد)

سونے' چاندی کے زیر استعمال زیورات کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے----- ہیرے' جواہرات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں' الا یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر دیگر اموال کی طرح ان کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے گی-----

مال تجارت میں دوکان کا تمام سٹاک' کارخانہ میں تیار مال اور خام مال شامل ہے-----نیز ہر وہ چیز جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی ہو' سامان تجارت میں داخل ہے-----

جانوروں کی افزائش نسل اور صلاحیت میں یکسانیت نہیں' اس لئے ان کی شرح زکوٰۃ بھی مختلف ہے-----جو صرف ان جانوروں پر ادا کرنا لازم ہے' جو سال کا اکثر حصہ خودرو اور قدرتی گھاس کھا کر گزارہ کرتے ہوں----- فقہی اصطلاح میں ان جانوروں کو سائمہ کہا جاتا ہے-----سائمہ جانوروں کی سال گزرنے کے بعد شرح زکوٰۃ حسب ذیل ہے :

اونٹ

پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں' پانچ اور پانچ سے زائد اونٹوں پر شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے :

نصاب	شرح زکوٰۃ
پانچ سے نو تک	ایک بکری
دس سے چودہ تک	دو بکریاں

پندرہ سے انیس تک	تین بکریاں
بیس سے چوبیس تک	چار بکریاں

ان تمام صورتوں میں اختیار ہے کہ بطور زکوٰۃ بکری دی جائے یا بکرا' مگر سال سے کم کا نہ ہو-----

پچیس سے پینتیس تک	ایک بنت مخاض (پورے سال کی ایک مادہ اونٹنی)
چھتیس سے پینتالیس تک	ایک بنت لبون (پورے دو سال کی مادہ اونٹنی)
چھیالیس سے ساٹھ تک	ایک حقہ (تین برس کی اونٹنی)
اکسٹھ سے پچھتر تک	ایک جذعہ (چار برس کی اونٹنی)
چھہتر سے نوے تک	دو بنت لبون (پورے دو سال کی دو اونٹنیاں)
اکانوے سے ایک سو بیس تک	دو حقہ (تین سال کی دو اونٹنیاں)

اس کے بعد ۱۴۵ تک ہر پانچ کی تعداد پر ایک سال کی بکری کا اضافہ کر لیں مثلاً ۱۲۵ اونٹ ہوں تو دو حقے اور ایک بکری' ۱۳۰ ہوں تو دو حقے اور دو بکریاں۔ علی هذا القیاس-----

گائے / بھینس

انتیس گائیں ہوں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے' اس سے زیادہ کی تفصیل حسب ذیل ہے :

تیس سے انتالیس تک	ایک تبیع یا تبیعہ (سال بھر کا بچھڑا یا بچھیا)
چالیس سے انسٹھ تک	ایک مسن یا مسنہ (دو برس کا بچھڑا یا بچھیا)
ساٹھ سے انہتر تک	دو تبیع یا تبیعہ (سال بھر کے دو بچھڑے یا بچھیاں)
ستر سے اناسی تک	ایک تبیع یا تبیعہ اور ایک مسن (ایک سال بھر کا بچھڑا یا بچھیا اور ایک دو سالہ بچھڑا
اسی سے نواسی تک	دو مسن (دو سالوں کے دو بچھڑے)

خلاصہ یہ کہ ہر تیس میں ایک تبیع یا تبیعہ (ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا) اور ہر چالیس میں ایک مسن یا مسنہ (دو سالہ بچھڑا یا بچھیا)-----

بکری 'بھیڑ اور دنبہ

انتالیس بکریوں تک زکوٰۃ نہیں ہے 'اس سے زیادہ کی تفصیل درج ذیل ہے :

چالیس سے ایک سو بیس تک	ایک بکری
ایک سو اکیس سے دو سو تک	دو بکریاں
دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک	تین بکریاں
چار سو سے چار سو ننانوے تک	چار بکریاں
پھر ہر سو بکریوں پر	ایک بکری کا اضافہ

بکریوں کی زکوٰۃ میں اختیار ہے کہ نر دے یا مادہ 'مگر یہ خیال رہے کہ سال سے کم نہ ہو-----

مصارف

اللہ رب العزت جل وعلا نے قرآن کریم میں مصارف زکوٰۃ بیان فرما دیے ہیں :

انما الصدقات للفقراء و المسکین و العملین علیها و المؤلفة قلوبهم و فی الرقاب و الغارمین و فی سبیل الله و ابن السبیل فریضة من الله و الله علیم حکیم-----(التوبہ :٦٠)

"اموال زکوٰۃ صرف فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر افراد اور ان لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا مقصود ہو اور (غلامی سے) گردنیں آزاد کرانے میں اور مقروضوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے-----یہ فرض ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے"

اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مستحقین کا ذکر آیا ہے 'جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

١ فقیر-----وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو مگر اتنا کم کہ نصاب کو نہ پہنچے-----جب تک ایک وقت کا کھانا موجود ہو فقیر کے لئے سوال کی اجازت نہیں-----

٢ مسکین-----جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو 'حتیٰ کہ کھانے اور تن ڈھانپنے کے لئے

مانگنے پر مجبور ہو جائے' ایسے شخص کے لئے شریعت سوال کی اجازت دیتی ہے-----

۳ عامل----- جسے امام وقت نے زکوٰۃ وصدقات (عشر وغیرہ) کی تحصیل پر مقرر کیا ہو' عامل کو بقدر کفایت زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ دی جاسکتی ہے-----

۴ مؤلفۃ القلوب-----لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے اور نو مسلم افراد کی خاطر داری کے لئے زکوٰۃ دینا-----

جمہور علماء کے نزدیک اب یہ شق منسوخ ہو چکی ہے بلکہ عہد صدیقی میں ہی اس پر اجماع ہو گیا تھا' کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت و سربلندی اور غلبہ عطا فرمادیا تھا-----

۵ رقاب----- مکاتب غلاموں کو زکوٰۃ دینا تاکہ وہ مال زکوٰۃ سے (بدل کتابت ادا کرکے) غلامی سے آزاد ہو سکیں-----

انسداد غلامی کے لئے اسلام نے جو کوششیں کی ہیں' یہ شق بھی اسی کا حصہ ہے-----آج کل پوری دنیا خصوصاً پاکستان میں یہ مصرف مفقود ہے-----

۶ غارم-----وہ مقروض جو قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو' اسے ادائے قرض کے لئے مالِ زکوٰۃ میں سے امداد دی جاسکتی ہے' بشرطیکہ یہ قرض اس نے کسی برے کام یا فضول خرچی کی بنا پر نہ لے رکھا ہو-----

۷ فی سبیل اللہ-----اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے' بے سروسامان مجاہدین' نادار حجاج کرام اور دینی علم حاصل کرنے والے طلباء کرام مراد ہیں-----بلکہ وہ مدارس دینیہ جن میں صحت عقیدہ کے ساتھ قرآن و سنت کی تعلیم دی جائے اور ان میں مبلغین و محققین اور علماء تیار کیے جاتے ہوں' ان مدارس کے طلباء فی سبیل اللہ میں داخل اور زیادہ مستحق ہیں-----

۸ ابن السبیل----- وہ مسافر جس کی زاد راہ ختم ہو چکی ہو-----اسے بقدر ضرورت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے-----

☆ زکوٰۃ درج بالا مصارف کے علاوہ کسی اور مد مثلاً تعمیر مسجد' تکفین و تجہیز میت وغیرہ میں استعمال نہیں کی جاسکتی-----

☆ ایسے شخص کو زکوٰۃ نہ دی جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ بے جا اسراف

اور گناہ کے کام میں خرچ کرے گا-----

☆ سادات کرام اور بنو ہاشم (حضرت علی، جعفر، عقیل اور حضرت عباس و حارث بن عبد المطلب کی اولاد) کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی-----حدیث پاک میں ہے:

ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس و انها لا تحل لمحمد ﷺ و لا لآل محمد ﷺ-----(صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب تحریم الزکوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم)

"یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل ہیں اور یہ محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے جائز نہیں ہیں"-----

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ وہ جملہ آلائشوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں، ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ طیب و طاہر ہوتا ہے جب کہ دوسرے لوگ زکوٰۃ کے ذریعے میل کچیل نکال کر بقیہ مال کو پاک صاف کرتے ہیں-----(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو در المختار اور رد المحتار کتاب الزکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۲۵۶)

☆ اپنے اصل یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا اور نانی وغیرہم اور اولاد جیسے بیٹا، بیٹی، نواسہ اور نواسی وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی-----اسی طرح بیوی خاوند کو اور خاوند بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کہ ان کے مفادات مشترکہ ہیں-----

کتاب الزکوٰۃ کے پہلے حصہ میں سونا چاندی اور سامان تجارت وغیرہ اور ان کے مصارف کے متعلق پندرہ فتوے ہیں جب کہ دوسرا حصہ باب العشر کے عنوان سے ہے، جس میں زرعی پیداوار کی زکوٰۃ جسے شرعی اصطلاح میں عشر کہا جاتا ہے، کے مسائل ہیں-----اس حصہ میں چھ استفتاءات ہیں-----

مجموعی طور پر کتاب الزکوٰۃ میں اکیس (۲۱) استفتاءات شامل ہیں جن کے ضمن میں متعدد مسائل و جزئیات آ گئے ہیں-----

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری

کتاب الزکوٰۃ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو وہ زیور، مال مویشی، نقدی اور غلہ وغیرہ کس کس چیز پر سے ادا کرے، واضح طور پر تحریر فرمادیں۔

(السائل چاکر نمبردار از لائل پور)

زکوٰۃ چاندی (۵۲½ تولہ) سونے (۷½ تولہ) کی ڈلیوں، برتنوں، زیورات وغیرہ پر، نوٹوں پر جب تک چلتے رہیں اور ایسے پیسے وغیرہ جن میں چاندی غالب نہیں (ورنہ چاندی ہیں کہ بند ہو جائیں تب بھی واجب ہوگی) زمین کی پیداوار گندم، دھان، چنے وغیرہ

پر، اونٹ کم از کم پانچ، گائے بھینس ملی جُلی یا اکیلی اکیلی کم از کم تیس ۳۰، بھیڑ بکری، دُنبہ ملے جلے یا اکیلے اکیلے کم از کم چالیس ۴۰، جبکہ یہ مویشی پورا سال یا سال کا زیادہ حصہ باہر چر کر گزارہ کرتے ہوں اور مقصود ان سے دودھ، گھی، بچے اور موٹے کرنا ہو تو ان پر اور تجارت کے سامان پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی پوری تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے جو میں نہیں لکھ سکتا بلکہ لکھا ہوا لاہور سے منگوالیں یعنی کتاب بہارِ شریعت حصہ پنجم، مرکزی انجمن حزب الاحناف اندرون دہلی دروازہ لاہور سے منگالیں، تقریباً دو اڑھائی روپے خرچ آجائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

مکرم ومحترم حضرت علامہ شیخ الحدیث والتفسیر دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج شریف!

معلوم نہیں کہ آجکل حضرت کی صحت کا کیا حال ہے، مطلع فرمائیے، نیز دو مسئلوں کے بارے آپ کی تحقیق مطلوب ہے، امید ہے کہ از راہِ کرم فرمائی جلد مطلع فرمائیں گے۔

١۔ موجودہ نوٹ یا روپیہ کس قدر ہوں تو زکوٰۃ کا نصاب ہوگا؟

٢۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر تفریحِ طبع کے لئے ہو جب بھی یہی حکم ہوگا؟ اور بعض انجکشن تو ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے بھوک پیاس نہیں لگتی اور نیز اگر رگ

میں انجکشن لگایا جائے جب بھی روزہ نہیں جائے گا ؟ اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔ زکوٰۃ والا مسئلہ جلد مطلوب ہے۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔ والسلام

دعا کا طالب ناچیز غلام محمود خطیب جامع مسجد عیدگاہ نیا محلہ جہلم، ۷ اکتوبر ۶۶ء

بملاحظۂ عالیہ حضرت مولانا صاحب زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاجِ گرامی !

مدت کے بعد گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا، یاد آوری کا شکریہ! فقیر کا وہی سابقہ حال بحال ہے مگر بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ امورِ متعلقہ انجام دے رہا ہوں۔

(۱) اس مسئلہ کی وہ تحقیق[1] جس پر اہل السنت والجماعت کا عمل ہے، اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ "کفل الفقیہ الفاہم" میں ہے میں کیا اور میری تحقیق کیا ! البتہ بعض تفقہات ہوا کرتے ہیں مگر وہ بھی سارے ایسے نہیں کہ تحریر کئے جاسکیں ایسے ہی امور کے متعلق ھٰذا مما یعلم ولا یفتی بہ کہا کرتے ہیں۔

(۲) جب انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو تفریح وغیرہ کا تفرقہ بھی نہیں رہتا مثلاً نظر الی المحبوب سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو ضرورت کے علاوہ تفریحاً نظر کرے تب بھی فساد نہیں

---

[1] کہ نوٹ مال ہے جب تک چالو رہے اور چاندی یا سونے کے نصاب کی قیمت کے لحاظ سے نصاب بنتا ہے اور یہی حکم موجودہ روپیہ غالبۃ الغش کا ہے ۱۲ منہ غفرلہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۸۶ھ

اور یونہی محبوب سے محبتِ غالبہ ہو کہ جب نظر کے سامنے ہو تو بھوک پیاس کافور ہو جائے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس کا اصل حدیثِ صوم الوصال ہے جس میں ابیت عند ربی اور اظل عند ربی ہے اس کی ایک تفسیر وتشریح کی بنا پر کما فی الشروح۔ ایسے سوالات عموماً عمومی لوگ جو اکثر بے روزہ ہوتے ہیں محض اہلِ علم کے پریشان کرنے کیلئے کیا کرتے ہیں، آپ جیسے اہلِ علم فضلاء کا کام ہے کہ تحقیقِ شرعیہ سے ان کو مسکت جواب دیں اور یونہی رگ میں انجکشن بھی مفسد نہیں کہ رگ بھی مخارقِ فطریہ اور طرقِ مصنوعیہ الی الجوف سے نہیں والتفصیل فے الفتاوے النوریہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

الاستفتاء

محترم ومکرم مولانا صاحب

السلام علیکم: طالبِ خیریت بخیریت ہے۔ آپ کا دستی نوازش نامہ موصول ہوا جواب دہی و یاد آوری کے لئے تہ دل سے شکر گزار ہوں، ماہِ رجب ہے زکوٰۃ کے متعلق چند ایک باتیں وضاحت طلب ہیں ازراہِ کرم مطلع فرمائیں۔

۱۔ گورنمنٹ کی طرف سے ملازمین کی تنخواہ میں سے کچھ رقم ہر ماہ رکھ لی جاتی ہے اور یہ رقم ملازم سرکار اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا اور نہ ہی اسے دی جاتی ہے جب تک کہ وہ ریٹائر نہ ہو جائے، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

۲۔ کچھ رقم بطورِ ضمانت بطورِ امانت میعادی بینک میں جمع کروانی پڑتی ہے، یہ رقم کفالت کے طور پر بینک میں رکھی جاتی ہے اور یہ رقم بھی ریٹائرمنٹ پر یا عہدہ میں ترقی ہونے پر واپس ملتی ہے، نیز اس رقم پر بینک سالانہ سود بھی ڈیڑھ روپیہ سیکڑہ ادا کرتا ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ یہ رقم لازمی طور پر رکھنی پڑتی ہے اور کسی ایسے حساب میں نہیں رکھی جاسکتی کہ جس پر سود نہ ملتا ہو، اس کے متعلق زکوٰۃ و سود کے متعلق واضح فرمائیں۔

۲۔ مثال کے طور پر گذشتہ ماہ رجب میں ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، اب وہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرتا رہا، اب چودہ سو ہوگیا ہے، اب زکوٰۃ چودہ سو پر ہے یا ایک ہزار پر۔

سائل: چوہدری عبدالحق سب انسپکٹر انجمنہائے امداد باہمی منٹگمری

محبی جناب چوہدری صاحب سلمہ ربہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: مزاجِ گرامی!

فقیر بخیریت، طالبِ خیریتِ احباب ہے، مرسلہ ملفوف ملا، جوابات حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ وہ رقم جو مشاہرات ملازمین سے ہر ماہ حکومت رکھ لیا کرتی ہے اور ریٹائر ہونے سے پہلے قبضہ و استعمال میں نہیں آسکتی اس پر زکوٰۃ نہیں کہ وصول سے پہلے صرف اس کا استحقاق ہے اور حقیقۃً مال نہیں، بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۰ میں ہے بل ھو مال حکمی

فی الذمۃ و ما فی الذمۃ لا یمکن قبضہ فلم یکن مالا مملوکا رقبۃ و یدا فلا تجب الزکوٰۃ فیہ کمال الضمار۔

۲۔ وہ رقم جو کفالت وضمانت کے طور پر بینک میں جمع کروانی پڑتی ہے اور ریٹائرمنٹ یا عہدہ میں ترقی سے پہلے نہیں مل سکتی تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں کہ وہ رہن کی طرح قابلِ انتفاع نہیں، فتاوٰے عالمگیر ج ۱ ص ۸۹ میں ہے فان لم یتمکن من الاستمتاع فلا زکوٰۃ علیہ و ذلک مثل مال الضمار۔ نیز اسی کے ص ۸۸ میں ہے ولا علی الراھن اذا کان الرھن فی ید المرتھن۔ باقی سود نہ لے اور لکھ کر دے دے کہ میں سود نہیں لیتا۔ یہی بہتر ہے۔

۳۔ جب ابتدائے سالِ زکوٰۃ میں ایک ہزار روپیہ ملا اور پس انداز کے طور پر جب سال پورا ہوا تو چودہ سو ہو چکا تو زکوٰۃ پورے چودہ سو کی ادا کرے۔ فتاوٰی عالمگیر ج ۱ ص ۹۰ میں ہے، من کان لہ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسہ ضمہ الی مالہ و زکاہ سواء کان المستفاد من نمائہ اولا و بای وجہ استفادہ ضمہ الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۷ رجب المرجب ۹۷ھ ۷ ۱/۲۰

مرسلہ جناب نور الحق صاحب ریٹائرڈ فون انسپکٹر محلہ کوٹ فتح جمال راوی روڈ اوکاڑہ

ضلع منٹگمری کے دو خطوں کے ضمن میں ایک مسئلہ دریافت کے قابل ہے :-

مجھے کچھ روپیہ فنڈ کا، عرصہ ۳۵ سال ملازمت کے بعد ملا ہے جو میری تنخواہ سے ماہ بہ ماہ کٹتا رہا تھا، اب اس پر زکوٰۃ دینی ہے کس حساب سے یعنی کتنے عرصہ کی دی جاوے، اس کٹاؤ کے روپیہ کے علاوہ چند مرتبہ میں صاحب نصاب ہوا تھا مگر بعض سالوں میں نہیں وہ روپیہ مجھے شدید ضرورت پر بھی نہیں مل سکتا تھا بلکہ شرط تھی کہ مستعفی ہونے کے بعد یا پنشن جانے کے بعد اور یا وفات ہونے پر رشتہ داروں کو دئے جاسکتے ہیں۔ میرے قبضہ میں صرف ابھی پنشن کے بعد ہی آئے ہیں اور اگر کسی کوتاہی کے باعث ملازمت سے برطرف کر دیا جائے تو بھی اس کا مالک جمع کرنے والا ہی رہتا ہے اور جمع شدہ رقم واپس مل جاتی ہے۔

خداوند کریم جناب کے مدرسہ کو قائم رکھے، ترقی و برکت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ فی الحال میں نے ایک سال کی زکوٰۃ فوراً نکال دی ہے آئندہ اور جو حکم صادر ہوگا کیا جاوے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب مہذب میں اس کٹاؤ کے روپیہ پر زمانہ ماقبل از قبضہ کی زکوٰۃ ہے ہی نہیں کہ وجوب زکوٰۃ کے لئے آزاد عاقل بالغ مسلمان کا صرف استحقاق ملک نصاب یا کسی کے ذمہ اس کی تملیک کا ثبوت و لزوم کافی نہیں کہ انقضائے سال وغیرہ شرائط کے پائے جانے پر زکوٰۃ فرض ہو جائے بلکہ نصاب کا ملک کامل و تام شرط ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ نصاب حقیقۃً یا تقدیراً

نامی ہو، چنانچہ نہایت ہی معتمد و مستند کتب مذہب میں ان شروط کا ذکر ہے حالانکہ یہ روپیہ قبل از قبضہ حقیقۃً نہ آپ کا مال تھا اور نہ ہی نصاب تھا کہ صرف استحقاق یا گورنمنٹ کی ذمہ داری مال نہیں بلکہ ذمہ داری کا مطلب ہی یہ ہے کہ پنشن وغیرہ شروط کے پائے جانے پر آپ کو مالک بنا دے اور قبضہ میں دے دے گو اس ذمہ داری کا نہایت ہی پختگی کے سبب عرف آپ کو مالک یا جمع کرنے والا کہے اور اس روپیہ کو ملک قرار دے بلکہ قبل از قبضہ تو کوئی تعین ہی نہیں اور عرفِ شرع میں اس کو دین کہا جاتا ہے۔ بدائع صنائع ج۲ ص۱۰ میں ہے بل ہو مال حکمی فی الذمۃ وما فی الذمۃ لا یمکن قبضہ فلم یکن مال الا مملوکا رقبۃ و یدا فلا تجب الزکوٰۃ فیہ کمال الضمار۔ مبسوط ج۲ ص۱۹۵ میں ہے والدین لیس بمال علی الحقیقۃ حتی لو حلف صاحبہ ان لا مال لہ لا یحنث فی یمینہ وانما تتم المالیۃ فیہ عند تعیینہ بالقبض فلا یصیر نصاب الزکوٰۃ ما لم تثبت فیہ صفۃ المالیۃ۔ نیز بدائع صنائع کے اسی صفحہ میں ہے ان الدین لیس بمال بل ہو فعل واجب وہو فعل تملیک المال و تسلیمہ الی صاحب الدین الخ اور چونکہ یہ استحقاق و ذمہ داری و دین کسی مال کا معاوضہ نہیں بلکہ آزاد مسلمان کی خدماتِ ملازمانہ کا صلہ ہے تو حکماً بھی مالِ زکوٰۃ و نصاب نہیں بنے گا بلکہ شرعاً دینِ ضعیف ہی رہے گا جس پر زمانہ قبل از قبضہ کی زکوٰۃ نہیں مبسوط ج۲ ص۱۹۵، فتاوے امام قاضی خان ج۱ ص۱۱۸، فتح القدیر ج۲ ص۱۲۳، بدائع صنائع ج۲ ص۱۰، بحر الرائق ج۲ ص۲۰۷، فتاوے عالمگیر ج۱ ص۹۰، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار، شامی ج۲ ص۴۹، مراقی الفلاح ص۴۳۱ میں ہے والنظم من المبسوط و دین ضعیف و ہو ما یکون بدلا عما لیس بمال کالمہر و بدل الخلع والصلح عن دم العمد۔ نیز ان تمام کتبِ مذکورہ کے صفحات

مزبورہ میں ہے والنظم للامام قاضیخان وفی الدین الضعیف لا تجب الزکوٰۃ مالم یقبض مائتی درھم ویحول الحول اور جب قبل از قبضہ مال ونصاب ہی نہیں تو دوسری شرط یعنی ملک کا کامل وتام ہونا خود بخود منتفی ہو گیا بلکہ اگر بالفرض حقیقۃً مال ونصاب ہوتا تب بھی ملک کامل وتام نہ ہوتا کہ کمال وتمام ملک قبضۂ اصیل ووکیل کے سوا ہو ہی نہیں سکتا، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۳، عالمگیر ج ۱ ص ۸۸، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۵ میں ہے والنظم لہ ان المراد بالتام المملوك رقبۃ ویدا تو یہ دوسری وجہ انتفائے زکوٰۃ ہے اور یونہی تیسری شرط نصاب کا حقیقۃً یا تقدیرًا نامی ہونا بھی خود بخود منتفی ہو گیا بلکہ بالفرض حقیقی مال ونصاب ہوتا تب بھی قبل از قبضہ نامی نہ بنتا کہ نقدی کا نامی ہونا یوں ہے کہ اس کو تجارت سے بڑھائے یا بڑھا سکے اور تجارت قبضہ سے پہلے ہو ہی نہیں سکتی۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۶، عینی علی الکنز (مطبوعہ حیدری بمبئی) ص ۵۹، عالمگیر ج ۱ ص ۸۹، تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۸ وغیرہ میں ہے والنظم من الھندیۃ او تقدیرا بان یتمکن من الاستنماء بکون المال فی یدہ او ید نائبہ۔ ہدایہ، عنایہ ج ۲ ص ۱۲۲ میں ہے لا نماء الا بالقدرۃ علی التصرف ومثلہ فی الفتح ج ۲ ص ۱۲۳، نیز ہندیہ، بحر الرائق کے انہیں صفحات میں ہے والنظم منہا فان لم یتمکن من الاستنماء فلا زکوٰۃ علیہ وذلك مثل مال الضمار اور یہ روپیہ تو شدید ضرورت پر بھی قبل از پنشن وغیرہ نہیں مل سکتا تھا تو تصرف وتجارت کی صورت ہی نہ تھی تو یوں بھی زکوٰۃ کا انتفا رہا۔ بہرحال زمانۂ ماضیہ کی زکوٰۃ اس روپیہ پر ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک نہیں اور جب قبضہ ہوا تو مالِ زکوٰۃ ونصاب بنے گا تو اگر بوقت قبضہ اس روپیہ کے علاوہ بھی آپ صاحبِ نصاب نقدی تھے تو اس نصاب کے ساتھ یہ روپیہ بوجہ مجانستِ شرعیہ منضم ہو جائے گا اور جب اس کا سالِ زکوٰۃ پورا ہو تو حکمًا اس کا بھی پورا ہو گیا اور

زکوٰۃ حسب دستور فرض ہوگی اور اگر بوقتِ قبضہ کسی اور نصاب نقدی کے مالک نہ تھے تو قبضہ کے وقت سے سال گذرنے پر زکوٰۃ لازم ہے کما فی عامۃ المعتبرات من مسئلۃ الانضمام و ذا ظاہر جدا اور ظاہر یہی ہے کہ آپ اس روپیہ ملنے سے پہلے ہی صاحب نصاب نقدی تھے تو جب پہلے نصاب کا سال پورا ہوا تو اس کا سال بھی حکماً پورا ہوگیا تو یہ زکوٰۃ جو آپ نے ایک سال کے لئے ادا کی اس کے لئے ادا ہوگئی کہ زکوٰۃ پیشگی بھی جائز ہے کما فی المعتبرات۔ البتہ ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے شاگردان گرامی شان امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی لازم ہے تو اس کا حساب یوں ہوگا کہ وہ کٹاؤ کا روپیہ پہلی مرتبہ جب نصاب بنا تھا اس وقت سے سال پورا ہونے تک تازہ کٹاؤ ملا کر کُل کا چالیسواں حصہ اس پہلے سال کی زکوٰۃ الگ کرلیں پھر باقی ماندہ اور دوسرے سال کے تازہ کٹاؤ کُل کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دیں پھر یہ بقایا تیسرے سال کے تازہ کٹاؤ سمیت جتنا ہوگا اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے یونہی ہر سال کے بقایا مع تازہ کٹاؤ کی زکوٰۃ نکالتے جائیں۔ یعنی ہر سال کے حصہ زکوٰۃ کا دوبارہ حساب نہیں ہوگا مثلاً ملازمت کے پہلے سال پورے ہونے پر کٹاؤ اسی روپیہ ۵۲ ½ تولہ چاندی کا ہم قیمت ہونے کے سبب نصاب بنا تو اس وقت سے سالِ زکوٰۃ کا ابتدا ہوا اور یہ زکوٰۃ کا پہلا اور ملازمت کا دوسرا سال جب پورا ہوا تو تازہ کٹاؤ سمیت کل کٹاؤ کا روپیہ ایک سو ساٹھ بنا تو اس کی زکوٰۃ چار روپے الگ کرلیں، باقی ایک سو چھپن ملازمت کے تیسرے اور زکوٰۃ کے دوسرے سال پورے ہونے پر مع تازہ کٹاؤ دو سو چھتیس ہوگئے ان کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دیں وعلیٰ ہذا القیاس۔[ف]

ف اور اگر مشاہرہ میں ترقی ہوتی تھی تو اس کے حساب سے کٹاؤ کی زیادتی کا حساب بھی ضروری ہے ۱۲ منہ غفرلہ

اور جب تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا روپیہ اس مجموعہ کٹاؤ وصول کردہ سے الگ کیا جائے تو یقیناً اس مجموعہ سے کم رہے گا تو ایک سال کی زکوٰۃ بھی اس مجموعہ کے چالیسویں حصہ سے کم آئے گی حالانکہ آپ نے چالیسواں حصہ ایک سال کی زکوٰۃ نکالی ہے تو ان تمام گزشتہ سالوں کی وصول تک کے لئے حصص زکوٰۃ کی میزان لگا کر اتنا روپیہ بطور زکوٰۃ ادا کریں کہ سابقاً ادا کردہ چالیسویں حصہ سمیت وہ میزان پوری ہو جائے ، وذا واضح من الدر المختار وغیرہ۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ رشعبان المعظم ۱۳۷۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین بیچ ان مسائل کے :-

۱- زید نے تین لڑکے اور ایک لڑکی کا عقیقہ میں ایک (گائے یا بیل) دو سالہ ذبح کر کے گوشت تقسیم کر دیا ، دو حصہ لڑکا کا اور ایک حصہ لڑکی سات حصص میں عقیقہ ہوا ۔ کیا یہ عقیقہ درست ہے یا کہ نہیں ؟

۲- عقیقہ کتنی عمر تک ادا ہو سکتا ہے ؟

۳- عمر کے پاس ایک آدمی بغیر تنخواہ کے کام کرتا ہے اس کا نان ونفقہ کا انتظام عمر کے

ذمہ ہے، کیا عمر زکوٰۃ کا کچھ اس کو بھی تقسیم کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

۴۔ زید نے کچھ رقم برائے حفاظت بنک میں رکھ دی، اس کی نیت سود حاصل کرنا نہیں تھی، بنک سے رقم واپس کرلی اور ساتھ سود بھی ملا، کیا وہ سود کسی غریب محتاج کو دے سکتا ہے وہ خود استعمال کو منع سمجھتا ہے۔ جمع کرنے کے وقت بھی اس کی نیت تھی کہ یہ رقم سود غربا یا محتاجوں کو دے دے۔ قرآن و حدیث سے جواب دیکر اللہ تعالیٰ و رسولِ مقبول سے ثوابِ دارین حاصل کریں۔ جزاکم خیر حاصل فرمادیں، اللہ تعالےٰ ثواب عطا فرمائے گا۔

احقر العباد سید عبد الحمید شاہ سبزواری چک نمبر ۲۵۵

۱۔ درست ہے کہ عقیقہ میں گائے یا بیل کا حصہ بھی جائز ہے، فتاوی عالمگیر ج ۴ ص ۴۸ میں ہے و کذلک ان اراد بعضھم العقیقۃ من ولد ولدلہ من قبل کذا ذکر محمد علیہ الرحمۃ فی نوادر الضحایا۔

۲۔ افضل تو ولادت سے ساتویں روز ہے مگر عمر بھر ہو سکتا ہے، روایات میں آیا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنا عقیقہ کیا۔ یہ شکرِ نعمت ہے اور شکرِ نعمت عمر بھر میں ہو سکتا ہے، شرح شمائل ملا علی قاری علیہ الرحمہ ج ا ص ۳۵ میں فتاوے قفال مروزی سے ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن نفسہ بعد النبوۃ اور یونہی شرح شمائل مناوی علیہ الرحمۃ ج ا ص ۳۵ میں تہذیب نووی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا، نیز الحاوی للفتاوی ج ا ص ۱۹۶ میں شیخ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اس

نقل کے بعد فرماتے ہیں فیحمل ذالک علی ان الذی نعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار للشکر علی ایجاد اللہ ایاہ رحمۃ للعالمین و تشریع لامتہ۔

۳۔ ہاں اگر وہ آدمی عمر کا کام زکوٰۃ نہ دے تب بھی کرتا ہے تو عمر اسکو زکوٰۃ کی نیت سے دے سکتا ہے یعنی خدمت کا عوض نہ سمجھے اس لئے کہ کسی کی خدمت کرنا جوازِ زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں، فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۹۷ میں ہے و کذا ما یدفعہ الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکوٰۃ کذا فی معراج الدرایۃ۔

۴۔ ہاں وہ بنک سے ملا ہوا سودی روپیہ خود استعمال نہ کرے بلکہ کسی غریب یا محتاج کو دے دے مگر یہ نہ سمجھے کہ صدقہ ہے اور ثواب ہوگا بلکہ اپنے سر سے اس بلا ٹالنے کے لئے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ رجب المرجب ۸۳ھ ۱۴ــــ۱۲/۶۳

بخدمتِ اقدس قبلہ وکعبہ الحاج اباجی صاحب دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ:۔ کے بعد نہایت عاجزانہ التجاء کہ بندہ حضور کی خدمتِ اقدس میں خط نہ لکھنے کی خطا سے معافی مانگتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ جب

حضور کے حاضر ہوا تھا تو ایک مہینہ رخصت پر رہا اور حتمی ارادہ تھا کہ مری کے علاقہ میں نہیں رہوں گا لیکن ان کے پے در پے خطوں نے جانے پر مجبور کر دیا۔ جب پھگواڑی پہنچا تو حالات دگرگوں بنے یعنی جس آدمی کو پیچھے نمازوں اور جمعہ کے لئے چھوڑ گیا تھا مسجد پر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہا تھا اور عوام کی اکثریت اس کے خلاف تھی۔ جب بندہ پہنچا تو اس نے مخالف پہلو اختیار کیا اور بدر صاحب کا سخت مخالف بن چکا تھا اور اس نے اپنی مکمل پارٹی بنالی ہے۔ بندہ کا پہلے اس کے خیال تھا کہ لاہور آجاؤں لیکن اب پھگواڑی رہنے کا ارادہ ہے اور اسے شکست دینے کا بھی ارادہ کر چکا ہوں بندہ کی فتحمندی کی بنیاد حضور کی دعائیں ہیں ورنہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

باقی ایک مسئلہ میں بندہ کے ساتھ ان کی شدید جھڑپ ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ کھانی جائز ہے یا نہیں، اس نے کہا ہے کہ جائز ہے اور اس کے اتحادی باقی مولوی صاحبان اس کی تائید کرتے ہیں، حوالہ دیتے ہیں قہستانی کا اور دوسری اور کتابیں ہیں۔ بندہ نے کہا مطلقاً نہیں جائز اور قہستانی کا اگر سچا حوالہ بھی ہو تو میں ماننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ یہ موضوع روایت کا جامع ہے بندہ کی تائید ایک دیوبندی مولوی نے کی، بہرکیف نزاع کافی حد تک پھیل چکا ہے اور بندہ بالکل مضبوط ہے، یہ پتہ نہیں کہ سچ پر ہوں یا باطل پر، دل کہتا ہے کہ حق پر ہوں، بعدہ آداب والسلام عرض۔ پتہ نہیں قبلہ بندہ کی تمام زندگی میں مخالفت ہی مخالفت ہے اب تک اتفاق کا چہرہ نہیں دکھائی دیا، اگر اسی طرح رہا تو یہ کام چھوڑنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔

بعدہ بندہ کی طرف سے تمام اساتذہ کرام کی خدمت میں السلام علیکم قبول ہو۔

راقم الحروف صابر علی وٹو

مولانا بدر صاحب و مولانا فلک شیر صاحبان سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور آقا تحریر میں غلطیاں بہت، پردہ پوشی فرمائیں، ہماری تحریر حضور کی خدمت میں حاضر

کرنے کے لائق تو نہیں لیکن اور کوئی وسیلہ نہیں۔ بندہ کی طرف سے صاحبزادہ محمد محب اللہ اور چوہدری صاحب خورد و کلاں کی خدمت میں نہایت عقیدت مندانہ السلام علیکم قبول ہو۔

عزیز القدر عزیزی مولانا صابر علی خاں صاحب سلمہ ربہ تعالیٰ و نصرہ علی جمیع اعدائہ نصرا

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : بعد از دعوات عافیتِ دارین آنکہ مدت کے بعد تمہارا خط پہنچا، اچھا ہے وہیں دین کی خدمت کرو، اللہ تعالیٰ حق کو فتح عطا فرمائے۔

یہ مسئلہ صحیح ہے کہ بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے، ظاہر الروایہ فقہ حنفی کی یہی ہے کسی ضعیف روایت سے حرام، حلال نہیں ہو سکتا، حضور پرنور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور حضور کے فرمان کے برخلاف کس کی بات معتبر ہو سکتی ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بہت بڑی جماعت اس مضمون کی حدیثیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جن میں یہ حضرات حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ، حضرت امام حسین، حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری، حضرت ابو رافع، حضرت ہرمز یا کیسان، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت ابو یعلےٰ، حضرت ابو عمیرہ رشید بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن علقمہ، حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عقیل، حضرت ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق، حضرت ام المومنین ام سلمہ، حضرت ام المومنین جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین داخل ہیں، اختصاراً صرف مسلم شریف

(مطبوعہ رشیدیہ دہلی) کتاب الزکوٰۃ ج ۱ ص ۵۴۳ سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان ھٰذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لاتحل لمحمد و لا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی کتب فقہ میں ہے۔ فتاوےٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۷، فتاوےٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۲۵، فتاوےٰ سراجیہ ص ۲۸، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۲، بدائع صنائع ج ۲ ص ۴۹، کنزالدقائق بحرالرائق ج ۲ ص ۲۴۶ وغیرہا کتب مذہب مہذب حنفیہ میں ہے والنظم من البحر ای لایجوز الدفع لھم لحدیث البخاری نحن اھل بیت لاتحل لنا الصدقۃ اور اس مسئلہ میں ائمہ مذاہب حقہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اتفاق واجماع ہے۔ میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۱۴، رحمۃ الامہ ج ۱ ص ۱۲۸ میں ہے والنظم من المیزان اتفق الائمۃ الاربعۃ علی انہ لایجوز اخراج الزکوٰۃ لبناء مسجد او تکفین میت و اجمعوا علی تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

لہذا آپ آئندہ کے لئے بھی بالکل مضبوط رہیں کہ یقیناً سچ پر ہیں، مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہیئے، کام چھوڑنے سے مخالفت ہرگز نہیں چھوڑتی۔ جو بھی نیا کام کروگے حتیٰ کہ ہل چلاؤگے تو پھر بھی مخالفت ہوسکتی ہے جو ڈھوڈوں کا قومی کام ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دعائیں پہنچتی رہیں گی۔ کیا دارالعلوم کے لئے بھی کچھ ہوسکتا ہے یا بوجہ مخالفت مشکل ہے؟ ابدصاحب اور فلک شیرصاحب سے سلام محبت۔ آپ نے یہ غلطی کی ہے کہ اپنا پتہ نہیں لکھا لہذا ابدصاحب کی معرفت بھیج رہا ہوں۔

والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۵ شعبان معظم ۸۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل میں :-

۱۔ زکوٰۃ لڑکی اور داماد کو جائز ہے ؟

۲۔ بہن اور بھائی کو جائز ہے ؟

۳۔ انگریز سے جو سود بنک کے ذریعہ سے وصول ہوا اس کا خرچ نیک کاموں میں جائز ہے ؟

۴۔ قرضدار کو قرض بعوض زکوٰۃ معاف کیا جائے تو زکوٰۃ جائز ہے خواہ قرضدار پر کتنا قرض ہو ؟

۵۔ اور زمین سے جو غلہ پیدا ہوتا ہے کیا اس میں زکوٰۃ ہے ؟

سائل : شاہد خاں صاحب از بٹک ۲۱ $\frac{6}{48}$

۱۔ لڑکی کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں اور داماد کو جبکہ مصرفِ زکوٰۃ ہو ، جائز ہے ۔

۲۔ بہن اور بھائی مسکین و فقیر کو جائز ہے ۔

۳۔ انگریز سے جو سود بنک کے ذریعہ لیا وہ حقیقۃً سود نہیں بلکہ مالِ موذی نصیبِ غازی ہے اور جیسے غازی مالِ غنیمت ہر نیک کام میں خرچ کر سکتا ہے ایسے ہی یہ روپیہ

انگریز سے لیا ہوا بھی خرچ کر سکتا ہے۔

۴۔ قرض دار کو قرض بعوض زکوٰۃ معاف کیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے خواہ قرض کتنا ہی ہو مگر صرف اس قرض کی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے جو معاف کیا دوسرے اموال کی نہیں۔

۵۔ اگر زمین خراجی نہ ہو، جیسی ہمارے ملک کی زمینیں ہیں تو اس زمین کے غلہ میں زکوٰۃ لازم ہوتی ہے بارانی اراضی کے غلہ سے دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور کنوئیں یا خریدے ہوئے پانی سے سیراب کئے تو بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۱۲ر شعبان المعظم ۶۷ھ

$\frac{۶}{۸}$ ۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں کہ زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں

بینوا توجروا۔

حضرت مولیٰ تعالیٰ عزوجل کا فرمان والاشان ہے انما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل ط فریضة من الله ط والله علیم حکیم ۰ پارہ دہم رکوع ۱۴" زکوٰۃ تو انہی لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ مقرر کیا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم وحکمت والا ہے :" یہ آٹھ قسم ہیں ان سے نمبر چہارم بہ اجماع صحابہ کرام الحکم حدیث شریف ساقط ہو گیا کہ جب مولیٰ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ و شوکت عطا فرمایا تو اس کی ضرورت نہ رہی کہ کچھ دے کر ان کے دل بہلائے جائیں۔ تیسرا اور پانچواں نمبر ہمارے ملک میں موجود نہیں اور قرضداروں سے مراد وہ ہیں جو بغیر کسی گناہ کے مبتلائے قرض ہوئے اور اتنا مال نہ رکھتے ہوں جس سے قرض ادا کریں، انہیں ادائے قرض میں مال زکوٰۃ سے مدد دی جائے، مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس مال نہ ہو، طالبعلم اہل السنۃ والجماعۃ نمبر اول و دوم و ہفتم میں داخل ہیں اور زیادہ تر مستحق ہیں کہ اس پرفتن دور میں دینِ متین کے جانباز و حامی ہیں طالب علم شرعی کے استحقاق قومی کی اہمیت تیسرے پارے کی اس آیت میں بھی نمایاں طور پر ثابت ہے جو اصحابِ صفہ (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طالب علموں) کے حق میں نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الارض

یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف الآیۃ (پارہ سوم رکوع پنجم) یعنی ان فقیروں کے لئے جو راہِ خدا میں روکے گئے ہیں زمین میں چل نہیں سکتے (کہ چل کر کسب معاش کرسکیں) نادان انہیں تونگر سمجھے (سوال سے) بچنے کے سبب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری نورہ ربہ وقواہ علی کل غبی وغوی

۱۵ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ

الاستفتاء

باسم المجید بفعل اللہ ما یرید، بگرامی قدر جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: ہدیۂ سنت خیر الانام بعد خیریت جانبین خدا سے مطلوب، مندرجہ ذیل مسئلہ کا جواب دے کر عند اللہ اجر حاصل کریں:۔

ا۔ حضرت زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتول کے سوا دوسری بیویوں سے جو اولادِ علی کرم اللہ وجہہ چلی ہے وہ علوی سید کہلا سکتے ہیں یا نہیں؟

ب۔ قطب شاہ بغدادی علوی کی اولاد (اولادِ بنی ہاشم) فاطمی رشتوں سے آپس میں رشتے ناطے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ث۔ ایک شخص کہتا ہے کہ علوی سید کہلانا جرم ہے حالانکہ ارشادِ الٰہی ہے ادعوھم لآبائھم۔

ج۔ علوی سید کہلانے والا آدمی خود اعلان کرتا ہے کہ بھائی فاطمی سید تو خود مطلق سید

لکھتا ہے اور غیر فاطمی علوی سے مشتق ہوتے ہیں مگر دونوں حضرات پر صدقات و زکوٰۃ حرام ہیں بوجہ قربت خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر وہ ایک اکیلا آدمی رٹ لگاتا ہے کہ جو علوی ہو کر سید کہلائے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہر سہ جزئیات کا جواب مدلل طور پر لکھیں ، بینوا توجروا۔ جواب سے جلدی مستفید کریں ۔

پتہ: حکیم مولوی محمد اعظم خطیب جامع مسجد مقام چکواری ڈاک خانہ خاص
ضلع میرپور آزاد کشمیر

جوابی لفافہ ارسالِ خدمت ہے لہٰذا مہربانی فرما کر جلدی جواب دیویں۔

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :۔ سید کا لفظ لغتِ عرب کے لحاظ سے بڑا عام ہے حتیٰ کہ کافروں پر بھی بولا جاتا ہے ، قرآنِ کریم میں عزیزِ مصر کو سید فرمایا گیا ہے الفیا سیدھا لدی الباب مگر آجکل پاکستان وغیرہ چند ممالک کی اصطلاح میں حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ پاک کو کہا جاتا ہے جو حضرت امام حسنِ مجتبیٰ اور حضرت امام حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی اولاد ہے ۔ دستور العلماء ج ۲ ص ۱۹۳ میں ہے السید بفتح الاول والثانی المشدد الرئیس کما یقال سید القوم ای رئیسھم ثم غلب فی من کان من اولاد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا عرب ممالک میں ان حضرات کو شریف کہا جاتا ہے بہرحال یہ ایک اصطلاحی چیز ہے اس اصطلاح کے لحاظ سے تو غیر فاطمی حضرات سید نہیں بن سکتے ، ہاں اگر کوئی نئی اصطلاح بن گئی ہو یا بنائی جائے تو کوئی حرج نہیں کہ اصطلاحِ جدید سے شرعاً ممانعت نہیں آئی مگر موجودہ

اصطلاح کے لحاظ سے پرہیز ضروری ہے اگرچہ وہ علوی کی قید یا حیثیت سے سید کہے جائیں مگر عوام الناس کے لئے ضرور دھوکا لگتا ہے جو ادعوھم لاٰبائہم کی خلاف ورزی کے حدود میں پہنچا سکتا ہے ہاں نرا علوی کہلائیں یا شاہ صاحب کہلائیں تو یہ ہو سکتا ہے مگر وہ بھی جبکہ تکبر کی نیت سے نہ ہو ورنہ کون نہیں جانتا کہ تکبر وغرور حرام ہیں اور جہنم میں پہنچانے والے ہیں، قطب شاہ صاحب بغدادی کی اولاد کہلانے والوں کے متعلق مجھے معلوم نہیں اگر وہ واقعی بنی ہاشم سے ہیں تو رشتے ملتے ہو سکتے ہیں، فتاوٰی عالمگیری میں ہے قریش بعضہم اکفاء لبعض اور زکوٰۃ بھی واقعی ان پر حرام ہے، فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۹۷ میں ہے ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبد المطلب کذا فی الهدایة اور اگر بنی ہاشم سے نہیں تو پھر یہ حکم بھی نہیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم وصلی اللّٰہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں کہ زکوٰۃ کا مال ایسے شخص کو دینا جائز ہے جس کے پاس حج کے لئے نصف سے زائد روپیہ ہے اور باقی کمی ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: نور محمد پاکپتن

اگر واقعی حج کو جا رہا ہے تو دینا جائز ہے قرآن کریم میں ہے فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے میں زکوٰۃ دینی جائز ہے اس میں طالب علم غازی حج کرنے والا جس کے پاس حسب ضرورت خرچ نہ ہو، سارے داخل ہیں۔ ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے شامی ج ۲ ص ۸۴ میں ہے قد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ و سبیل الخیرات اذا کان محتاجا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ بھنگی اور شرابی کو مال زکوٰۃ کا دینا یا مال زکوٰۃ کا کپڑا یا کھانا لیکر دینا جائز ہے یا نہیں اس مسئلہ کو بحوالہ کسی کتاب مستند کا تحریر کریں۔

خیر اندیش قدیم عبدالکریم بقلم خود از حجرہ شاہ مقیم

ایسے شخص کو زکوٰۃ دینی لائق نہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ بے جا اور گناہ میں خرچ کرے گا طحطاوی علی المراقی ص ۴۳۵، فتاوے برہنہ ج ۲ ص ۱۱ میں ہے والنظم من الطحطاوی لاینبغی دفعھا لمن علم انہ ینفقھا فی سرف او معصیۃ بلکہ عموماً یہ لوگ بدعتی اور شریعت کے چور ہوتے ہیں، ایسے کو دینا منع ہے۔ تنویر الابصار متن در المختار میں ہے جو متون معتبرہ سے ہے ج ۲ ص ۹۴ مع الشرح والحاشیۃ لایجوز صرفھا لاھل البدع اقول وقد قررھا العلائی والشامی فی الغالی بلکہ قرآن کریم کا فرمان ہے ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان۔ تو ان لوگوں کی امداد کرنا گناہ ہوا۔ اور بحر الرائق میں ہے لانہ اعانۃ علی الحرام اور یہ وجوہ مانع عین مال زکوٰۃ اور کپڑا وغیرہ اس کے معاوضہ میں دینے کو شامل ہیں وذا ابین من ان یبین واوضح من ان یبرھن وھو الموفق والھادی۔ وصلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم الی یوم التنادی بل ابد الابادی۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

ص۵ باشباع الکسرۃ للاسجاع ۱۲ منہ غفرلہ

الاستفتاء

بنام جناب حاجی محمد خلیل محمد جمیل صاحبان آڑھتیان پشم منٹگمری

آپ نے مسئلہ دریافت فرمایا ہے کہ آیا ایسے پرائمری سکول کے مدرس کو بطور مشاہرہ رقم زکوٰۃ دینی جائز ہے جس میں امراء و غرباء کے لڑکے پڑھا کرتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ :

مالِ زکوٰۃ بطورِ تنخواہ دینے سے چونکہ معاوضہ بنے گا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اگر زیادہ ضرورتِ دلائل ہو تو مطلع فرمائیں بفضلہ وکرمہ تعالٰی لکھ کر بھیجدئے جائیں گے مگر میرے خیال میں یہ ایک دلیل ہی کافی ہوگی اور کارڈ پر آیات و احادیثِ شریفہ کا لکھنا بھی اچھا نہیں لہٰذا اسی پر اکتفار کرتا ہوں، والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ ؍ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

ہائی سکول حجرہ جو کہ پہلے پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک اکٹھا تھا، چند دن ہوئے گورنمنٹ کی طرف سے پرائمری سکول علیحدہ کر دیا گیا ہے جس کے حصہ میں بالکل عمارت نہیں ملی، صرف بورڈنگ ہی ملا جس میں کمرہ صرف ایک ہی تھا، چونکہ پرائمری سکول کے لئے کمرے کی ضرورت محسوس ہونے کی وجہ سے خیال کیا کہ آیا اس عمارت کے لئے پرائمری سکول کو زکوٰۃ فنڈ دے سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

مستفتی : محمد رمضان، نور حسن دوکانداران حجرہ شاہ مقیم

پرائمری سکول کی عمارت کیا مسجد کی عمارت میں بھی زکوٰۃ فنڈ نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ فتاوٰے عالمگیر اور تمام کتبِ مذہبیہ میں مسطور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ ربیع الثانی ۷۹ھ بروز اتوار

الاستفتاء

مرشدی و مولائی و والدی قبلہ و کعبہ الحاج حضرت مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ : بعد از ادائے آدابِ نیازمندانہ عرض سلام خیریت جانبین از درگاہِ ایزدی نیک مطلوب المرام اینکہ :

۱۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق کے ملک کرنا شرط ہے مگر عموماً مدرسہ کی رسید کاٹ دی جاتی ہے اور مدرسہ کے کھاتہ میں رقم جمع ہو جاتی ہے، اصل مستحق جو طلباء ہیں ان کے ملک نہیں کی جاتی، اس کی کیا صورت ہے ؟

مفصل مسئلہ بمع حوالہ جات کتب سے مستفیض فرمائیں۔

۲۔ نحر کا سنت طریقہ کیسے ہے ؟

السائل

رشید احمد نوری از تونسہ بیراج

۱۔ واقعی زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے مگر آپ کو یہ کس نے کہا کہ طلباء کے ملک نہیں کی جاتی ہے، بفضلہ و کرمہ تعالیٰ دار العلوم میں زکوٰۃ یا کوئی ایسی رقم آئے جس میں تملیک شرط ہے تو وہ مستحق طلباء کے ملک ضرور کی جاتی ہے اور طلباء اپنی رضا سے دار العلوم کے ملک

کردیتے ہیں پھر وہ رقم دارالعلوم کے کھاتہ میں جمع ہوتی ہے، اس چیز کی نہایت احتیاط کی جاتی ہے، ہمارے فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں زکوٰۃ فقیر کے ملک کی جائے اور فقیر اپنی خوشی سے دیدے تو جائز ہے۔ فتاوے عالمگیر ج ۴ ص ۳۷۷ اور شرح الاشباہ للحموی ص ۶۱۳ میں ہے وکذلک فی جمیع ابواب البر التی لا یقع بہا التملیک کعمارۃ المساجد وبناء القناطر والرباطات لا یجوز صرف الزکوٰۃ الی ھٰذہ الوجوہ و الحیلۃ لہ ان یتصدق بمقدار زکاتہ علیٰ فقیر ثم یأمرہ بعد ذلک بالصرف الی ھٰذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقۃ و لذلک الفقیر ثواب بناء المساجد والقنطرۃ۔ اور شامی ج ۲ ص ۱۶ میں ہے وقد یقال ان ثواب التکفین (وغیرہ) یثبت للسرکی ایضا لان الدال علی الخیر کفاعلہ و ان اختلف الثواب کما و کیفا قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقۃ علیٰ یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدی من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ۔

۲۔ نحر کا یہ طریقہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کیا جائے اور اگلا پاؤں باندھ دیا جائے اور نیزہ گردن کے اگلے حصے پر مار کر رگیں کاٹی جائیں، اس کا ذکر قرآنِ کریم سورۃ الحج شریف کی آیت والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف میں ہے۔ ترجمہ اور تفسیریں نکال کر دیکھ لیں اور احادیثِ شریفہ میں بھی اس کا ذکر ہے اور کتبِ فقہ میں بھی۔ آپ نے زکوٰۃ کا لفظ ذال سے لکھا ہے حالانکہ زا سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۴ ذوالقعدۃ المبارکہ ۱۳۸۸ھ $\frac{2}{69}$ ۲

الاستفتاء

بگرامی خدمت جناب حضرت مولانا مفتی صاحب دارالافتاء دارالعلوم لصبیر لوپ

حضرت والا، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، عرض آنکہ :

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین در بارہ این مسئلہ کہ عقیقہ کے طور پر گائے قربانی کے حصص کے شمول کے علاوہ باقی سال بھر میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر گائے قربانی کے علاوہ دیگر ایام میں بطورِ عقیقہ پوری کی پوری ذبح کی جائے تو شرع شریف میں جائز ہے یا نہیں ؟ ایک عالم صاحب نے قربانی کے شمول کے علاوہ گائے کا عقیقہ دیگر ایام میں کرنا ناجائز قرار دیا ہے، شرع شریف کی روشنی میں اس کا حل درکار ہے۔

۲۔ گائے کا عقیقہ ناجائز خیال کرتے ہوئے بکروں کا عقیقہ کیا جاوے اور بکرے مخصوص قربانی کے لئے پال رکھے ہوں تو بکروں کا ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

۳۔ صدقہ کے بکرے کا گوشت صدقہ دینے والا کھا سکتا ہے یا نہیں ؟

احقر شبیر احمد عفی عنہ جیجہ وطنی مکان ۱۸۱۳ بلاک ۱۲ ضلع منٹگمری ۲۶ ۸/۶۴

حضرت مولانا صاحب وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ :۔

۱ ہاں دیگر ایام میں بھی گائے کا عقیقہ جائز ہے، صحیح بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث کی

مرفوع وصحیح حدیث میں ہے اهریقوا عنه دما (ترجمہ: بہاؤ (ذبح کرو) بچہ کی طرف سے کوئی خون (کسی جانور کا عقیقہ کرو)۔ یہ امر اہراق قیدِ وقت سے مبرا ہے تو جمیع اوقات کو شامل ہوگا اور یونہی دماً بھی مطلق ہے تو جنسِ قربانی کے جمیع حیوانات پر صادق آئے گا تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ گائے کا عقیقہ مطلقاً جائز ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ قسطلانی علی البخاری ج۸ ص ۲۸۲ میں ہے والجمهور على اجزاء الابل والبقر ايضا لحديث عند الطبراني عن انس مرفوعا يعق عنه من الابل والبقر والغنم (ترجمہ) جمہور کے نزدیک اونٹ اور گائے بھی کفایت کرتے ہیں بسبب ایک حدیث کے جو طبرانی نے حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ عقیقہ کیا جاوے بچہ کا اونٹ اور گائے اور بکری سے"۔ اور یونہی فتح الباری شرح بخاری ج۹ ص ۴۸۷ میں بھی ہے بزیادۃ "وابی الشیخ" بعد الطبرانی تعجب ہے کہ یہی اطلاق جواز تو قربانی کے دنوں میں جواز کی دلیل ہے مگر آپ کے عالم صاحب الٹے یہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں جائز نہیں یعنی اطلاق جواز کے قائل نہیں تو ان پر لازم ہے کہ خصوصِ جواز کی دلیل پیش کریں حالانکہ ایسی کوئی دلیل ہے ہی نہیں بلکہ مجھے تو تمام عالم میں ایسا کوئی عالم معلوم نہیں جو ایسی تخصیص کا قائل ہو شاید آپ کے عالم صاحب کیسے عالم ہیں!

۲۔ ایسے خیال سے بچنا ضروری ہے کہ یہ جمہور ائمہ و مشائخ اسلام کے خلاف ہے اور قربانی کے مخصوص بکرے چونکہ قربانی کے لئے ہی مخصوص ہیں تو عقیقہ میں ذبح نہ کئے جائیں۔

۳۔ عام عقیقہ کا گوشت عقیقہ کرنے والا کھا سکتا ہے ہاں اگر نذرِ شرعی کی بنا پر عقیقہ کرے یا کوئی اور واجب و فرض صدقہ ادا کرتے ہوئے بکرا کرے تو ہرگز نہ کھائے بلکہ صرف فقراء و مساکین کو ہی کھلائے کہ یہ ان کا ہی حق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۵ ربیع الثانی شریف ۱۳۸۴ھ

$\frac{9}{64}$ ۲

باب العشر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں کہ :

۱۔ چاہی زمین اور نہری زمین یعنی جس کو نہری پانی تمام سال ملتا رہتا ہے اور جس کو چاہی زمین کوآں کا پانی ملتا رہے اور چھ ماہ کے بعد نہری بھی مل جائے اس کے عشر کے متعلق بتائیں ہمیں کتنا لگتا ہے ؟ کیا جو فصل پک کر تیار ہو جائے اور اس کی بٹائی کی جائے خواہ نہری ہو یا چاہی ہو کیا اس کا بھی عشر کتنا دیا جاتا ہے یا کہ کچا فصل مثلاً چارہ جو بھینس کو چرایا جائے یا ویسے اس کی رقم نہ فروخت کر کے لی جائے ویسے ہی کچا فصل ہی ویسے بانٹ یا چارے کے موافق کھلایا وغیرہ جائے ، کیا عشر دیا جائے گا یا نہیں ؟

۲۔ عشر جس فصل یا فصل کی رقم کا دیا جائے اور اس رقم کی زکوٰۃ بھی نکالی جائے گی خواہ عشر والی رقم کو سال ہوا ہو یا کہ نہیں ، عشر کی رقم کس طرح خرچ کرنی چاہیے اور کس

کس آدمی کو یا رشتہ داروں میں کس طرح دی جاتی ہے، کون کونسے رشتہ داروں کو جو کہ غریب ہوں یا عشر مسجد یا مسجد کی کسی جگہ یا کوئی ایسی جگہ یہاں نہ دیا جاتا ہو، اس سے مطلع فرمائیں بینوا توجروا۔

سائلان: حاجی محمد الدین محمد رمضان دکانداران حجرہ شاہ مقیم ضلع منٹگمری۔

چونکہ ہمارے یہاں نہری پانی قیمت سے ملتا ہے لہذا نہری اور چاہی کھیتی کا ایک ہی حکم ہے، گندم، جَو، دھان وغیرہ ہر فصل کا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ دینا پڑتا ہے، پکا غلہ اٹھائے یا کچا ہی جانوروں کو چارے کی صورت میں کھلائے یا فروخت کر دے اور اگر مزارع کو بٹائی پر زمین دی ہوئی ہے تو زمیندار اپنے حصے کا اور مزارع اپنے حصے کا دے عشر میں قیمت بھی دی جاسکتی ہے مثلاً ایک من گندم دینی پڑی تو اس کی قیمت نرخ حال کے حساب سے نقدی وغیرہ کی صورت میں دے سکتا ہے، عشر اور زکوٰۃ دونوں کا ایک ہی حکم ہے، ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بیوی یا خاوند کو دینا جائز نہیں اور اسی طرح اولاد اور اولاد کی اولاد کو بھی نہیں، باقی غریب رشتے دار کو دے سکتا ہے بشرطیکہ اہلِ بیتِ کرام نہ ہوں کہ مالِ زکوٰۃ میل کچیل ہے اہلِ بیتِ کرام کے لائق نہیں اور مسجد پر بھی نہیں لگا سکتا۔

آپ کے سوال میں جس عبارت پر لکیر کھینچ دی ہے وہ سمجھ نہیں آتی لہذا اس کا جواب نہیں لکھ سکا، سوال ہمیشہ صاف صاف اور سادہ الفاظ میں ہونا چاہئے اور زیادہ

مسائل کا اکٹھا سوال بھی نہیں چاہیئے کہ اتنی فرصت نہیں کہ ایک وقت میں سب کا جواب دیا جا سکے بدیں وجوہ آپ کے پہلے سوالوں کے جواب اب تک نہیں دے سکا ہوں آپ کا سادہ کاغذ اور لفافہ بھی واپس کر رہا ہوں جس جس مسئلہ کی ضرورت ہو اکیلا اکیلا لکھیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۷ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت اقدس حضرت مولانا المعظم والمکرم دامت برکاتہم العالیہ

پس از تسلیم مع التکریم معروض کہ کیا ارشاد ہے علمائے دین کثرہم اللہ تعالیٰ و نصرہم وایدہم وابدہم کا اس مسئلہ میں کہ کیا زکوٰۃ ہے ایسی کھیتی کی جس کو کھاد و سہاگہ جیسی نہروں کا پانی دیا جاتا ہے اور اس پانی کی قیمت (آبیانہ) ادا کی جاتی ہے، بینوا توجروا۔

السائل العبد محقق محمد رمضان نوری غفرلہ

ہاں نصف عشر لازم ہے کہ اس میں بھی کثرتِ مؤنہ ہے، علامہ علاؤ الدین علیہ الرحمہ نے درالمختار ج ۲ ص ۶۹ مع الشامی میں شوافع سے نقل کرتے ہوئے برقرار رکھا وفی کتب الشافعیۃ او سقاہ بماء اشتراہ وقواعدنا لاتاباہ پھر عرف عام سے یہ معاملہ ثابت وصحیح ہو چکا ہے تو حکم وہی ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳۷۴ھ بروز جمعۃ المبارکہ

قبلہ وکعبہ دارین حضرت مولانا صاحب مولوی نور اللہ صاحب مدظلہ العالی

بعد از آداب و تسلیمات خیریت وعافیت آں ذات ستودہ صفات از درگاہ مجیب الدعوات مرام نیک مطلوب المعروض اینکہ بندہ آنحضور پر نور کا نہایت از تہ دل مشکور وممنون ہے کہ عزیزم رشید احمد فرزندم آں ذات ستودہ صفات کے دائرہ بندگان میں داخل ہو کر نہایت متشرع اور نیک اطوار آنجناب سے مستفید ومستفیض ہو رہا ہے، آنحضور کا پتہ مبارک

بھی تحریر کروالیا ہے، انشاء اللہ بعد برداشتگی خرمن ہائے جناب کے درسِ اقدس میں حصہ عشر انشاء اللہ بھیجا جائے گا، نیز بندہ کے خاتمہ بالخیر کے لئے بھی اللہ میاں سے دعا فرمادیں۔

۲۔ چند ایک مسائل کا خدشہ بوجہ قلتِ فرصت کے رہتا ہے لہٰذا ان کے اجوبہ سے ممنون و مشکور فرمادیں۔

مسئلہ نمبرا: سورہ ممتحنہ پارہ ۲۸ میں الآیۃ یاایھا النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك الخ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا جاء کم المؤمنات الخ ہردو آیۃ مبارکہ میں المؤمنات فاعل ہے جاء کا باوجود فاعل مؤنث حقیقی ہونے کے فعل جاء کیسے مذکر استعمال ہوا ہے؟

مسئلہ نمبر۲: جو اراضی مملوکہ اہلِ اسلام حکومتِ پاکستان ہیں، عشری ہیں یا خراجی؟

مسئلہ نمبر۳: جو اراضی غیر مسلم اقوام فی الحال الاٹ منٹ حکومت نے مہاجرین کو کر دی ہیں وہ عشری ہیں یا خراجی؟ اگر عشری ہیں تو عشر مالکانِ عارضی پر ہے یا مزارعان پر اور صاحب شارح درالمختار معروف بالشامی نے تحریر فرمایا ہے کہ اراضی مملوکہ حکومت پر نہ عشر اور خراج مزارع پر ہے اور نہ حکومت پر۔

مسئلہ نمبر۴: کیا عشر و زکوٰۃ فقیروں کے دربار پر لنگر میں جہاں امیر فقیر کو روٹی ملتی ہے اور فقیر خود متوفی ہیں، درست ہے دینا یا نہ، والسلام۔

العارض: بندہ محمد حنیف معرفت شیخ محمد امین سوداگر چرم منکیرہ خاص تحصیل بھکر ضلع میانوالی

۱۔ نحو کا قاعدہ ہے کہ جمع مذکر سالم کے ماسوا ہر اسم ظاہر جمع کے لئے اسم ظاہر مؤنث

غیر حقیقی کا حکم ہے اس امر میں کہ تذکیر و تانیث فعل دونوں میں جائز ہیں، تذکیر اس لئے کہ وہ جمع ہے اور لفظِ جمع مذکر ہے اور تانیث اس لئے کہ جماعت ہے اور لفظِ جماعت مؤنث ہے اور یہ لحاظ نہیں کیا جاتا کہ مفرد حقیقۃً مذکر ہے تو جمع کے لئے فعل مذکر چاہئے یا مؤنث ہے تو فعل مؤنث چاہئے، کافیہ میں ہے وحکم ظاهر الجمع غير المذكر السالم مطلقا حكم ظاهر غير حقيقي۔ شرح ملا جامی میں ہے مطلقا اى سواء كان واحده مؤنثا نحو اذا جاءك المؤمنات او مذكرا نحو جاءت الرجال حكم ظاهر غير المؤنث الحقيقي فانت بالخيار ان شئت الحقت التاء به وان شئت تركتها نحو جاءت الرجال وجاء الرجال۔ غایۃ التحقیق میں ہے مطلقا اى سواء كان واحده مؤنثا حقيقيا كالنسوة والمؤمنات او مذكرا حقيقيا كالرجال و الجمال حكم ظاهر المؤنث غير الحقيقي في جواز تذكير الفعل و تانيثه نحو جاء الرجال وجاءت الرجال قال الله تعالى اذا جاءك المؤمنات وقال نسوة وقالت الاعراب وانما جاز فيه الوجهان لانه ماول بالجماعة والجماعة مؤنث باعتبار اللفظ غير مؤنث باعتبار المعنى فيجوز الوجهان عملا بالاعتبارين۔ رضی اور تکملہ عبد الغفور میں بالفاظِ متقاربہ ہے وانما لم يعتبر التانيث الحقيقي الذى كان في المفرد لان المجاز الطارئ ازال حكم الحقيقي كما ازال التذكير الحقيقي في رجال۔

۲۔ ان اراضی سے غالباً وہ اراضی مراد ہیں جو مملکتِ پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت ہیں تو ان کے متعلق یقینی طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ اصل میں عشری ہیں یا خراجی بڑا مشکل ہے اس لئے کہ جب سلاطینِ اسلام نے پہلے پہل ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم

نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کونسی صورت اختیار کی تھی صورتیں بکثرت ہیں بعض خراجی کی اور بعض عشری کی، پھر تغیر و تبدل مالکان سے بھی عشری و خراجی ہونے میں تغیر ہو سکتا ہے مبسوط سرخسی ج ۳ ص، میں ہے کل بلدة اسلم اهلها طوعا فهي ارض عشرية پھر فرمایا وكل بلدة افتتحها الامام عنوة و قسمها بين الغانمين فهي ارض عشرية لما بينا و كذلك المسلم اذا جعل داره بستانا او احيى ارضا ميتة فهي ارض عشرية الخ اور ج ۳ ص ۸ میں ہے و كل بلدة فتحها الامام عنوة و قهرا ثم من بها على اهلها فهي ارض خراج اور ایسے ہی در المختار رشامی، عالمگیر، بحر الرائق وغیرہا میں ہے اور جب یقینی طور پر بوجہ عدم واقفیت یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اصل میں عشری ہیں یا خراجی تو علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی ملکیت ایسی اراضی جن کے متعلق دلیل شرعی سے خراجی ہونا ثابت نہیں، حکماً عشری ہیں کہ آباد اراضی خراج یا عشر دونوں سے خالی نہیں ہو سکتیں اور مسلمانوں کے لائق عشر ہی ہے کہ اس میں عبادت کا معنی پایا جاتا ہے۔ ہدایہ ج ۲ ص ۱۷۵، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۹، در المختار شامی ج ۳ ص ۳۵۱، مبسوط ج ۳ ص ۶، بدائع صنائع ج ۲ ص ۵۷ میں ہے والنظم لملك العلماء ان الاراضي لا تخلو عن مؤنة اما العشر و اما الخراج والابتداء بالعشر فى ارض المسلم اولى لان فى العشر معنى العبادة و فى الخراج معنى الصغار مبسوط ج ۳ ص ۷، وغیرہ میں ہے و المسلم لا يبدأ بالخراج صيانة له عن معنى الصغار فكان عليه العشر، اور اگر اس سوال میں ایسی اراضی مراد ہیں جو کسی کی خاص ملکیت نہیں بلکہ براہِ راست حکومتِ پاکستان کی مملوکہ ہیں تو وہ تحریر شامی والی صورت ہے اس کا حکم تیسرے نمبر کے جواب سے واضح ہے۔

۲۔ اراضی متروکہ غیر مسلم جو حکومت نے مہاجرین کو الاٹ کر دی ہیں، گو نام کے لحاظ سے عارضی ہیں مگر اکثر حقیقۃً مستقل ہو چکی ہیں اور مہاجرین باقاعدہ حقوقِ مالکانہ حاصل کر چکے ہیں

تو وہ عشری ہیں کہ خراجی ہونے کی دلیل نہیں۔ شامی ج ۳ ص ۳۵۲ اور ج ۳ ص ۳۵۳،
بحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۶ میں ہے ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودها الی
بیت المال، نیز شامی ج ۳ ص ۳۵۱ میں ہے اذا قسم بین المسلمین[للعہ] غیر
الغانمین فانہ عشری لان الخراج لا یوظف علی المسلم ابتداء اور بعض[سہ]
اراضی متروکہ واقعی عارضی طور پر الاٹمنٹ میں اور مہاجرین کے ملک نہیں یا الاٹ کے لئے
ٹینڈر کی صورت میں مسلم مزارعین کے زیرِ کاشت ہیں تو حسب القواعد وہ حکومتِ پاکستان
کا ملک ہیں کہ بلا جہاد کے حاصل ہوتی ہیں، بحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۷ میں قول کنز و ما
اخذ نا منھم بلا قتال یصرف فی مصالحنا الخ کی شرح میں ہے
لانہ مال بیت المال فانہ وصل للمسلمین بغیر قتال و
ھو معد لمصالح المسلمین مگر یہ اس اراضی مملوکہ حکومت رجس کے متعلق
شامی نے ج ۳ ص ۳۵۳ میں لکھا ہے لا عشریۃ و لا خراجیۃ من
الاراضی تسمی ارض المملکۃ و اراضی الحوز) کے تحت داخل نہیں ہو سکتی
کہ خود شامی بھی اسی صفحہ میں اس اراضی کی تشریح فرماتے ہیں وھو ما مات اربابہ
بلا وارث و آل لبیت المال او فتح عنوۃ و ابقی للمسلمین
الی یوم القیامۃ یعنی اس کے مالک بلا وارث مر جائیں اور وہ زمین بیت المال
کے لئے ہو جائے یا عنوۃً فتح ہو اور مسلمانوں کے لئے قیامت تک رکھی جائے اور
ان زمینوں میں یہ دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کے مالک صرف ڈر کے مارے بھاگ گئے
تو عشری بنیں گی کہ بیت المال کے ملک میں آنے کے سبب خراج اٹھ گیا اور عشر اٹھنے

سہ اور اراضی متروکہ ہی بیت المال کے لئے بنی رہے گی ۱۲ منہ غفرلہ

للعہ مہاجرین بھی غیر الغانمین ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

کی کوئی دلیل نہیں حالانکہ کتب معتبرہ مذہب سے سن چکے کہ آباد زمین عشر وخراج دونوں
سے خالی نہیں ہو سکتی اور اگر بالفرض یہ اراضی متروکہ اس اراضی الحوز کے تحت آجائے
جس کے متعلق شامی نے لاعشریۃ ولاخراجیۃ فرمایا ہے تو پھر بھی عشر دینا
پڑے گا اس لئے کہ شامی اس اراضی کا حکم تاتارخانیہ سے اسی صفحہ میں ناقل ہیں ان
یجوز للامام دفعہ للزراع باحد طریقین اما باقامتہم مقام
الملاک فی الزراعۃ واعطاء الخراج واما باجارتہا لہم بقدر
الخراج فیکون الماخوذ فی حق الامام خراجا یعنی امام (سلطان اسلام)
کے لئے جائز ہے کہ وہ اراضی کاشتکاروں کے سپرد کرے دو طریقوں سے کسی ایک
پر (۱) کاشتکاروں کو سابقہ غیر مسلم مالکوں کے قائم مقام کھیتی کرنے اور خراج کے
دینے میں بنا دے۔

(۲) کاشتکاروں کو کرایہ پر دے جو خراج کے قدر پر ہو تو یہ وصول کردہ امام کے
حق میں خراج ہوگا حالانکہ یہ حقیقت آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے کہ حکومت پاکستان
اراضی مذکورہ کاشتکاروں کے سپرد ان دو طریقوں سے کسی ایک پر بھی نہیں کر رہی
بلکہ چھ گنے لگان وصول کیا جاتا ہے جو غیر مسلم تارکین کو مالک تصور کرتے ہوئے ان
کے نام خزانے میں جمع کیا جاتا ہے جسے خراج کا حکم ہرگز ہرگز نہیں دیا جاسکتا کہ خراج تو
محض مصالح مسلمین اور غازیوں اور ان کے بال بچوں کے لئے مخصوص ہے کما فی
عامۃ المعتبرات اور یہ وصول کردہ خاص کفار کا حق قرار پا چکا ہے تو خراج
کیسے ہو سکتا ہے اور جب خراج نہ بنا تو عشر ضرور لازم ہوگا کہ اوپر متعدد معتمدہ
کتب مذہب سے گزر چکا ہے کہ کوئی آباد زمین عشر یا خراج سے خالی نہیں رہ سکتی
حالانکہ فقہائے کرام صراحۃً تاکیداً فرماتے ہیں کہ فرضیت عشر قرآن کریم اور حدیث
شریف اور اجماع اور عقلی دلائل سے ثابت ہو چکی ہے اور یہ کہ بلاشبہ وہ پھلوں

اور کھیتوں کی زکوٰۃ ہے اور یہ کہ وہ ایسی زمین میں بھی واجب ہو جاتا ہے جو خراجی نہ ہو اور یہ کہ وہ ایسی زمین میں بھی واجب ہو جاتا ہے جو نہ عشری ہو اور نہ خراجی جیسے جنگلات اور پہاڑ اور یہ کہ اس کے وجوب کا سبب وہ زمین ہے جس سے حقیقۃً پیداوار ہو اور یہ کہ وہ بچے اور دیوانے اور مکاتب کی زمین میں بھی واجب ہو جاتا ہے اور یہ کہ اس میں زمین کا مالک ہونا شرط نہیں بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے تو اراضی موقوفہ میں بھی لازم ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد وآتوا حقہ یوم حصادہ اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فرمان ما سقت السماء ففیہ العشر و ما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر عام ہیں اور عشر پیداوار میں لازم ہوتا ہے نہ زمین میں، تو زمین کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، پیداوار کا مالک ہو تو عشر لازم ہوگا۔ شامی ج ۳ ص ۳۵۲، ۳۵۳ میں ہے

لانھم قد صرحوا بان فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب و السنۃ و الاجماع و المعقول و بانہ زکوٰۃ الثمار و الزروع و بانہ یجب فی الارض الغیر الخراجیۃ و بانہ یجب فیما لیس بعشری و لا خراجی کالمفاوز و الجبال و بان سبب وجوبہ الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ و بانہ یجب فی ارض الصبی و المجنون و المکاتب لانہ مؤنۃ الارض و بان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج فیجب فی الاراضی الموقوفۃ لعموم قولہ تعالی انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض و قولہ تعالیٰ وآتوا حقہ یوم حصادہ و قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما سقت السماء ففیہ العشر و ما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر و لان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملک الارض

وعدمہ سواء کما فی البدائع ، بلکہ ائمۂ ثلاثہ حضرات امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ تو دلائل مذکورہ کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ خراجی زمین میں خراج کے ساتھ ساتھ عشر بھی لازم ہے کما فی فتح القدیر وغیرھا اور ہمارے نزدیک گو خراج کے ساتھ عشر لازم نہیں مگر خراج نہ ہو تو عشر ضرور لازم ہوگا کما مر۔ نیز شامی ج ۲ ص ۶۷ میں ہے ولا یلزم من سقوط الخراج الخ اور ج ۲ ص ۶۸ میں ہے وعلی فرض سقوط الخراج لا یسقط العشر الخ اور یہاں سے اراضی الحوز کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کا عشری و خراجی نہ ہونا محض تعبیرات اصطلاحیہ کے لحاظ سے ہے ورنہ شامی ہی سے وہیں سن چکے کہ طریق ۱ میں کاشتکار خراج ادا کرتے ہیں اور ۲ میں کرایۂ اراضی وصول کردہ امام کے حق میں خراج ہے اور کاشتکاروں کے حق میں گو کرایہ ہے مگر صاف تصریح فرما دی ہے کہ وہ ہر طرح کرایہ نہیں بلکہ وہ حق امام میں خراج ہے فرمایا علی انک علمت ان الماخوذ لیس اجرۃ من کل وجہ بل ھو فی حق الامام خراج اور یہ بھی صرف اراضی الحوز کی پہلی شق ما مات اربابہ بلا وارث وآل لبیت المال والی اراضی کے متعلق ہی ہے یہ بحث اصل میں صاحب فتح القدیر سے اراضئ مصر کے متعلق ہے جو اصل میں خراجی تھی اور اراضی شام کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے۔ درالمختار میں ہے وقالوا اراضی الشام و مصر خراجیۃ وفی الفتح الماخوذ الآن من اراضی مصر اجرۃ لاخراج الخ شامی نے ج ۳ ص ۳۵۲ میں فرمایا والحاصل الاتفاق علی انہا خراجیۃ وانما اختلف الخ نیز ج ۳ ص ۳۵۶ میں فرمایا لانہ خراجی فی اصل الوضع اور ج ۲ ص ۶۷ میں فرمایا وفی حکم ذلک اراضی مصر والشام الخ اور دوسری شق اوفتح عنوۃ الخ میں یہ مشکل ہے جبکہ مزارع اہل اسلام ہوں لما علمت ان الخراج لا یوظف علی المسلم ابتداء بہرحال

احوط و اسلم یہی ہے کہ ایسی اراضی اور اراضی متروکہ غیر مسلم مذکورۂ سوال کی پیداوار کا عشر بالالتزام ادا کیا جائے کہ اگر بالفرض عشر عند اللہ لازم نہ ہو تب بھی ادا میں گناہ نہیں بلکہ خیرات ہی ہے اور بحکم و ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا و اعظم اجرا باعثِ اجرِ عظیم بنے گا اور اگر عند اللہ تعالیٰ لازم ہو اور ادا نہ کرے تو سخت گنہگار ہو گا حالانکہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً لازم ہے کما مر فلا تنس الاحتیاط۔

۴۔ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے کہ فتاوےٰ عالمگیر وغیرہا میں زکوٰۃ کی تفسیر تملیک مخصوص سے ہی کی ہے، ہندیہ کے لفظ ہیں اما تفسیرھا فھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی الخ تو اگر متولیان دربار خود فقرائے شرعی ہیں جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو حسبِ دستورِ شرع عشر و زکوٰۃ ان کو تملیکاً دے سکتا ہے اور وہ اپنے طور پر فقرا و اغنیا، سب کو کھلا سکتے ہیں لحدیث ابی ھریرۃ وغیرھا۔ درالمختار میں ہے وحیلۃ التکفین بھا التصدق علیٰ فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیرا لمسجد۔ شامی نے فرمایا قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدی من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ اقول و لا مفھوم للتکفین و التعمیر و ذا ظاھر جدا۔

فتاوےٰ ہندیہ ج ۴ ص ۳۷۷، شرح حموی للاشباہ ص ۶۱۳ میں ہے والنظم من الھندیۃ وکذلک فی جمیع ابواب البر التی لا یقع بھا التملیک کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر والرباطات لا یجوز صرف الزکوٰۃ الیٰ ھذہ الوجوہ والحیلۃ لہ ان یتصدق بمقدار زکوٰۃ علیٰ فقیر ثم یأمرہ بعد ذلک بالصرف الیٰ ھذہ الوجوہ الخ اور یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ بلا مالک بنائے اس نیت سے لنگر میں داخل کرے کہ سب فقرا و امرا

اغنیاء کھاتے پیتے رہیں کہ یہ صورت تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے اور اباحت سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، در المختار میں ہے خرج الاباحة، شامی نے فرمایا ہے فلا تکفی فیہا۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ کسی معتمد کو اپنا نائب و وکیل بنا کر عشر و زکوٰۃ سپرد کر دے کہ وہ حیلۂ شرعیہ کے ساتھ سب کو کھلاتا رہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے وذا ظاهر جدا لاغبار علیہ اصلا۔

اور یونہی مدارس اسلامیہ کے فقراء، متولیوں کے ملک کیا جائے کہ اپنے طور خرچ کریں یا ان کو یہ واضح کر کے دیا جائے کہ یہ عشر اور زکوٰۃ ہے کہ وہ صرف مستحقین زکوٰۃ پر خرچ کریں یا حیلۂ شرعیہ سے ان طلباء پر بھی خرچ کریں جو مصرفِ زکوٰۃ نہیں جیسے سید وغیرہ، ہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ دربار و لنگر اور مدرسے والے اہل السنت و الجماعت دیندار ہوں اور بدمذہب نہ ہوں کہ تعاون علی البر و التقوی بنے اور تعاون علی الاثم والعدوان نہ بنے۔ تنویر الابصار میں ہے ولا یجوز صرفہا لاھل البدع اور یہ تو نہایت واضح ہے کہ زکوٰۃ و عشر کا حکم من حیث المصرف ایک ہی ہے کما فی عامۃ المعتبرات۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وعلی آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۵ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۶ھ بروز بدھ

مکرم معظم جناب مولانا دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج گرامی ! احوال آنکہ بندہ کا ذریعۂ معاش زمینداری ہے ۔ بندہ کی اراضی تین جگہ ہے ۔ مقامی اراضی خود کاشت کرواتا ہوں اور دوسری جگہ کی اراضی ٹھیکہ پر دی جاتی ہے اور رقم نقد وصول کی جاتی ہے ۔ جو اراضی خود کاشت کرواتا ہوں اس میں ایک آدمی حصہ دار رکھتا ہوں جس کو ۱/۴ دیا جاتا ہے ۔ بندہ کا ایک بالغ لڑکا شادی شدہ ہے جس کے تمام واجبات بندہ نے بحیثیت سرپرست اپنے ذمے رکھے ہوئے ہیں ، صدقہ فطر وغیرہ اور اس کا قیام وطعام علیحدہ ہے اس کو بطور حصہ ۱/۵ برائے خرچ سالانہ دیتا ہوں فصل وٹھیکہ کی رقم سے نقد فصل خریف وربیع سے کمیں کو نقد جنس دی جاتی ہے ۔ حجام لوہار وغیرہ مذکور فصل کی کاشت نہری پانی سے کی جاتی ہے ، معاملہ سرکاری فصل سے ادا کیا جاتا ہے جو رقم نقد ٹھیکہ کی وصول ہوتی ہے اور جو جنس گندم کپاس وغیرہ نقد رقوم میں فروخت کی جاتی ہے اس میں سے ۱/۴۰ کے حساب سے زکوٰۃ نکال دی جاتی ہے ، زیورات سے بھی بروئے شریعت زکوٰۃ نکالی جاتی ہے البتہ اجناس خوردنی وغیرہ جو برائے خوراک رکھی جاتی ہے اس کو زکوٰۃ کا علم نہ ہونے کے باعث زکوٰۃ نہیں نکالی جاتی چونکہ تجارتی رو سے تو ٹھیک زکوٰۃ چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالی جاتی ہے لیکن زمینداری کے سلسلہ کے متعلق تذبذب میں ہوں کہ اس کی زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جاتی ہے تاکہ اسلامی دستور کے مطابق زکوٰۃ ادا کر کے سرخروئی حاصل کی جا سکے ۔ مقامی چند مولویوں سے دریافت کیا تو انہوں نے زبانی جواب دیا جو مختلف تھا اس لئے تسلی نہ ہو سکی تو آنجناب بزرگوار کی طرف رجوع کیا ۔ امید واثق ہے کہ آنجناب مفصل تسلی بخش جواب سے مشکور فرمائیں گے ، مجلس حاضرین کو السلام مسنون قبول ہو بچوں کو پیار ، فقط والسلام ۔

السائل حکیم عبدالستار معرفت حکیم اللہ صاحبان جنرل اسٹور گگو منڈی

۱۹۵ھ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : مزاجِ گرامی !

یہاں کی زمینیں حکماً عشری ہیں جن میں زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ جسے عشر کہا جاتا ہے، لازم ہے، اگر بارش یا دریائی پانی سے مفت فصل تیار ہو جائے تو اس میں پورا عشر لازم ہوتا ہے یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ اور اگر چاہی پانی سے کاشت کی جائے یا قیمۃً پانی لیا جائے تو نصف لازم ہوتا ہے یعنی بیسواں حصہ کما فی الھندیۃ و تنویر الابصار و درالمختار و رد المحتار۔ اور جو زمین نقد رقم وصول کرکے ٹھیکہ پر دی جاتی ہے تو وہ نقد رقم زمین کی پیداوار شمار ہوتی ہے لہذا اس سے بھی دوسری پیداوار غلہ وغیرہ کی طرح عشر دینا لازم ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۹۶ میں ہے ولو اجر ارضا عشریۃ کان العشر علی الاجر عند ابی حنیفۃ اور جو اراضی خود کاشت مع حصہ دار ہے اس کی بھی تمام پیداوار میں عشر لازم ہے۔ آپ پر اور آپ کے حصہ دار پر اپنے اپنے حصہ کا۔ اسی صفحہ میں ہے وفی المزارعۃ علی قولھما العشر علیھما بالحصۃ اور اول میں کل پیداوار کا لفظ اس لئے لکھا ہے کہ حجام، لوہار وغیرہ کو جو دیا جاتا ہے یا بیج اور بیلوں پر خرچ کیا جاتا ہے اور دوسرے اخراجات سارے نکال کر عشر نہیں دیا جاتا بلکہ لازم یہ ہے کہ پوری پیداوار کا عشر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیدے اور جو باقی بچا یہ سارے اخراجات اسی میں سے کرے۔ فتاویٰ عالمگیر کے اسی صفحہ میں ہے ولا تحسب اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانھار واجرۃ الحافظ وغیر ذلک فیجب اخراج

الواجب من جمیع ما اخرجت الارض عشرا او نصفا کذا فی البحر الرائق، باقی رہا نقد رقم سے زکوٰۃ نکالنا تو یہ الگ بات ہے۔ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ جس کا نام عشر ہے وہ پیداوار میں سے صرف ایک مرتبہ نکالی جاتی ہے دوبارہ اسی پیداوار میں لازم نہیں بلکہ نئی پیداوار میں لازم ہوتی ہے لہذا ٹھیکہ والی نقدی یا جنس کپاس، گندم وغیرہ کی فروخت سے جو نقدی آتی ہے تو اس کی نقدی والی زکوٰۃ الگ ہوگی کما فی عامۃ المعتبرات۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ $\frac{۵}{۶۳}$

الاستفتاء

قبلہ وکعبہ معلی القاب عالی جناب مکرمی ومعظمی دام ظلکم

السلام علیکم: بعد سلام عاجزانہ کے مستدعی ہوں کہ آپ حضور کا اطلاعنامہ دستار بندی آج موصول ہوا، انشاء اللہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کی فدوی پوری کوشش کرے گا۔ کمترین کو حسب ذیل مسئلہ دریافت طلب ہیں، امیدوار ہوں کہ آپ حضور خصوصی توجہ فرما کر لوالیسی مطلع فرما کر پرورش فرماویں گے۔ کاروبار مارکیٹ (دوکانداری) یکم جنوری سے شروع کرکے ۳۱ر دسمبر کو ختم کرتے ہیں اور اسی طرح کل سرمایہ ہر سال ختم ہونے پر ۳۱ر دسمبر کو شمار کر لیا جاتا ہے یعنی ۳۱ر دسمبر کو ہر سال وہ راس المال ہو گیا جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی۔ دوسرے نمبر پر زمین ہے، زمین کی کل پیداوار سالانہ

پر بھی، یکم جنوری سے ۳۱ر دسمبر تک جو بھی حاصل ہوا اس پر بیسواں حصہ زکوٰۃ واجب الادا رہو ئی، یہ دونوں مدّات ہی آمدنی کی ہیں ان پر ہر سال تمام کے بعد زکوٰۃ واجب الادا رہے، اب دورانِ سال میں جو بھی آمدن زمین سے ہوئی ہے، وہ تو مارکیٹ میں آتی رہتی ہے یعنی خرچ ہوتی رہتی ہے، اس کا مال خرید کر دوکان (مارکیٹ) میں لاتے رہتے ہیں اور فروخت کرتے رہتے ہیں اور اسی دورانِ سال میں جو رقم زمین پر خرچ ہوتی رہتی ہے مثلاً نوکروں کی تنخواہیں، انجنوں کی مرمت وغیرہ وغیرہ بیج وغیرہ وہ ہر قسم کا خرچ دکان (مارکیٹ) سے کرتے رہتے ہیں، حساب زمین کا آمد و خرچ کا بھی باقاعدہ رکھا جاتا ہے، اختتام سال یعنی ۳۱ر دسمبر کو باقاعدہ شمار کر لیا جاتا ہے کہ سال تمام میں کس قدر آمد وصول ہوئی اور کس قدر خرچ ہوا اور باقی خالص آمدنی کس قدر رہوئی، اب اصل سرمایہ قابل زکوٰۃ تو وہی ہوا جو کہ دکان (مارکیٹ) کا ۳۱ر دسمبر کو شمار ہوا کیونکہ زمین کی آمدنی علیحدہ تو رکھی نہیں جاتی وہ بھی دوکان (مارکیٹ) میں ہی آ کر شامل ہوتی رہتی ہے لیکن سرمایہ دوکان رأس المال پر شرح زکوٰۃ بحساب (چالیسواں حصہ ہے) جبکہ زمین کی آمدنی پر بیسواں حصہ واجب الادا رہے۔

خاکسار کے خیالِ ناقص میں اس کا حل اس طرح ہے کہ زمین کی کل آمدنی شمار کردہ میں سے خرچ جو کہ مارکیٹ (دوکان) سے زمین پر کیا جاتا ہے، وضع کر کے باقی خالص آمدنی سال تمام پر بیسواں حصہ زکوٰۃ کر دوں اور اسی طرح جس قدر رقم پر بیسواں حصہ زکوٰۃ ادا ہو وہ کل سرمایہ رأس المال ددکان (مارکیٹ) سے وضع کر لیا جاوے اور جو باقی بچے اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر دی جاوے، وضاحت کے لئے مثال عرضی ذیل ہے:۔

آمدن زمین سال تمام از یکم جنوری تا ۳۱ر دسمبر	خرچ زمین تمام سال	بقایا بچت	شرح زکوٰۃ
(فرضی رقم) ۱۰۰/-	۵۰/-	۵۰/-	بیسواں حصہ

دست بستہ ملتجی ہوں کہ رائے عالیہ سے مطابق شرح مبین لوالیسی سرفراز فرماکر پرورش فرمائیں، فقط زیادہ آداب و نیازنہ

خاک پا
یوسف عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی المحبوب الرحیم الکریم

وعلیکم السلام : مرسلہ ملا، ماشاء اللہ تعالیٰ سوال بڑی وضاحت سے کیا گیا ہے، پہلے چار چیزیں ذہن نشین کرلیں تو جواب خود بخود واضح ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ زکوٰۃ روزہ حج عدت وغیرہ احکام شرع سب میں اسلامی اور خدائی بارہ ماہ کا اعتبار ہے۔ قرآن کریم میں یسئلونک عن الاھلۃ ط قل ھی مواقیت للناس والحج (پارہ دوم رکوع ہشتم آیت ۱۸۹) اور فرمایا ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوات والارض (پارہ دہم رکوع یازدہم آیت ۳۶، سورہ التوبہ) تو یکم جنوری سے ۳۱ دسمبر تک سال شمار کرنا شریعت پاک کے خلاف ہوا اور اس میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے کیونکہ اسلامی ۳۳ سال کے انگریزی سال صرف ۳۲ بنتے ہیں دیکھیے اس سال یکم شوال المکرم ۸۸ھ، ۲۲ دسمبر ۶۸ء کو آرہی ہے حالانکہ ۱۳۵۰ھ میں یکم شوال المکرم ۱۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کو تھی تو ان اسلامی تینتیس ۳۳ سالوں کے انگریزی حساب سے سات دن کم بتیس سال بنتے ہیں، دوسرے لفظوں میں تینتیس سال گزرنے

پر ایک سال سات دن کا حساب زکوٰۃ واجب الادا ہر مالک نصاب کے ذمہ بطور بقایا رہ جاتا ہے لہذا آپ پر لازم ہے کہ اسلامی سال کا حساب شروع کر دیں اور گزشتہ انگریزی سالوں کے شرعی سال بنا کر کمی جو آپ کے ذمہ بقایا ہے پوری پوری ادا کر دیں۔

۲۔ زمین کی پیداوار میں سال کا اعتبار نہیں بلکہ پیدا ہونے پر عشر لازم ہو جاتا ہے ہر جنس کا عشر آمد کے ساتھ ہی ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض (پارہ سوم رکوع پنجم سورہ البقرہ آیت ۲۶۷) نیز ارشاد ہوا واٰتوا حقہ یوم حصادہ (پارہ ہشتم رکوع چہارم، سورہ الانعام آیت ۱۴۱)

۳۔ خرید و مرمت انجن، تیل، بیج، نوکر وغیرہ کسی قسم کا کوئی خرچ پیداوار سے ہرگز شمار نہ کیا جائے، نصف عشر یعنی بیسواں حصہ اسی خرچ کے لحاظ سے ہے ورنہ عشر یعنی دسواں حصہ ہوتا، انہی آیتوں سے خرچ کا لحاظ نہ کرنا ثابت ہے اور مذہبِ مہذب کی مستند کتابوں میں مصرح ہے۔ فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۹۶ میں ہے ولا تحسب اجرۃ العمال و نفقۃ البقر و کری الانہار و اجرۃ الحافظ و غیر ذلک فیجب اخراج الواجب من جمیع ما اخرجتہ الارض عشرا او نصفا لہذا آئندہ کوئی خرچ وضع نہ کریں اور گذشتہ سالوں کی پیداوار سے وضع کردہ اخراجات کا حساب کر کے ان کا بیسواں حصہ عشر ضرور ادا کریں کہ بری الذمہ ہو جائیں۔

۴۔ پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنے کے بعد اگر جنس کو محفوظ رکھا جائے کہ مہنگائی کے وقت فروخت سے فائدہ حاصل کیا جائے تو سال گزرنے پر اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی ہاں اگر فروخت کر دے تو اس کی رقم مالِ تجارت کے ساتھ

شامل ہو جاتی ہے اور جب مال تجارت کا سال پورا ہو جائے تو اس مال کی زکوٰۃ کے ساتھ اس رقم پر (جو پیداوار کی فروخت سے حاصل ہوئی) بھی زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے اگرچہ اس رقم کا سال پورا نہ ہوا ہو مثلاً دوکان کا سال رجب المرجب سے آئندہ رجب المرجب تک ہے اور فروخت جنس کی رقم ربیع الاول میں شامل ہوئی تو یوں نہیں کہ آئندہ رجب میں اس رقم کے علاوہ باقی مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس کی زکوٰۃ دوسرے ربیع الاول میں فرض ہو اس سے معلوم ہوا کہ جو مال فروخت جنس سے حاصل ہو کر مارکیٹ میں شامل ہو گیا تو مارکیٹ کے طور پر ہی اس کا حساب ہوگا یعنی اس کا بھی چالیسواں حصہ ہی زکوٰۃ ہو گی نہ کہ بیسواں، بیسواں تو پیداوار پر ہے جو پیداوار ہی سے نکالا جائے اور فروخت کر دیا تو قیمت سے نکالا جائے اور پھر وہی قیمت جو بیسویں حصہ نکالنے کے بعد بچی جب مارکیٹ میں مل گئی تو مارکیٹ کے مال کی طرح اس پر بھی چالیسواں حصہ لازم آئے گا لہٰذا آئندہ یوں حساب رکھیں اور گزشتہ سالوں کا حساب بھی صاف کریں یعنی ہر سال کی پیداوار کی آمدنی کا بیسواں حصہ تو آپ ادا کرتے رہے ہیں مگر بقایا انیس حصے جو مالِ تجارت کے ساتھ مارکیٹ میں رہے ان کا چالیسواں حصہ بھی آپ پر بطورِ زکوٰۃ واجب الاداء بقایا ہے اس کو ادا کریں کہ برارتِ ذمہ ہو مثلاً گزشتہ دس سالوں کی مجموعی آمدنی اراضی بیس ۲۰۰۰۰ ہزار روپیہ ہے جس میں سے بیسواں حصہ ایک ۱۰۰۰ ہزار روپیہ آپ نے ادا کر دیا تھا تو اب انیس ۱۹۰۰۰ ہزار روپے کی زکوٰۃ چالیسویں حصہ کے حساب سے ہر سال کی ادا کریں یعنی پہلے سال کی زکوٰۃ چار صد ۴۷۵ پچھتر روپے ادا کریں اور دوسرے سال کے لئے اٹھارہ ہزار پانچ صد پچیس روپے کی زکوٰۃ اس کا چالیسواں حصہ پھر تیسرے سال کے لئے باقیماندہ روپوں کا چالیسواں حصہ ادا کریں اور یونہی باقی سات سالوں کا حساب بھی بطور زکوٰۃ ادا کریں۔

امید غالب ہے کہ بار بار پڑھنے سے بآسانی سمجھ سکیں گے ورنہ آکر سمجھ لیں کہ اب وقت ہے، قیامت میں حساب پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ / رجب المرجب ۱۳۸۸ھ

۱۲ $\frac{۱۰}{۶۸}$

الاستفتاء

نمبر۱ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنس سے جو عشر ادا کیا جاتا ہے وہ کل آمد کے اعتبار سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے یا کہ خرچہ زمین مثلاً کھاد، بیانہ، ٹیوب ویل کے پانی کا خرچ اور فصل کا ٹھیکہ وغیرہ ادا کرنے کے بعد جو اصل آمد باقی رہے اس پر واجب ہوتا ہے تفصیل سے بیان فرمائیں۔

نمبر۲ :۔ ایک چوہدری صاحب کہتے ہیں کہ مقروض آدمی پر واجب نہیں ہوتا لہٰذا جو زمیندار بینک سے سود پر ٹیوب ویل وصول کرتے ہیں یا ٹریکٹر خریدتے ہیں ان پر واجب نہیں، کیا چوہدری صاحب کا یہ قول از روئے شریعت مسلم ہے یا نہیں؟ بصورتِ اول بڑے سے بڑا تاجر بھی بینک کا مقروض ہوتا ہے پھر اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہیئے۔

نمبر۳ : جو گائے بھینس ٹیکے سے نئے دودھ کرواتے ہیں، کیا یہ از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

السائل: محمد امین الدین، چک ۱۴۱/ای بی (ضلع ساہیوال)

(۱) کل پیداوار کے لحاظ سے عشر واجب ہوتا ہے، ہدایہ، فتح القدیر، ج ۲ ص ۸، تنویر الابصار، در المختار شامی ج ۲ ص ۶۹ اور طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۱۴، کتاب الفقہ ج ۱ ص ۴۹۴، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۶ میں ہے جس سب کا حاصل بہارِ شریعت ج ۵ ص ۵۲ میں یہ ہے: مسئلہ جس زمین میں عشر واجب ہوا اس میں کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر لیا جائے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ مصارفِ زراعت ہل، بیل، حفاظت کرنے والے اور کام کرنے والوں کی اجرت یا بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر دیا جائے۔

(۲) چوہدری صاحب کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں جبکہ فقہ کی مستند کتابوں میں صاف صاف تحریر ہے کہ دَین (قرض) کا اثر عشر پر نہیں پڑتا، قرض ہو یا نہ ہو، عشر، نصف عشر جو بھی واجب ہو، پورا ادا کرنا ضروری ہے، در المختار شامی ج ۲ ص ۷، طحطاوی ج ۱ ص ۳۹۱، کتاب الفقہ ج ۱ ص ۵۷۴ وغیرہا میں اس کی تصریح ہے، جس کا حاصل بہارِ شریعت کی اردو عبارت ج ۵ ص ۴۱ میں یہ ہے: "عشر و خراج واجب ہونے کے لئے دَین مانع نہیں یعنی اگرچہ مدیون ہو یہ چیزیں اس پر واجب ہو جائیں گی۔"

(۳) ہاں جائز ہے لعموم نصوص القرآن الکریم والحدیث العظیم وذا ظاھر لا یخفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ
۲۴/۶/۷۶

روزه

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرۃ: ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تاکہ تم متقی بن جاؤ"

اَلصِّيَامُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ

(صحیح بخاری، باب فضل الصوم)

"روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا"

تعارف کتاب الصیام

اسلام کے ارکان خمسہ میں سے تیسرا اور اہم رکن (صوم) روزہ ہے۔ یہ ایک جامع عبادت ہے۔ دیگر عبادات میں ریا کا شائبہ ہے، مگر روزہ مخلوق کی طرف سے اپنے خالق کی بارگاہ میں ایک خاموش نذرانہ ہے کہ انسان چاہے تو کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہونے دے، روزہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین اور توحید کامل کا آئینہ دار ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت کے باوجود انسان تنہائی میں بھی مرغوبات نفس کے قریب نہیں پھٹکتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میرا خالق ومالک اور علیم و خبیر رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ روزہ چونکہ خاص عبادت ہے، اس لئے اس پر اجر بھی خصوصی ملتا ہے۔ رب کریم فرماتا ہے:

الصوم لی و انا اجزی به-----(صحیح مسلم، جلد۱، صفحہ ۳۶۳)

روزہ کے اصل شرعی، طبی، دینی اور دنیاوی کیا کیا فوائد ہیں، ان تمام کے احاطہ سے صرف نظر کرتے ہوئے قرآن حکیم کی بیان کردہ حکمت اور مقصد کو مدنظر رکھیں تو روزہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، ارشاد فرمایا:

لعلکم تتقون-----(البقرہ،۲: ۱۸۳)

"تاکہ تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو"-----

تقویٰ' دل کی اس کیفیت کا نام ہے' جس کے حصول کے بعد انسان گناہ اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے اور خوف الٰہی کی بنا پر گناہوں سے جھجک محسوس کرتا ہے-----

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں ایک طرف وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے رکھ دیئے ہیں' جو دوسرے حیوانات میں پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ودیعت فرمادیا' جو ملأ اعلیٰ کی مقرب مخلوق فرشتوں کی صفت ہے۔ روزہ کی ریاضت و مشقت کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی بہیمی اور حیوانی قوت ماند پڑ جائے اور انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور روحانی اور ایمانی تقاضوں کی فرمانبرداری کا عادی ہو جائے-----

معلم انسانیت رسول اللہ ﷺ کو روزہ بہت مرغوب تھا' آپ ﷺ نے سال کے مختلف ایام میں روزہ رکھ کر امت کو تعلیم دی کہ وہ گاہے بگاہے یہ ریاضت بجالاتے رہیں تاکہ قرب خداوندی کی منزل آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس سنت مصطفوی پر عمل پیرا ہو کر حلاوت ایمانی اور لذت روحانی سے سرشار ہوتے رہتے ہیں۔ مگر امت مصطفوی کے لئے اجتماعی طور پر ایک مہینہ کے روزے فرض قرار پائے اور اس کے لئے مہینہ بھی وہ منتخب کیا گیا' جس میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کا نزول ہوا۔ رمضان المبارک میں دن کو روزے اور رات کو تراویح کی شکل میں اجتماعی طور پر عبادت کا ایک مربوط نظام وضع کیا گیا تاکہ روزے' نماز اور تلاوتِ قرآن کے برکات اور انوار و تجلیات سے کیف و سرور اور نورٌ علیٰ نور کی کیفیات سے بہرہ یاب ہوا جاسکے-----

رمضان المبارک' روزہ کی فضیلت

رمضان المبارک اور روزہ کی یہ فضیلت ہی کیا کم ہے کہ اس کے تفصیلی احکام قرآن کریم میں بیان ہوئے' مزید براں رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ اس کی فضیلت پر شاہد ہیں۔ حصول برکت کے لئے ہم یہاں آپ ﷺ کا وہ خطبہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے استقبال رمضان الکریم کی مناسبت سے شعبان المعظم کے آخری روز ارشاد فرمایا:

عن سلمان الفارسی رضی الله تعالیٰ عنه قال خطبنا

رسول اللهﷺفی آخر یوم من شعبان فقال: یا ایھا الناس قد اظلکم شهر عظیم' شهر مبارك' شهر فیه لیلة خیر من الف شهر' جعل الله صیامه فریضة و قیام لیلة تطوعا' من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادّی فریضة فیما سواه و من ادی فریضة فیه کان کمن ادی سبعین فریضة فیما سواه و هو شهر الصبر و الصبرُ ثوابه الجنة و شهر المواساة و شهرٌ یزاد فیه رزق المؤمن' من فطر فیه صائما کان له مغفرة لذنوبه و عتق رقبته من النار' و کان له مثل اجره من غیر ان ینتقص من اجره شیئ' قلنا یا رسول الله لیس کلُّنا نَجِدُ ما یفطر به الصائم فقال رسول اللهﷺ یعطی الله هذا الثواب من فطر صائما علی مذقة لبن او تمرة او شربة من ماء' و من اشبع صائما سقاه الله من حوضی شربة لا یظمأ حتی یدخل الجنة' و هو شهرٌ اوله رحمة و اوسطه مغفره و آخره عتق من النار و من خفف عن مملوکه فیه غفر الله له و اعتقه من النار----(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، حدیث: ۱۸۶۳)

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کے آخری دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے' اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (نماز تراویح) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے مہینہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے مہینہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم

خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) روزہ افطار کرایا تو یہ عمل اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہو گا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا' بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کمی کی جائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص افطار کرانے کی استطاعت نہیں رکھتا (تو غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا' جو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا ایک کھجور یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ سے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے اور جو کوئی کسی روزہ دار کو کھلا کر سیر کر دے' اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض (کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا' جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے' درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے۔ جو آدمی اس مہینے میں اپنے خادم سے کام لینے میں تخفیف اور کمی کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما کر اسے دوزخ سے رہائی اور آزادی عطا فرما دے گا" -----

صیام کا معنی

صیام کا مادہ صوم ہے' لغت میں صوم کا معنی ہے' رکنا اور باز رہنا۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الصوم فی الاصل الامساك عن الفعل مطعما کان او کلاما او مشیا -----(المفردات' جلد ۲' صفحہ ۲۹۹)

"روزہ دراصل نام ہے' رکنے اور باز رہنے کا' خواہ کھانے سے ہو' کلام کرنے سے یا چلنے سے" -----

یہی وجہ ہے کہ نصف النہار کو صامت الشمس کہتے ہیں کیوں کہ اس وقت سورج سر پر آکر گویا ٹھہر جاتا ہے۔خاموشی کو بھی صوم کہتے ہیں' قرآن کریم میں ہے :

انی نذرت للرحمن صوما----(مریم'۱۹ : ۲۶)

''میں نے رحمٰن کے لئے خاموشی کے روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے''----

اور آندھی رکنے کو کہا جاتا ہے----''صامت الریح''

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں :

''ازروئے لغت کسی چیز سے رکنے اور اسے چھوڑ دینے کو صوم کہتے ہیں اور روزہ دار کیوں کہ کھانے پینے اور عمل تزویج سے خود کو روک لیتا ہے' اس لئے اسے صائم کہا جاتا ہے''----(لسان العرب' جلد ۱۲' صفحہ ۳۵۱)

شرعی اصطلاح میں صائم یا روزہ دار اسے کہتے ہیں' جو بہ نیتِ عبادت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے آپ کو کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے باز رکھے' جیسا کہ علامہ نسفی لکھتے ہیں :

هو ترك الاكل و الشرب و الجماع من الصبح الى الغروب بنيته من اهله----(کنزالدقائق)

روزہ کی فرضیت

روزہ کا تصور کسی نہ کسی رنگ میں دنیا کی تقریباً ہر قوم اور مذہب میں پایا جاتا ہے۔روزے کا حکم شریعت مصطفوی سے خاص نہیں بلکہ یہ پہلی شریعتوں میں بھی شاملِ عبادت رہا ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم----(البقرہ'۲ : ۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا''----

ابتدائے اسلام میں صرف عاشورہ (دس محرم) کا روزہ فرض ہوا' پھر ایام بیض (جن دنوں کی راتیں چاند کی روشنی سے منور ہوتی ہیں' یعنی ہر ماہ کی ۱۳' ۱۴اور ۱۵ تاریخ) کے روزے مشروع ہوئے۔ پھر رمضان المبارک کے روزے مدینہ منورہ میں ہجرت سے ۱۸ ماہ اور تحویل قبلہ کے بعد دس شعبان المعظم ۲ھ میں فرض ہوئے -----(در المختار علی هامش رد المحتار' جلد ۲' صفحہ ۸۰)

شرائط

روزے کی صحت اور درستی کے لئے درج ذیل شرائط ہیں :

۱ مسلمان ہونا

۲ عاقل ہونا

۳ بالغ ہونا

۴ نیت کرنا

۵ عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا

البتہ مریض اور مسافر کو یہ رعایت دی گئی ہے کہ وہ بعد میں قضائی دے لے۔ ایسا دائمی مریض' جس کے بچنے کی امید نہ ہو یا بہت زیادہ بوڑھا ہو گیا ہو' ایسے مریض اور شیخ فانی کے لئے (ہر روزے کے عوض' صدقۂ فطر کی مقدار یعنی دو کلو گرام گندم یا اس کی قیمت) فدیہ دینے کی اجازت ہے-----

روزے کی اقسام

روزہ سات اقسام کا ہے :

۱ فرض

(i)......ماہ رمضان المبارک کے روزے

(ii)......رمضان کے قضا روزے

(iii)...... کفارۂ ظہار کے روزے

(iv)...... کفارۂ قتل کے روزے

(v)...... کفارۂ قسم کے روزے

(vi)......احرام کی حالت میں شکار کرے تو اس کی جزا کے روزے

(vii)...... بحالت احرام کوئی ایسا کام کرے جو احرام کے منافی ہو تو اس کے بدلے فدیے کے روزے

(viii)......حج کے موقع پر قربانی کی عدم استطاعت کی صورت میں دس روزے -----

(فتح القدیر' جلد ۲' صفحہ ۲۳۴)

۲ واجب

اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱)...... معین (۲)...... غیر معین

واجب معین

وقت معین کی قید سے منت مانے' جیسے کہے کہ شعبان یا محرم میں اتنے دن روزے رکھوں گا-----

واجب غیر معین

منت مطلق ہو یعنی صرف اتنا کہے کہ روزہ رکھوں گا اور یہ معین نہ کرے کہ کن ایام میں-----

۳ سنت

عاشورہ (دس محرم) اور نو محرم کے روزے -----

۴ مستحب

ایام بیض کے روزے' صوم داؤدی (یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار)' نیز ہر وہ روزہ جس

کا ثبوت سنت سے ہو مستحب ہے' جیسے عرفہ (۹ / ذوالحجہ) کا روزہ' پیر کا روزہ' جمعرات کا روزہ' یکم تا ۹ / ذوالحجہ کے روزے یا شوال کے چھ روزے -----

۵ نفل

جن ایام میں روزہ رکھنا مکروہ نہیں' ان میں روزے رکھنا افضل ہے -----

۶ مکروہ تنزیہی

صرف دس محرم کا روزہ رکھنا (۹ / محرم کا بھی ساتھ رکھے) یا ہفتہ' اتوار وغیرہ کوئی دن معین کرے' خاموشی کا روزہ' روزہ افطار کیے بغیر اگلا روزہ شروع کرے -----

۷ مکروہ تحریمی

عیدین اور ایام تشریق یعنی عید الفطر' عید الاضحیٰ اور گیارہ' بارہ' تیرہ ذی الحجہ' ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے -----

روزہ کے درجات

روزہ کے تین درجے ہیں :

(۱)...... عوام کا روزہ (۲)...... خواص کا روزہ (۳)...... اخص الخواص کا روزہ

۱ عوام کا روزہ

عوام کا روزہ تو صرف اتنا ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل تزویج سے باز رہے -----

۲ خواص کا روزہ

عوام کے روزے میں پائے جانے والے اوصاف کے ساتھ آنکھ' زبان' کان' ہاتھ' پاؤں اور باقی اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔ آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ اسے ہر اس چیز سے بچائے' جسے دیکھنا مذموم اور مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

النظرة سهم مسموم من سهام ابليس لعنه الله فمن ترکها خوفا من الله آتاه الله عز و جل ايمانا يجد حلاوته فی قلبه----(احیاء العلوم' جلد ا' صفحہ ۲۴۱)

"بری نظر' شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے' سو جو شخص خوف الٰہی سے اسے چھوڑے (نظر حرام سے بچے) گا' اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا فرمائے گا' جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا"-----

زبان کو جھوٹ' غیبت' گلہ' بکواس اور فحش گوئی سے محفوظ رکھے اور تلاوت قرآن' ذکر الٰہی' درود پاک اور دیگر اوراد و وظائف میں مشغول رہے۔ سرکار ابد قرار علیہ کا فرمان ہے :

فلا یرفث و لا یجهل فان امرؤ قاتله او شاتمه فليقل انی صائم انی صائم----(صحیح بخاری' جلد ا' صفحہ ۲۵۴)

"جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو' وہ جماع کی باتیں نہ کرے اور نہ شور و شغب کرے' اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے جھگڑے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں' میں روزے دار ہوں"-----

کان کو ہر ناجائز اور لغو کلام سننے سے بچائے' کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو وہاں سے اٹھ جائے۔ حدیث شریف میں ہے :

المغتاب و المستمع شريكان فی الاثم----

(احیاء العلوم' جلد ا' صفحہ ۲۴۲)

"غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں"-----

اسی طرح ہاتھ پاؤں اور جملہ اعضاء کو حرام کاری سے بچائے۔ حرام سے تو ویسے بھی بچنا ضروری ہے' روزہ رکھ کر حرام سے باز نہیں آئے گا تو ایسے روزے کا کیا فائدہ؟ حدیث پاک میں ہے :

کم من صائم لیس له من صومه الا الجوع و العطش----(احیاء العلوم' جلد ا' صفحہ ۲۴۲)

"کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں، جنہیں ان کے روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"-----

۳ اخص الخواص کا روزہ

درج بالا دونوں قسموں میں درج اوصاف کے علاوہ ان لوگوں کے روزے میں دل کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ دل کو دنیوی خیالات اور بری سوچوں سے پاک رکھے۔ ہر لمحہ یاد الہی میں مشغول رہے، ماسوی اللہ کا خیال نہ لائے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ اس خیال کو بھی روزے کے منافی سمجھتے ہیں کہ دن کو یہ سوچیں کہ روزہ کس چیز سے افطار کروں گا-----

کتاب الصوم

فتاویٰ نوریہ کی "کتاب الصوم" تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں گیارہ فتوے ہیں، جن میں سے ایک استفتاء ان علاقوں میں روزے کے اوقات سے متعلق ہے، جن میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، دو فتوے ان علاقوں کے بارے میں ہیں جن میں غروب اور طلوع آفتاب کا درمیانی وقفہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ تین فتوے روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے کے متعلق ہیں، جن میں ایک مفصل رسالہ ہے، جو "روزہ اور ٹیکہ" کے نام سے الگ شائع ہوا تھا۔ باقی فتوے سفر میں افطار، روزہ کی حالت میں قے اور روزہ کے کفارے سے متعلق ہیں-----

دوسرا باب رؤیۃ الہلال کے حوالے سے ہے، اس میں چھ فتوے ہیں، جن میں سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا ایک رسالہ "افادۃ النشر اوکد الامر" بھی شامل ہے۔ اس رسالہ کے تعارفی کلمات کے ضمن میں مسئلہ رؤیت ہلال کی تشریح کردی گئی ہے-----

تیسرا باب اعتکاف کے بارے میں ہے، جس میں صرف ایک فتویٰ ہے۔ مزید مسائل باب الاعتکاف کے تعارف میں پیش کئے جا رہے ہیں-----

چند ضروری مسائل

نماز کی طرح روزہ بھی ہر مسلمان امیر و غریب پر فرض ہے اور اس کے مسائل کی عام

ضرورت پیش آتی رہتی ہے' اس لئے کتب فقہ سے چند ضروری مسائل کا خلاصہ پیش خدمت ہے :

۱ رمضان المبارک کے روزے کے لئے مستقل نیت ضروری ہے۔ روزہ (اور یونہی نماز) کے لئے فقط دلی ارادہ کافی ہے' سحری کھانا بھی نیت کے قائم مقام ہے' البتہ مستحب ہے کہ زبان سے نیت کرے-----

۲ سحری کھائی اور یہ خیال کیا کہ ابھی رات ہے اور فی الواقع صبح صادق طلوع ہو چکی تھی تو روزہ کی قضا لازم ہے اور (احترام رمضان میں) تمام دن روزہ دار کی طرح اکل و شرب وغیرہ سے باز رہے-----

۳ غروب آفتاب سمجھ کر افطار کر لیا' بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا' ایسی صورت میں صرف قضا ہے' کفارہ نہیں ہے-----

۴ روزہ رکھ کر شرعی عذر (حیض و نفاس وغیرہ) کے بغیر توڑ دینا' سخت گناہ ہے' البتہ اس قدر شدید بیمار ہو جائے کہ روزہ نہ توڑنے سے جان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں افطار کر لے اور صحت یاب ہونے پر قضا لازم ہے-----

مفسدات صوم

کلی کرتے وقت پانی حلق میں اتر گیا' ناک میں پانی ڈالتے ہوئے دماغ کو چڑھ گیا' قصداً منہ بھر قے کی' منہ بھر قے آئی اور چنے کے برابر نگل لی' ناک یا کان میں دوا ڈالی' حقنہ کیا' دانتوں میں اٹکا ہوا کھانا نگل لیا' پان کھائے اگرچہ تھوک دے اور اس کا اثر حلق تک نہ جائے' حقہ یا سگریٹ پینا' ان تمام صورتوں میں اگر روزہ یاد ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہو گی-----

دانتوں سے خون نکل آیا اور اسے نگل لیا' اگر خون غالب تھا تو روزہ ٹوٹ گیا ورنہ نہیں-----

منہ میں کچے رنگ کا دھاگہ رکھا' جس سے تھوک رنگین ہو گیا اور اسے نگل لیا تو روزہ فاسد ہو گیا' قضا لازم ہے-----

کان میں تیل ڈالا' پیٹ یا دماغ کی جھلی تک زخم تھا' دوائی لگائی' جو دماغ یا معدہ تک پہنچ گئی یا پتھر' کنکر یا گھاس وغیرہ کھالی یا رمضان المبارک میں بلا نیت روزہ دار کی طرح رہا یا حلق میں بارش کی بوندیا اولہ چلا گیا' بہت سے آنسو یا پسینہ نگل گیا' ان تمام صورتوں میں روزہ کی قضا لازم ہے' کفارہ نہیں ہے-----

اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے روزہ میں عمداً دوا یا غذا استعمال کرے یا عمداً مجامعت کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا و کفارہ لازم ہو گا۔ اسی طرح حقہ یا سگریٹ کا عادی شخص تمباکو نوشی کرے تو قضا اور کفارہ لازم ہے-----

جن صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا

بھول کر کھانا پینا بشرطیکہ کھاتے ہوئے یاد آجائے تو فوراً منہ سے اگل دے اور کلی کر لے-----

بلا اختیار گرد و غبار' دھواں' مکھی' مچھر حلق میں چلا جائے' دوران غسل کان میں پانی داخل ہو جائے' خود بخود قے آجائے' اگرچہ منہ بھر کر ہو' آنکھ میں دوائی ڈالے' دانتوں میں چنے سے کم مقدار جو چیز رہ گئی' اسے نگل لیا' دن کو احتلام ہو جائے' بیوی کو بوسہ دے یا چھوئے مگر انزال نہ ہو' ان تمام صورتوں میں روزہ قائم رہتا ہے-----

شیشہ دیکھنے' سنگی لگوانے' تیل ملنے یا سرمہ لگانے سے' اگرچہ ان کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو' عطر یا پھول سونگھنے' اور مسواک کرنے سے تر ہو یا خشک اگلے پہر ہو یا پچھلے پہر' روزہ فاسد نہیں ہوتا-----

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا' اس مسئلہ پر اسی کتاب الصوم میں سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا تفصیلی رسالہ ''روزہ اور ٹیکہ'' شامل ہے-----

روزہ کا کفارہ

ایک روزہ بطور قضا رکھے اور پھر (دو ماہ) ساٹھ روزے لگاتار رکھے اگر ایک ناغہ بھی ہو گیا تو از

سر نو دوبارہ پے در پے روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے-----

متفرقات

مسافر یا مریض کو افطار کی اجازت ہے' لیکن حتی الامکان روزہ رکھنا بہتر ہے-----

سفر سے مراد شرعی سفر ہے' یعنی اوسط رفتار سے تین دن سے کم مسافت نہ ہو۔ اس کا اندازہ ساڑھے ستاون (57.50) میل (92 کلومیٹر) ہے-----

جس مسافر نے طلوع فجر سے پہلے سفر شروع کیا' اس کے لئے روزہ ترک کرنا جائز ہے' لیکن جس نے بعد طلوع سفر شروع کیا' اسے اس دن کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں-----

عورت کے لئے حیض و نفاس کے ایام میں روزہ منع ہے' جتنے روزے رہ گئے ہوں' رمضان المبارک کے بعد پاکیزگی کی حالت میں ان کی قضائی دے' ہاں ان ایام میں نمازیں معاف ہیں-----

حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنے سے اگر اپنی یا بچے کی جان کے ضرر کا اندیشہ ہو تو افطار جائز ہے-----

مجموعی طور پر کتاب الصوم میں اٹھارہ استفتاءات کے جوابات ہیں-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

کتاب الصیام

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ دنیا میں بعض ایسے علاقے بھی پائے گئے ہیں جہاں نظامِ شمسی کے تحت سال بھر میں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات رہتی ہے، احادیثِ کریمہ بلکہ نصِ قطعی سے یہ ثابت ہے کہ روزہ کا وقت صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ چھ ماہ کا روزہ نہیں رکھا جا سکتا ہے تو کیا وہاں کے باشندوں پر رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں یا کہ نہیں، اگر فرض ہیں تو دنیا کا کونسا علاقہ ہے کہ جس کے دن کی مقدار مدِنظر رکھی جائے گی؟

السائل: ڈاکٹر اظہر ملک میونسپل کمیٹی نمبر ۲ ڈسپنسری ملتان شہر

۲۱-۱۱-۶۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب الکریم مع التسلیم

ہاں روزے وہاں کے عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں لقولہ تعالیٰ من شھد منکم الشھر (پ۲ ع۷) کیونکہ شہود الشہر سے مراد انسان کا اس ماہ میں مکلف ہونا ہے۔ احکام القرآن للامام ابی بکر الجصاص الحنفی علیہ الرحمہ ج ۱ ص ۲۱۶ میں ہے ان المراد من الشھود کونہ فیہ من اھل التکلیف اور یونہی ۲۱۷ میں بھی ہے جیسے کہ وہ مرد و عورت جو نہایت پیرانہ سالی کے سبب ایسے کمزور ہو جائیں جو کسی موسم میں بھی کبھی روزہ نہ رکھ سکیں یا ایسا مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید ٹوٹ چکی ہو اور رہا اتنا کمزور کہ کسی موسم میں بھی روزہ ادا نہیں کر سکتا تو ان پر روزہ

فرض ہو جاتا ہے کیونکہ روزے کے عوض اور بدل پر وہ قادر ہیں جس کا نام فدیہ ہے جیسے وہ بے وضو جسے پانی نہ ملے تو اس پر بھی وضو فرض ہے کیونکہ وہ وضو کے بدل پر قادر ہے جس کا نام تیمم ہے، قرآن کریم میں ہے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین (پ۲ ع۷) مبسوط امام سرخسی ج ۳ ص ۱۰۰ میں ہے ان الصوم قد لزمہ لشھود الشھر۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۸ میں ہے لا شک ان من بسمع ان الشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصوم یجزئ عنہ الاطعام علم ان سبب ذلک عجزہ عجزا مستمرا الی الموت الخ شامی ج ۲ ص ۱۲۳، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۶۵ وغیرہ میں ہے المریض اذا تحقق الیأس من الصحۃ

فعليه الفدية لكل يوم من المرض - ميزان شعرانی ج ۲ ص ۲۰، رحمۃ الامہ ج ا ص ۱۳۱ میں ہے و اللفظ منہا و اما المریض الذی لا یرجی برؤہ والشیخ الکبیر فانہ لاصوم علیہما بل تجب الفدیۃ عند ابی حنیفۃ وھو الاصح من مذھب الشافعی۔ البتہ کتبِ شافعیہ میں ایسے علاقوں کے متعلق ہے کہ وہ لوگ ایسے نزدیک ترین علاقہ کے لحاظ سے اوقاتِ سحری وافطاری مقرر کرلیں جہاں روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ شامی ج ا ص ۳۳۸، طحطاوی علی الدر ج ا ص ۱۷۵ میں ہے و النظم لہ وکذا یقدرون فی الصوم لیلھم باقرب بلد یلیھم ثم یمسکون الی الغروب باقرب بلد الیھم علی ما قالہ الزرکشی و ابن العماد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ ۱۳ / ۱۲ / ۶۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین درج ذیل مسائل پیش آمدہ کے بارہ میں :-

۱- بلغاریہ، ڈنمارک وغیرہ علاقوں میں سال کے اندر چند راتیں دو گھنٹے کی ہوتی ہیں بلکہ بعض دنوں میں تو سورج کا طلوع شفق کے غروب سے قبل ہوجاتا ہے، ان جگہوں میں نمازِ پنجگانہ کن کن اوقات میں قضاءً یا اداءً پڑھنی ہوں گی خصوصاً عشاء، وتر اور فجر کی نمازوں کے اوقات کیسے متعین کیے جائیں گے ؟

۲۔ ان علاقوں میں رمضان کے روزوں کے لئے وقت کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

۳۔ ان علاقوں میں ایامِ تشریق وقربانی کا تقرر کیسے ہو؟

۴۔ ان علاقوں میں عشرہ اخیرہ رمضان برائے اعتکاف کا تعین کیسے ہو؟

بینوا بالسبط والتفصیل توجروا عند اللہ الکریم الجلیل۔

العارض: جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سبزمنڈی راولپنڈی شہر

ایسے بلاد کے ایسے ایام سال بھر میں تقریباً چالیس ہوتے ہیں، شامی ج۹ ص۲۳۵ میں ہے فی اربعینیۃ الصیف۔ ان میں عشاء کے علاوہ سب نمازوں کے اوقات حسبِ معمول پائے جاتے ہیں۔ ان کو ان کے اپنے مقررہ اوقات میں ہی ادا کرنا لازم ہے لنصوص الکتاب والسنۃ اور نمازِ عشاء کا وقت مفقود ہے، اس کے متعلق ہمارے امام الائمہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور آپ کے تلامیذ راشدہ سے کتبِ مذہب میں کچھ منقول نہیں بلکہ چوتھی صدی تک کے کسی عالم مشہور حنفی سے کوئی فتوےٰ نظر نہیں آیا لہٰذا پانچویں صدی کے ائمہ کے سامنے جب یہ مسئلہ آیا تو مختلف فتوے دیئے گئے چنانچہ حضرت شمس الائمہ عبدالعزیز احمد حلوانی یا حلوائی بخاری (جن کا

سه کتب السائل بالسبط بتقدیم السین علی الباء والظاھر تقدیم الباء علی السین ۱۲ منہ غفرلہ

وصال پانچویں صدی ہجری کے ۴۴۸ھ یا ۴۴۹ھ میں ہے کما فی الجواھر المضیئۃ ج۱ص ۳۱۸ والفوائد البھیۃ ص ۸۱، ۸۲ وایضاً فی الفوائد ذکر سنۃ اثنین وخمسین واربع مائۃ وعن الذھبی ست وخمسین واربع مائۃ) کی خدمت میں حسبِ نقولِ مذہبیہ سب سے اول یہ سوال پیش کیا گیا تو آپ نے وجوبِ عشاء و وتر کا فتویٰ دے دیا، لعدازاں یہ سوال شیخ کبیر سیف السنۃ سیف الدین بقالی کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے عدمِ وجوب کا فتویٰ دے دیا۔ جب یہ جواب حضرت شمس الائمہ کو پہنچا تو آپ نے ایک سائل کو حضرت سیف بقالی کی خدمت میں بھیجا کہ جامع مسجد خوارزم میں عوام کی موجودگی میں شیخ بقالی کی خدمت میں یہ سوال کرے کہ جو شخص پانچ نمازوں میں سے ایک نماز ساقط کر دے اس کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ کیا وہ کافر ہے؟ تو حضرت بقالی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سوال میرے ہی فتوے پر ہے، فوراً فرمایا جس شخص کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں اس کے وضو کے فرائض کتنے ہیں؟ تو سائل نے کہا تین ہیں کیونکہ چوتھے فرض کا محل نہیں رہا تو حضرت بقالی نے فرمایا کہ اسی طرح پانچویں نماز اس لئے ساقط ہے کہ اس کا وقت نہیں پایا گیا۔ جب یہ جواب حلوائی کو ملا تو آپ نے پسند فرمایا اور اپنے فتوے سے رجوع کرتے ہوئے حضرتِ بقالی کی موافقت فرمائی کہ ایسے شخص پر نمازِ عشا نہیں کما فی فتح القدیر ج۱ص ۱۹۷ والکبیری ص ۲۲۸ و ۲۲۹ والصغیری ص ۱۲۹ والشامیۃ ج۱ص ۳۳۶ وشرح الملا مسکین علی الکنز ص ۳۸۔

لعدازاں برہان کبیر جن کو برہان الدین الکبیر والصدر الکبیر و برہان الائمہ بھی کہا جاتا

ھ ان کا سنِ وفات نہیں ملا مگر چونکہ سوال لعدازاں پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی پانچویں صدی کے عالم ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

سہ کما فی فوائد البھیۃ (طبع کوہ نور دہلی) وغیرھا ۱۲ منہ غفرلہ

ہے جو حضرت شمس الائمہ حلوائی کے تلمیذ رشید شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی کے تلمیذ رشید ہیں جن کا نام نامی عبد العزیز بن عمر ہے، سے یہ سوال کیا گیا تو آپ نے وجوب کا فتوےٰ دیا کما فی التبیین ج اص ۸۱ والشامیۃ ج اص ۳۳۶ والفتح ص ۱۹۷ و لکن فیہ بدل البرھان البرھانی بیاء النسبۃ ولعل الکاتب غلط والصحیح البرھان کما فی التبیین وغیرہ مگر غنیۃ المستملی کبیری ص ۲۲۸ اور صغیری ص ۱۲۹ میں ہے کہ حضرت برہان الائمہ اور ان کے تلمیذ رشید ظہیر الدین مرغینانی نے عدمِ وجوب کا فتوےٰ دیا و نصہ ورد فتویٰ فی زمن الصدر برھان الائمۃ انا لانجد وقت العشاء فی بلد تناھل علینا صلٰوتہ فکتب لیس علیکم صلٰوۃ العشاء وبہ افتی ظہیر الدین المرغینانی[عــــہ]۔

تو معلوم ہوا کہ برہان الائمہ سے نقل میں اختلاف ہے، تبیین وغیرہ میں وجوب کا قول نقل کیا اور کبیری و صغیری میں عدمِ وجوب منقول ہوا مگر قرینِ قیاس یہ ہے کہ صحیح یہی ہے کیونکہ حضرت حلبی کی نقل برہان کبیر کے استاذ شمس الائمہ حلوائی کے فتویٰ کے مطابق ہے اور یونہی برہان کبیر کے شاگرد ظہیر الدین مرغینانی کے فتوے کے مطابق ہے اور کبیری و صغیری کے مطابق مولانا عبد الحی صاحب نے الفوائد البہیہ ص ۱۳۲ کے حاشیہ میں زاہدی کی شرح قدوری سے بھی نقل فرمایا ہے تو جب برہان کبیر کے استاذ اور شاگرد دونوں عدمِ وجوب کے قائل ہیں اور برہان کبیر سے نقل مختلف ہے تو ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی عدمِ وجوب کے قائل ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بہر حال فتح القدیر میں حضرت سیف الدین بقالی کے استدلال علیٰ عدم الوجوب کا جواب دیتے ہوئے قولِ وجوب کو اختیار فرمایا حیث قال ولا یرتاب متأمل

عــــہ در المختار میں ہے وبہ افتی البقالی ووافقہ الحلوانی والمرغینانی ۱۲ منہ غفرلہ

فی ثبوت الفرق بین عدم محل الفرض وبین سبب الجعلی الذی جعل علامة علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الامر وجواز تعدد المعرفات للشیئ فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدلیل علی شیئ لا یستلزم انتفاءہ لجواز دلیل آخر وقد وجد وھو ما تواطئت اخبار الاسراء من فرض اللہ تعالی الصلاۃ خمسا الخ

اس کا حاصل یہ کہ مقطوع الیدین والرجلین پر فاقد الوقت کا قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ مقطوع الیدین کا محل فرض جو معدوم ہے وہ خلقی ہے اور فاقد الوقت کا سبب جو معدوم ہے وہ جعلی ہے اور یہ کہ شے کے معرفات یعنی علامات و دلائل متعدد ہو سکتے ہیں تو وقت کا انتفاء دلیل کا انتفاء ہے اور کسی شے کی دلیل کا منتفی ہونا اس شے کا انتفاء نہیں کیونکہ کوئی اور دلیل بھی ہو سکتی ہے جو مسئلہ ہذا میں موجود ہے کہ احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ ہر ایک شخص پر پانچ نمازیں فرض ہیں اس میں کسی علاقے یا قطر کے رہنے والوں میں سے کسی کا استثناء نہیں اور حدیثِ دجّال سے بھی ثابت ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور ایک سالہ دن میں اندازے سے ہر ایک چوبیس گھنٹے میں پانچوں نمازیں واجب ہیں لہٰذا فاقدِ وقتِ عشاء پر نمازِ عشاء لازم ہے۔

دلیل نمبر ا کا جواب یہ ہے کہ یہ سبب جعلی کس کے جعل سے ہے وضو کے محل خلقی کا خالق و جاعل ہی اس سبب جعلی کا بھی جاعل ہے وہ وہی ہے جس نے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ ، اور یوں بھی کوئی فرق نہیں کہ محلِ غسل غسل کی ظرفِ مکان ہے اور وقتِ نماز نماز کی ظرفِ زمان ہے تو ظرف ظرف میں کیا فرق ؟ وقد صرح به الاصولیون بان الوقت ظرف للصلوٰۃ وذا مما لا یخفی فانتفی الفارق وصح الاستدلال۔

دلیل نمبر ۲ کا جواب یہ ہے کہ واقعی یقیناً احادیثِ کثیرہ سے پانچ نمازیں ثابت ہیں مگر یہ امر بھی یقینی ہے کہ ان کے پانچ وقت بھی آیات و احادیث سے متعین و متقرر ہیں قال

اللہ تعالیٰ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔ تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۹۳ میں ہے یعنی مکتوبۃ موقتۃ فی اوقات محدودۃ فلایجوز اخراجہا عن اوقاتہا علی ای حال۔ معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۹۳ میں ہے فرضنا موقتا وقتہ اللہ علیہم وقد جاء بیان اوقات الصلوٰۃ فی الحدیث الخ ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵۰ میں حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیان للصلوٰۃ وقتا کوقت الحج۔

قرآن کریم کی بکثرت آیات میں اقامت و محافظتِ صلوات کا حکم ہے اور اقامت و محافظت کا معنی مفسرین کرام نے پابندیٔ اوقات اور دیگر شرائط و ارکان سے ادا کرنا بیان فرمایا ہے۔ خازن اور معالم ج ۱ ص ۲۶ میں ہے و النظم من المعالم قولہ تعالیٰ ویقیمون الصلوٰۃ ای یدیمونہا ویحافظون علیہا فی مواقیتہا الخ، تفسیر ابن کثیر میں قتادہ سے ہے اقامۃ الصلوٰۃ المحافظۃ علی مواقیتہا الخ اور یونہی مقاتل بن حیان سے بھی نقل فرمایا۔ نیز در المنثور ج ۱ ص ۲۷ میں بھی حضرتِ قتادہ سے یہی منقول ہے۔ معالم اور خازن ج ۱ ص ۴۶ میں ہے واقیموا الصلوٰۃ یعنی الصلوات الخمس بمواقیتہا وحدودھا۔ نیز معالم و خازن ج ۱ ص ۲۰۶ میں بکلماتِ متقاربہ ہے قولہ تعالیٰ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ ای واظبوا وداوموا علی الصلوات المکتوبات بمواقیتہا الخ در المنثور ج ۱ ص ۲۹۳ میں ہے المحافظۃ علیہا المحافظۃ علیٰ وقتہا، نیز ج ۱ ص ۲۹۶ میں حدیث مرفوع عن ابی الدرداء میں ہے من حافظ علی الصلوات الخمس علیٰ وضوئہن ورکوعہن وسجودھن ومواقیتہن، نیز ج ۱ ص ۲۹۵ کی احادیثِ مرفوعہ سے حضرت حنظلہ کی حدیث میں بعینہ یہی کلمات ہیں اور حضرت ام المؤمنین سراپا صدق وصفا کی حدیثِ مرفوع میں ہے حافظ علیٰ وضوئہا ومواقیتہا۔ حضرتِ انس کی حدیث

مرفوع میں ہے من صلی الصلوات لوقتہا اور یونہی حضرت کعب بن عجرہ سے بھی یہی کلمات ہیں اور یہ حدیث ہے بھی قدسی نیز ج ۱ ص ۲۹۶ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث مرفوع قدسی میں ہے وعزتی وجلالی لا یصلیہا عبد لوقتہا الا ادخلتہ الجنۃ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۰ میں اسی آیت کے تحت ہے یأمر تعالٰی بالمحافظۃ علی الصلوات فی اوقاتہا وحفظ حدودھا واداءھا فی اوقاتہا کما ثبت فی الصحیحین عن ابن مسعود قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای العمل افضل قال الصلٰوۃ لوقتہا الحدیث تفسیر طبری ج ۲ ص ۳۴۲ میں ہے واظبوا علی الصلوات المکتوبات فی اوقاتہن الخ نیز حضرت مسروق تابعی سے بالاسنا دین ہے المحافظۃ علیہا المحافظۃ علی وقتہا اور فالحفاظ علیہا الصلٰوۃ لوقتہا۔ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۱۵ میں ہے بالاداء لوقتہا۔ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۴۳ میں ہے بالاداء لاوقاتہا والمداومۃ علیہا بلکہ خود فتح القدیر شرح الہدایہ میں بھی یہی معنی ہے، ج ۱ ص ۱۹۱ میں ہے ومحافظتہا اداؤھا فی اوقاتہا۔

ایسی آیات اور مفسرین کرام کے اقوال اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احصار اس مختصر فتوے میں مشکل ہے، لبطور نمونہ اسی پر اکتفا رہے اور یونہی احادیث کثیرہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ بھی متعذر، ان احادیث میں احادیث فعلیہ اور تقریریہ کی کثرت قولیہ سے نسبۃً بہت ہی زائد ہے والعاقل تکفیہ الاشارۃ، بلکہ پانچ نمازوں کے پانچ نام ہی بتا رہے ہیں کہ مخصوص باوقات ہیں اور نماز عشاء کا نام تو صراحۃً قرآن کریم میں بھی ہے سورۂ نور کا نورانی ارشاد ہے من بعد صلٰوۃ العشاء اور احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ وتابعین سے بھی اس نماز کا یہ نام روز روشن کی طرح ثابت ہے جو آج تک برابر استعمال ہو رہا ہے۔

بہرنہج احادیث سے پانچ نمازیں ضرور ثابت ہیں مگر وہ پانچ میں کونسی نمازیں؟ وہ یقینا یہی پانچ ہیں صلوٰۃ الفجر، صلوٰۃ الظہر، صلوٰۃ العصر، صلوٰۃ المغرب، صلوٰۃ العشاء، تو یہ کہنا (کہ وقت معرف ودلیل ہے، انتفاء دلیل سے انتفاء شئی لازم نہیں آتا، شے کے لئے اور دلیل کا ہونا بھی جائز ہے جو یہاں موجود ہے) محض تعجب خیز ہے، وہ دلیل یقیناً یہی پانچ نمازیں ثابت کرتی ہے جن کے لئے یہ پانچ اوقات ظروف ہیں جن کی معرفت خصوصیہ انہی اوقات سے ہوتی ہے کہ ان کے اسماء مضافہ الی الاوقات ہیں اور مضاف الی المعرفہ مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرتا ہے کما صرح بہ النحاۃ فی کتبہم اور یونہی لام تعریف بھی مفید تعریف ہے جو قرآن کریم میں ہماری نمازوں کی اقامت کے بیان میں اکیس آیات میں ہے مثلاً واقم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفا من اللیل اور والذین صبروا ابتغاء وجہ ربہم واقاموا الصلوٰۃ وغیرھا من الآیات اور یہ بھی فرمایا ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر اور اضافت معنویہ کے ساتھ مضاف الی ضمیر الخطاب ہے ولا تجہر بصلوٰتک اور مضاف الی ضمیر المؤمنین الغائبین جمعاً چار مرتبہ ہے مثلاً وھم علیٰ صلوٰتہم یحافظون وغیرھا من الآیات اور ایک بار مضاف الی یاء المتکلم ہے قل ان صلاتی ونسکی اور ایک مرتبہ الصلوات ہے حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی اور ایک مرتبہ صلواتہم ہے والذین ھم علیٰ صلاتہم یحافظون تو کیا لیلۃ الاسراء کی خمس صلوات ان آیاتِ کثیرہ اور خود اسماء الصلوات سے معین ومقرر نہیں ہوئیں کہ اب بھی اس نکارت کو دلیل بنایا جائے اور آیات کی طرح احادیثِ کثیرہ میں بھی الصلوٰۃ اور الصلوات معرفہ بلام العہد اور مضاف الی المعارف نہایت ہی کثرت سے کتبِ صحاح وغیرہ میں موجود ہیں بلکہ خود محقق علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے اسی استدلال میں الخمس معرف باللام ذکر فرمایا و نصہ وقد وجد و ھو ما تواطأت اخبار الاسراء من فرض اللہ تعالیٰ الصلوٰۃ خمسا

بعد ما امروا او لا بخمسین ثم استقر الامر علی الخمس[1] شرعا عاما فحصحص الحق وحصل المطلوب اور یونہی حضرت محقق علیہ الرحمۃ نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا جس میں خمس صلوات ہے وکذا قال صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات کتبھن اللہ علی العباد حالانکہ یہ استدلال بھی محض مسامحت پر مبنی ہے۔

یہ حدیث سنن نسائی ص ۸۰ اور موطا امام مالک ص ۴۳ پر حضرت عبادہ بن صامت سے ہے، اس میں 'علی العباد' سے آگے ہے من جاء بھن لم یضیع منھن شیئا جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ وقت میں ادا نہ کرنے کو بھی اضاعت شامل ہے بلکہ ابوداؤد ص ۶۷ میں یہی حدیث بایں کلمات مبارکہ ہے خمس صلوات افترضھن اللہ عزوجل من احسن وضوئھن وصلاھن لوقتھن اس میں وقت خاص کی قید منصوص ہے والاحادیث تفسر بعضھا بعضا، "قاعدۂ مسلمہ" ہے فاضمحل الاستدلال۔ پھر الصلوات الخمس معرف باللام بھی احادیث میں وارد ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متفق علیہ میں ہے فذلک مثل الصلوات الخمس یمحوا اللہ بھن الخطایا، اور انہی سے مسلم میں ہے الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ الحدیث۔ پھر حدیث حضرت امامہ میں صلوا خمسکم بھی ہے تو گویا ان احادیث سے خمس صلوات کی نکارت زائل نہیں ہوتی بلکہ تنکیر تعظیم کے لئے بھی ہوتی ہے کما بین فی محلہ۔ تو یہاں بھی ظاہر ہے کہ تعظیم کے لئے ہے، یہ سب بطریق ارخاء العنان ہے ورنہ شب اسراء میں خمس صلوات کی فرضیت ہے بھی بطریق

---

[1] ھذا ان کان المراد من الخمس الخمس المبین وان کان المراد خمس الذی مر فما استقر الامر الا علی الخمس المبین المعین ولا عمل الا بعد البیان ۱۲ منہ غفرلہ

اجمال ہی، اور اجمال کا حکم یہ ہے کہ بیانِ مجمل سے قبل اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ حسامی ص ۷ اور ۸ میں ہے وحکمہ التوقف فیہ علیٰ اعتقاد حقیۃ المراد بہ الی ان یاتیہ البیان۔ منار متن نور الانوار ص ۹۲ میں ہے وحکمہ اعتقاد الحقیۃ فیما ھو المراد والتوقف فیہ الیٰ ان تبین ببیان المجمل کالصلوٰۃ والزکوٰۃ در المختار میں ہے ولا یخفی توقف وجوب الاداء علی العلم بالکیفیۃ۔ شامی ج ۱ ص ۳۳۱ میں فرمایا وقولہ ولا یخفی الخ جواب سوال حاصلہ ان الصبح اذا کان اول الخمس وجوبا فکیف ترکہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صبیحۃ الاسراء مع وجوبہ علیہ لیلا و بیان الجواب انہ وان کان واجبا لا یجب الاداء قبل العلم بالکیفیۃ لان الخطاب بالمجمل قبل البیان یفید الابتلاء باعتقاد الحقیّۃ فی الحال وانما یجب العمل بعد البیان کما ذکرہ الاصولیون طحطاوی ج ۱ ص ۱۷۳ میں ہے قولہ فلذا ای لتوقف وجوب الاداء علی العلم۔ مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی ج ۷ ص ۲۸۶ میں ہے (فذکر الحدیث وفیہ) رد علیٰ من زعم ان بیان الاوقات انما وقع بعد الھجرۃ والحق ان ذلک وقع قبلھا ببیان جبریل (صبیحۃ المعراج) وبعدھا ببیان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کما دلت علیہ الاحادیث۔ اور جب فرضیتِ خمس کا بیان بقید الاوقات ہے تو وقت نہ پائے جانے کی صورت میں وجوب الاداء نہیں پایا جائے گا اور جب ادا نہ ہوئی تو قضا کیسی؟ رہی حدیثِ دجال تو وہ شرعِ جدید ہے اور خلافِ قیاس ہے تو اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۴۰۱ مرقاۃ علی المشکوٰۃ ج ۱۰ ص ۱۹۵ میں ہے قال القاضی وغیرہ ھٰذا حکم مخصوص بذلک الیوم شرعہ لنا صاحب الشرع قالوا لولا

هٰذا الحديث ووكلنا الى اجتهادنا لاقتصرنا فيه على الصلوات الخمس عند الاوقات المعروفة فی غيره من الايام۔ کبيری ص ۲۳۰ میں ہے والقياس على ما فی حديث الدجال غير صحيح لانہ لا مدخل للقياس فی وضع الاسباب ولئن سلم فانما هو فيما لا يكون على خلاف القياس والحديث ورد على خلاف القياس فقد نقل الاكمل فی شرح المشارق عن القاضی عياض انہ قال هٰذا حكم مخصوص الخ نیز اسی میں ہے ولئن سلم القياس فلا بد من المساواة فلا مساواة فان فيما نحن فيہ لم يوجد زمان يقدر للعشاء فيہ وقت خاص بها والمفاد من الحديث انہ يقدر لكل صلوٰة وقت خاص بها الخ وقد نقلہ الشامی مقررا بل مجيبا عما اورد عليہ بانہ ليس من باب الالحاق دلالة وبان قولہ ان ما نحن فيہ لم يوجد زمان يقدر للعشاء فيہ وقت خاص ممنوع فاجاب الشامی ج ۱، ص ۳۳۸ عن الاعتراضين وقال فی اٰخر الجواب فاين الالحاق دلالة مع عدم المساواة فلو كان بطريق الالحاق او القياس لجعلوا لها وقتا خاصا بها تكون فيہ اداء وانما قدروه موجودا لايجاب فعلها بعد الفجر۔ اور اس میں طحطاوی کے ادعائے الحاق دلالۃ کا بھی جواب آگیا، رہا شامی کا یہ کہنا والاحسن فی الجواب عن المحقق الكمال ابن الهمام انہ لم يذكر حديث الدجال ليقيس عليہ مسئلتنا او يلحقها بہ دلالة وانما ذكره دليلا على افتراض الصلوات الخمس وان لم يوجد السبب افتراضا عاما بالکل غیر مفید اور بے سود ہے لان الافتراض لا يثبت بخبر الواحد ولما مر من اثبات

الاوقات للصلوات ولان كون الوقت بعد الغروب الى انتهاء الشفق لصلوٰة المغرب وبعد طلوع الفجر الى طلوع قرن الشمس لصلوٰة الفجر قطعى لا يرتفع جزء منهما بخبر الواحد حتى يقدر للعشاء خصوصا اذا كان الخبر خاصا بالمورد خلاف القياس ولا يقاس عليه ولا يلحق به دلالة ايضا كما قاله بل اقربه الشامى نفسه فكيف يفيد ذكره فى مسئلتنا هذه وانظر الغنية تغنك و تجبك عن ما قال المحقق عليه الرحمة ۔

بہر حال یہ مسئلہ وجوب العشاء والوتر کا کتب متداولہ میں سے بالجزم فتح القدیر میں ہے وقال الشامى وقد اقر ما ذكره المحقق تلميذاه العلامتان المحققان ابن امیر حاج والشيخ قاسم اقول ولما حصل الجواب عما ذكره المحقق حصل عن اقرارهما ايضا اور یونہی محقق علیہ الرحمۃ کے اتباع میں ابن الشحنہ کی تصحیح کا جواب بھی ہوگیا، پھر اس تصحیح کی بنا پر صاحب تنویر کا متن میں ذکر بالجزم کرنا اور اس کی شرح منح الغفار میں یہ دعوئ کہ مذہب ہے، بالکل بے جا اور بے بنیاد ہوا ہے، جب مبنی و ماخذ کا جواب ہوگیا تو سب کا جواب ہوگیا اور جب ہمارے ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہی نہیں، نہ صراحۃً اور نہ کنایۃً اور نہ ہی ان کی کسی عبارت سے استنباطاً، تو مذہب کیسے بنا؟ لہذا در المختار میں اس کی تضعیف فرمائی حیث قال اختاره الكمال و تبعه ابن الشحنة فى الغازه فصححه فزعم المصنف انه[عہ] المذهب ۔ شامی ج۱ ص۳۳۶ میں ہے رقوله

عہ كما صرح به المصنف فى شرح منح الغفار كما نقله الطحطاوى فى حاشية المراقى ۱۲ منه غفرله

فزعم المصنف الخ) ای حیث جزم بہ وعبر عن مقابلہ بقیل ولذا نسبہ فی الامداد[۱] الی الوهم طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۷۶ میں ہے فیہ اشارة الی ضعفہ۔ نیز درالمختار میں فرمایا قلت ولا یساعده حدیث الدجال شامی ج ۱ ص ۳۴۸ میں ہے الضمیر (ای الغائب مفعول لا یساعده) راجع الی ما ذکره الکمال۔ نیز تنویر الابصار گو متن ہے مگر ان متونِ معتبرہ سے نہیں جو نقل مذہب کے لئے ہیں، فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۸۱۰ کے منہیہ میں ہے قد رأیت التنویر یدخل روایات عن القنیة مع مصادمتہا للمذھب المنصوص علیہ فی کتب محمد کما بینت بعضہ فی کتابی کفل الفقیہ الفاھم ھذا۔

اور متعدد متونِ معتبرہ اور شروحِ معتمدہ اور حواشی وفتاوے سے موثوق بہا میں عدمِ وجوبِ عشار وونذر پر جزم واعتماد ہے۔ حضرت امام حافظ الملة والدین ابو البرکات عبد اللہ بن محمود نسفی کنز الدقائق[۲] ص ۱۹، اور حضرت محقق ومدقق محمد بن فراموز ملا خسرو اپنے شهرۂ آفاق شاہکار غرر الاحکام[۳] متن اور اس کی شرح درر الحکام ص ۵۲ اور حضرت

[۱] شرح نور الایضاح للمصنف العلامة الشرنبلالی علیہ الرحمة ۱۲ منہ غفرلہ

[۲] فتاوے رضویہ ج ۱ ص ۸۱۰ کے منہیہ میں کنز الدقائق کا شمار متون موضوعہ لنقل المذہب میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

[۳] یہ متن اور شرح نہایت ہی بلند پایہ ہیں، صاحب درالمختار نے ان ہی سے اکثر مسائل اس اعتماد سے لئے ہیں کہ خطبہ میں فرمایا وما کان فی الدرر والغرر لم اعزه الیہما ۱۲ منہ غفرلہ

شیخ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی ملتقی الابحر[1] ص ۱۷، حضرت علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار وفائی شرنبلالی جو نہایت بلند پایہ محقق ہیں، اپنے مشہور متن نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح ص ۱۰۵ میں بکلماتِ متقاربہ فرماتے ہیں وَالنظم للامام النسفی من لم یجد وقتیھما لم یجبا۔ حضرت امام اجل فخر الدین عثمان بن علی زیلعی[2] کنز الدقائق کی معتمد شرح تبیین الحقائق ج ۱ ص ۸۱، حضرت علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی شرح کنز الدقائق رمز الحقائق ص ۱۹ اور علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی کبیری[3] ص ۲۲۸ اور صغیری[3] ص ۱۲۹، ملا مسکین علی الکنز ص ۳۸ اور محیط سے جامع الرموز کے ص ۵۲ میں ہے والنظم للامام الزیلعی من لم یجد وقت العشاء والوتر بان کان فی بلد یطلع الفجر فیہ کما تغرب الشمس او قبل ان یغیب الشفق لم یجبا علیہ لعدم السبب وھو الوقت۔ حضرت علامہ ابو الاخلاص شرنبلالی غنیہ[4] ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر ص ۵۲، منحۃ الخالق[4] علی البحر میں حضرت علامہ شامی ص ۲۴۷ میں فرماتے ہیں والنظم لھا

---

[1] یہ بھی نہایت عظیم الشان متن ہے، کشف الظنون ج ۲ ص ۱۸۱۴ میں ہے بلغ صیتہ فی الآفاق ووقع علی قبولہ بین الحنفیۃ الاتفاق، اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے منیہ مذکورہ میں اس کا شمار بھی متونِ موضوعہ لنقل المذہب میں فرمایا ہے نیز فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کے حصہ اول ص ۹ میں اس کو اعاظم متونِ معتبرۂ مذہب میں شمار فرمایا اور حصہ چہارم ص ۴ میں فرمایا کہ بہ تصریح فاضل شامی متون معتمدہ فی المذہب سے ہے ۱۲ منہ غفرلہ

[2] اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں "شارح کنز ہیں جن کی جلالتِ شان آفتابِ نیمروز سے روشن تر۔ یہ امام محقق علی الاطلاق سے مقدم اور ان کے مستند ہیں" نیز منیہ مذکورہ میں تبیین کا شمار شروح معتبرہ میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

[3] کشف الظنون ص ۱۸۸۶ میں فرماتے ہیں ان الشیخ ابراھیم بن محمد الحلبی الف شرحا جامعا کبیرا فی مجلد سماہ غنیۃ المستملی فاقبل علیہ الناس وتلقاہ الفضلاء بالقبول (الی ان قال) ثم اختصرہ تسہیلا للطالبین، اعلیٰحضرت نے بھی اسی منیہ میں شروحِ معتبرہ میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

[4] ان دو حواشی کا شمار اعلیٰحضرت نے اسی منیہ میں حواشی معتبرہ میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

اقول ردہ (ای اختیار وجوب العشاء والوتر) العلامۃ الحلبی شارح المنیۃ ووافقہ العلامۃ الباقانی فی شرحہ علی الملتقی والشرنبلالی فی امداد الفتاح وحواشیہ علی الدرر والعلامۃ نوح افندی فی حاشیۃ الدرر وکذا اخ المؤلف (ای صاحب البحر) فی نہرہ وتبعہم الشیخ علاؤ الدین الحصکفی فی شرحہ علی التنویر۔ الدرالمختار[1] ص ۵۴۔ الدر المنتقی شرح الملتقی ج ۱ ص ۱۷ میں حضرت علامہ شیخ علاؤ الدین حصکفی فرماتے ہیں والنظم من الدر وبہ جزم فی الکنز والدرر والملتقی وبہ افتی البقالی ووافقہ الحلوانی والمرغینانی ورجحہ الشرنبلالی والحلبی واوسعا المقال ومنعا ما ذکرہ الکمال قلت ولا یساعدہ حدیث الدجال (الی ان قال) لان المفقود فیہ العلامۃ لا الزمان واما فیہا (ای فی مسئلتنا) فقد فقد الامران۔ حضرت علامہ زین الدین ابن نجیم الاشباہ[2] والنظائر ص ۵۹۶، مشائخ وفضلائے دولتِ عالمگیریہ فتاویٰ[3] عالمگیریہ ج ۱ ص ۵۱، حضرت امام طاہر بن احمد بخاری خلاصۃ[3] الفتاوی ج ۱ ص ۶۷ میں فرماتے ہیں والنظم من الخلاصۃ فلو کانوا فی بلدۃ اذا غربت الشمس طلع الفجر لایجب علیہم صلوٰۃ العشاء۔ کنز الدقائق وغیرہ متون موضوعہ لنقل

---

[1] فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۲۸۲ میں فرمایا "درمختار کہ بحر علم کی وہ درِ مختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق و مغاربِ ارض میں فتاوائے مذہبِ حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقاتِ عالیہ و تدقیقاتِ غالیہ پر ہو گیا الخ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] یہ بظاہر متن ہے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا فما ہو متبتہ الا فی الفتاوی لہٰذا اس کا شمار فتاوے کے ساتھ ہوا ۱۲ منہ غفرلہ

[3] منیہ مذکورہ میں ان دونوں کا شمار فتاوے معتبرہ میں فرمایا ۱۲

منہ غفرلہ

المذہب میں عدم وجوب عشاء و وتر پر جزم بناتا ہے کہ مذہب یہی ہے کہ گو ائمۂ مذہب سے یہ مسئلہ صراحۃً منقول نہیں مگر اصولِ مذہبیہ میں وقت کا سبب اور شرط اور ظرف بیان کرنا بتاتا ہے کہ یہی مذہب ہے کیونکہ سبب کے سوا مسبب نہیں اور شرط نہ ہو تو مشروط نہیں اور ظرف کے بغیر مظروف نہیں، اور یونہی شروح و حواشیٔ معتبرہ میں اس کا ذکر و تعلیل بھی یہی پتہ دیتا ہے اور یونہی اشباہ میں بھی صرف اسی پر اقتصار اور فتاویٰ ہندیہ (جو جلیل القدر فضلاء العصر کے اتفاق و اطباق سے صحیح و معتمد مسائل پر بامر و انتظامِ خصوصی حضرت غازی ابو المظفر عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم لکھا گیا) کا صرف عدمِ وجوب بھی بالجزم ذکر کرنا اور حضرت امام طاہر بن احمد کا خلاصۃ الفتاویٰ[لعه] میں اپنی دو مطول[سه] کتابوں سے صرف عدمِ وجوب کی تلخیص و تخلیص بھی اس کے مذہب و معتمد ہونے کی بیّن دلیل ہیں خصوصًا امام طاہر کا وقت العشاء کے بیان پر فائے تفریعیہ سے متفرع بنانا اس کی اوضحیت کی دلیل ہے اور جن معتمدات میں فا نہیں، مقصد وہاں بھی یہی ہے کہ سب میں مسئلۂ عشاء کے ذیل میں ہی مذکور ہے تو واضح ہوا کہ جیسے حج کے شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو حج لازم نہیں اور زکوٰۃ کی کوئی شرط مفقود ہو تو زکوٰۃ لازم نہیں اور روزہ کا بھی یہی حکم ہے تو نماز بھی دوسرے ارکانِ اسلام کی طرح شرط نہ پائی جانے کی صورت میں واجب نہیں ہوگی اور یونہی وقت نماز کے لئے سبب اور ظرف بھی ہے کما مر، تو سبب کے سوا مسبب نہیں اور ظرف کے سوا مظروف نہیں اور ہمیں یہ طاقت نہیں کہ اپنے طور جعلی

سه کشف الظنون ج ۱ ص ۷۱۸ میں ہے وھو کتاب مشھور معتمد فی مجلد ذکر فی اولہ انہ کتب فی ھذا الفن خزانۃ الواقعات وکتاب النصاب الخ ۱۲

لعه قال المصنف فی خطبۃ الخلاصۃ لما تکتبت فی ھذا الفن نسختین اولٰھما تسمی خزانۃ الواقعات والثانیۃ کتاب النصاب فسألنی بعد ذلک بعض اخوانی ان اکتب نسخۃ قصیرۃ یمکن ضبطھا الخ منہ غفرلہ

شرط اور سبب وظرف بنالیں لہذا ہمیں ادا کی وسعت ہی نہیں وقد قال اللّٰہ تعالٰی
لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا وکذا ما فی معناہ من الاٰیات والاحادیث۔
توامس وشمس کی طرح واضح ہوا کہ ان علاقوں کے ایسے دنوں میں نمازِ عشاء و وتر کا ادا
فرض ولازم نہیں، اور جب ادا نہیں تو قضا بھی نہیں و ذا اظہر من ان یظہر
واقر من ان ینکر واما قول الشامی و یتأید القول بالوجوب بانہ
قال بہ امام مجتہد وھو الامام الشافعی فمما یتعجب منہ فان
ھذہ المسألۃ ظہرت فی المتأخرین من اصحابہم کما ظہر فی المتأخرین
منا فقد قال الامام السیوطی منہم فی الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۱
وقد سئل متأخروا اصحابنا عن بلاد یطلع فیہا الفجر عقب
ما تغرب الشمس ولوکان قول الامام لما قال ھذا ثم قال فاجاب
البرھان الفزاری بوجوب العشاء علیہم ویقضونہا وافتی معاصروہ
بانہا لاتجب علیہم لعدم سبب الوجوب فی حقہم وھو الوقت فلوکان
قول الامام لما افتی جمہور معاصریہ بعدم الوجوب وایضا لو
کان قول الامام لاشتہر فی متقدمی مشائخنا ایضا بل لوجد قول
الصاحبین من ائمتنا ایضا و ذا ظاہر من عاداتہم الکریمۃ
فنقل الحلیۃ عن المتولی عنہ ان صح لکان مبناہ علی ان
بعض القائلین بالوجوب قالوا ھذا نص فیقدم علی القیاس ای
القول بعدم الوجوب قیاس والقول بالوجوب منصوص والمنصوص
فی الحدیث مذہب الامام وان لم یقل بہ بل وان کان قال بالخلاف

سہ کما فی الحاوی ۱۲ منہ غفرلہٗ۔

وهٰذا كما قال الماوردی من الشافعية فی كون الصلوٰة الوسطٰی صلوٰة العصر هٰذا مذهب الشافعی رحمة الله تعالٰی لصحة الاحاديث فيه قال وانما نص علٰی انها الصبح لانه لم يبلغه الاحاديث الصحيحة فی العصر ومذهبه اتباع الحديث كما فی النووی علٰی مسلم ج۱ ص ۲۲۶ فكما جعل الماوردی العصر مذهب الامام وكان الشافعی قد نص علٰی انها الصبح لصحة الاحاديث فكذا جعل المتولی هٰذا قوله وان لم يكن قال به ولكن هٰذا غلط فان الحديث نص فی ايام الدجال لا فی هٰذا بل هٰذا ايضا قياس علٰی ايام الدجال فكيف يقال هٰذا نص يقدم علی القياس وكيف يقال بناء علٰی هٰذا ان هٰذا قول الامام فكيف يتأيد القول بالوجوب هٰذا وقد بقی الخبايا فی زوايا الكلام ولكن الاختصار اولٰی بالمرام۔

(۲) کا جواب یہ ہے کہ ان علاقوں میں دوسرے علاقوں کی طرح روزے کا وقت تبیینِ فجر سے مجئ لیل تک متعین ہے مگر جب کھانے پینے کا وقت ہی نہیں ملتا اور مسلسل اکل و شرب سے پرہیز سببِ ہلاک ہے وذا مما لا یشك فیہ۔ وقد قال الشامی فی ج۱ ص ۳۳۹ ولا یمکن ان یقال بوجوب موالاة الصوم علیهم لانہ یؤدی الی الهلاك تو شرعًا وہ لوگ مریض کے حکم میں ہیں کہ خوفِ ہلاک بھی مرض کی طرح مبیحِ افطار ہے۔ فتاوٰی عالمگیر ج۱ ص ۲۰۷ بیان اعذارِ مبیحہ میں ہے ومنها العطش والجوع كذلك اذا خيف منهما الهلاك۔ درالمختار تقریرات شامی تسلیمًا و تفصیلًا ج ۲ ص ۱۵۸ میں ہے والنظم من الدر وخوف هلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شديد۔ پھر اس کے بکثرت جزئیاتِ جلیلہ معتبراتِ مذہبیہ میں گونج رہے ہیں وقد قال الله تعالٰی ولا تلقوا بايديكم الی

التهلكة۔ اور تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۸۹ میں ہے فمن کان منکم مریضا و کذا
من کان فی معناہ تو ان لوگوں پر حسب دستور عدة من ایام اخر لازم ہے
یعنی اور دنوں میں گنتی کے مطابق قضائی دیں لہٰذا جن سالوں میں رمضان المبارک کلًا یا بعضًا
ایسے مواسم میں آئے کہ کھانے پینے کا وقت ہی نہ ملے تو اس حساب سے ان سالوں کے
باقی ان ایام میں قضائی دیں جن میں باقاعدہ کھا پی سکیں۔

(۳) کا جواب یہ ہے کہ ان علاقوں میں ایام تشریق و قربانی بھی دوسرے علاقوں کی طرح
متقرر ہیں وذا مما لا یخفی علی عاقل فضلا عن فاضل۔

(۴) کا جواب یہ ہے کہ ان علاقوں میں عشرۂ اخیرہ رمضان برائے اعتکاف بھی متعین ہے
اور ان مخصوص ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں اگر عشرۂ اخیرہ رمضان ہو تو مسئلہ
ظاہر ہے مگر جب ان ایام میں سارا رمضان پاک یا عشرۂ اخیرہ آئے تو پھر بھی کوئی
خفا نہیں کیونکہ اعتکاف مسنون کے لئے روزہ شرط نہیں بلکہ صرف اعتکاف
واجب کے لئے روزہ شرط ہے کما شرح فی کنز الدقائق وغیرھا تو اعتکاف
ہو سکتا ہے اور روزہ کی حسب دستور قضا بعد میں ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ
اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ
وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ ۸/۴/۲

؎ البتہ جن ایام میں نماز عشا کا وقت ہی نہیں ملتا تو ان میں تکبیر بعد العشا بھی ساقط ہو گی ۱۲ منہ غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں :۔

۱۔ جن ممالک میں بعض نمازوں کے اوقات سرے سے آتے ہی نہیں وہاں ان نمازوں کا کیا ہوگا ؟ اگر ادا کی جائیں گی تو بہ نیت ادا یا بہ نیتِ قضاء ۔

۲۔ جب انسان چاند پر پہنچنے لگیں گے تو نمازوں کا کیا ہوگا ؟

۳۔ ان صورتوں میں روزوں کا نظام کیا ہوگا ؟

۴۔ مدارس میں مدرسین اور طلبہ کو دارالعلوم کی لائبریری سے کتب پڑھنے کے لئے دی جاتی ہیں، اگر کوئی کتاب بلا تعدی گم ہوجائے تو اس سلسلہ میں شرعًا کیا حکم ہے ؟

امید ہے کہ فقہ حنفی کے حوالہ جات سے جواب عنایت کیا جلئے گا ۔

عبد المجید بمعرفت دارالعلوم نعیمیہ، شمس الرحمٰن کو ملے ۔ ۲۱/۴

لیاقت آباد ۲، کراچی

فون نمبر: ۴۱۲۳۰۰

(۱) ان ممالک میں جن بعض نمازوں کے اوقات بعض مواسم میں سرے سے آتے ہی نہیں وہ نمازیں فرض ہی نہیں کیونکہ اصولِ حنفیہ میں یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ نماز کے

لئے وقت ظرف اور شرط اور سبب ہے کما فی اصول السرخسی والمنار والحسامی وغیرھا من المعتبرات حالانکہ سبب کے بغیر مسبب نہیں اور شرط نہ ہو تو مشروط نہیں اور ظرف نہ ہو تو مظروف کہاں پایا جائے تو ایسی نماز ادا کرنے کی طاقت و وسعت ہی نہیں وقد قال اللہ تعالٰی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا و ما فی معناہ من الاٰیات المنیفۃ والاحادیث الشریفۃ جیسے جس شخص کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت یا دونوں پاؤں ٹخنوں تک کٹے ہوں تو اس پر ان کا غسل غُسل اور وضو میں فرض نہیں، کنز الدقائق، غرر الاحکام، ملتقی الابحر، نور الایضاح میں ہے حالانکہ یہ متون معتبرہ ناقلۃ المذہب ہیں والنظم من الکنز من لم یجد وقتیھما لم یجبا اور تبیین الحقائق اور رمز الحقائق من شروح الکنز، درر الحکام شرح غرر اور در المختار شرح تنویر الابصار اور در المنتقی شرح الملتقی اور مراقی الفلاح علی نور الایضاح غنیۃ المستملی، کبیری اور صغیری جو منیہ کی شروح معتبرہ سے ہیں، ان سب شروح میں بکلمات متقاربہ ہے والنظم للامام الزیلعی من لم یجد وقت العشاء و الوتر بان کان فی بلد یطلع الفجر فیہ کما تغرب الشمس او قبل ان یغیب الشفق لم یجبا علیہ لعدم السبب۔ نیز ملا مسکین علی الکنز اور محیط سے جامع الرموز میں بھی یوں ہی ہے اور غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں ہے (اور یہ دونوں حواشی معتمدہ سے ہیں) والنظم للعلامۃ الشامی اقول ردہ (ای وجوب العشاء والوتر) العلامۃ الحلبی شارح المنیۃ و وافقہ العلامۃ الباقانی فی شرحہ علی الملتقی و الشرنبلالی فی امداد الفتاح وحواشیہ علی الدرر والعلامۃ نوح آفندی فی حاشیۃ الدرر وکذا اخ المؤلف فی نھرہ وتبعہ الشیخ علاء الدین الحصکفی فی شرحیہ علی التنویر الخ

فتاویٰ عالمگیر اور خلاصۃ الفتاوے (جو نہایت ہی معتبر فتاویٰ ہیں) میں ہے
والنظم للعلامۃ الطاہر فلو کانوا فی بلدۃ اذا غربت الشمس
طلع الفجر لا یجب علیہم صلوٰۃ العشاء۔ اور الاشباہ والنظائر مقسم رابع
میں بھی اسی طرح ہے، اور جب اداء لازم نہیں تو قضاء بھی لازم نہیں، منار میں ہے
القضاء یجب بما یجب بہ الاداء۔ نور الایضاح میں ہے سبب
القضاء ہو سبب الاداء والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ، اور بعض
فقہاء جو وجوب کے قائل ہیں وہ نیتِ قضاء کے قائل ہیں اور بعض ان کے کہتے ہیں
لاینوی القضاء۔

(۲، ۳) کے جواب یہ ہیں کہ جب پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ مسائل ضرور حل ہو جائیں
گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یاایہا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللہ
یجعل لکم فرقانا، اور فرمایا ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا
اور سنن دارمی طبع المدینۃ المنورہ ج ۱ ص ۴۷ میں بالاسناد ہے ان النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم سئل عن الامر یحدث لیس فی کتاب ولا سنۃ
فقال ینظر فیہ العابدون من المؤمنین۔ بلکہ جو چیز واقع نہ ہو اس
سے سوال کی ممانعت آئی ہے، دارمی کے اسی صفحہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کا قول
ہے لا تسئل عما لم یکن فانی سمعت عمر بن الخطاب الخ بلکہ
صفحہ چھیالیس کی حدیثِ مرفوع مسند میں ہے لا تعجلوا بالبلیۃ قبل نزولہا
فانکم ان لا تعجلوھا قبل نزولہا لا ینفک المسلمون وفیہم
اذا ھی نزلت من اذا قال وفق وسدد وانکم ان تعجلوھا تختلف
بکم الاھواء فتأخذوا ھٰکذا وھٰکذا واشار بین یدیہ وعن
یمینہ وعن شمالہ۔ یعنی کسی حادثے کے اترنے سے پہلے جلدی نہ کرو کیونکہ

اگر اترنے سے پہلے جلدی نہ کروگے تو جب وہ حادثہ پیش آئے گا تو مسلمانوں میں کوئی ایسا مل جائے گا جسے حق بتانے کی توفیق دی جائے گی اور حق پر قائم کیا جائے گا اور اگر جلدی کروگے تو تم میں اختلاف بڑھ جائے گا لہذا جواب لکھنے کی گنجائش نہیں ورنہ بعض خادمانِ دین بفضلہ تعالیٰ جواب دے سکتے ہیں۔

۴۔ کا جواب یہ ہے کہ اگر بلا تعدی گم ہو جائے تو ضمانت نہیں پڑتی، فتاویٰ ہندیہ ج ۳ ص ۳۷۸ میں ہے والعاریۃ امانۃ ان ھلکت من غیر تعد لم یضمنھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ ۸/۴/۷۴

مسمی اللہ جوایا ولد جاگن حلفیہ بیان کرتا ہے کہ میرے لڑکے وریام نے رات کو نماز تراویح ادا کی مگر رات کے پچھلے حصہ اسے زور سے قے آنی شروع ہو گئی اور کثرت سے آئی تو لڑکا مذکور بہت کمزور ہو گیا اور کہنے لگا آج روزہ کی طاقت نہیں لہذا اس نے صبح صادق سے پہلے ہی روزہ نہ رکھنے کی نیت کر لی اور کہا کہ قضائی دے لوں گا، اس

کا شرعی حکم کیا ہے۔

سائل : اللہ جوایا از موضع با فر کے مہار

نشان انگوٹھا

اگر سوال واقعی صحیح اور درست ہے تو لڑکے مذکور نے کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ شرع شریف کی رخصت پر عمل کیا، قرآن کریم میں صاف طور پر بیمار کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت آگئی ہے جبکہ روزہ سے اسے ضرر ہوتا ہو کہ صحت ہونے پر قضائی دے لے، دوسرے پارہ رکوع ساتویں میں ہے فمن کان منکم مریضا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر (ترجمہ) پس جو شخص بیمار ہو یا سفر میں تو اتنے روزے ور دنوں میں رکھے؛ تو اس لڑکے کو کوئی تکلیف نہ دی جائے کہ اس کا گناہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ

الاستفتاء

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید بعمر نوجوان تندرست روزہ دار بوقت گیارہ بجے دن کے پانچ چار میل کے فاصلہ پر ضروری جانا چاہتا ہے تو اس کے بغیر پوچھے کے چند عرفی مولوی یعنی قاضی جو کہ علم فتویٰ سے واقف ہی نہ تھے بلکہ عربی اور فارسی کی زبان سے ہی ناواقف تھے انہوں نے کہا کہ روزہ چھوڑ کر چلا جا، زید مذکور نے انکار کیا مگر انہوں نے بہت اصرار کیا، آخر زید نے روزہ چھوڑ دیا اور چلا گیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عند الشرع روزہ چھوڑنے اور چھڑانے والوں پر کیا حد وحکم عائد ہوتا ہے مفصل بیان فرمادیں، بینوا توجروا۔

السائل: محمد نظام الدین طالب علم مدرسہ مصباح العلوم ہیرا سنگھ

۱۴ ر رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ بروز بدھ

ائمہ اربعہ عظام اور جمہور ائمہ کرام کے مذاہبِ مبارکہ میں چار پانچ میل کا سفر مرخص صوم قطعاً نہیں بلکہ اڑتالیس ۴۸ میل سے کم کسی امام جمہوری کے نزدیک نہیں کما بین فی الاسفار المدینیۃ بلکہ اگر بالفرض یہ سفر مرخص ہوتا بھی تب بھی اس دن کا روزہ اس پر لازم ہوتا کہ مسافر صبح صادق کے وقت اپنے شہر کے حدود میں ہو تو صوم لازم ہو جاتا

ہے و ذا مبین متونا و شروحا و حواشی و فتاویٰ بلکہ بفرضِ غلط اگر اس دن افطار کی رخصت ہوتی کبھی تب بھی یہ افطار زیرِ بحث ناجائز و حرام ہی ہوتا کہ زید بوقتِ افطار سفر میں نہیں بلکہ ارادۂ سفر کر رہا ہے لہٰذا صورتِ مذکورہ میں قضاء و کفارہ لازم ہے اگرچہ سفر شرعی ہوتا کہ مقیم افطار کے بعد سفر اختیاری یا مجبوری کرے تب بھی کفارہ لازم رہتا ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد اول ص ۲۵۷، فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۶، شامی ج ۲ ص ۱۶۸ میں ہے و النظم للشامی لو اکل المقیم ثم سافر او سوفر به مکرها لا تسقط الکفارۃ۔ خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۷، مراقی الفلاح ص ۷۰۴ میں ہے و النظم من الخلاصۃ المقیم اذا نوی السفر ثم افطر یجب الکفارۃ۔ بحر الرائق میں ہے او افطر بعد اکراهه علی السفر قبل ان یخرج ثم عفی عنه۔ اور ایسے ہی اگر سفر شروع کر دے پھر راستہ میں یاد آئے کہ گھر میں کوئی چیز رہ گئی ہے تو لینے کے لئے واپس آ جائے اور افطار کر دے تب بھی کفارہ لازم ہوتا ہے، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۷، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۳، فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۶، مراقی الفلاح تحریر الطحطاوی علی المراقی تقریباً ص ۷۰۱ میں ہے والنظم من البحر و فی فتاوی قاضیخان المسافر اذا تذکر شیئا قد نسیه فی منزله فدخل فافطر ثم خرج قال علیه الکفارۃ الی آخره۔ دور کیوں جائیں، قرآنِ کریم کی سنیں علیٰ سفر فرمایا نہ کہ ارادِ سفر، اگر ارادہ سے ہی رخصت ہو جاتی تو ثم اتموا الصیام الی اللیل کے لزومی حکم کی تعمیل نہایت ضروری رہی جس کی خلاف ورزی زید نے لوگوں کے روبرو علانیہ عمداً محض جاہل ملاؤں کے دھوکے سے کی حالانکہ ضروریاتِ دین میں ایسے عذر مسموع نہیں تو کفارہ کے علاوہ وہ تعزیرِ شدید کا مستحق بھی ہے جو حکومت کا کام ہے کہ رمضان المبارک کی بلاعذر علانیہ بے حرمتی کرنے والا سزائے موت کا مستحق ہے۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۷، درالمختار

رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۱، طحطاوی علی المراقی ص ۴۰۱ میں ہے والنظم من البحر و فی الفتاوی البزازیۃ من اکل نہارا فی رمضان عیانا عمدا اشہرۃ یقتل لانہ دلیل الاستحلال اور منصب جلیل افتاء بلکہ قضاء اکراہ پر تسلط جماتے ہوئے ضَلُّوا فَاَضَلُّوا کا مصداق بننے والے خود سر ملاؤں کے لئے یہ سزا انسب و اوکد واحق ہے، حکومت کا فرض ہے کہ جرأت سے کام لیتے ہوئے ایسے مفتی مفتیوں اور مفتون قاضیوں کے منہ میں لگام دے کما صرح بہ الائمۃ الکرام قاطبۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

مکرمی جناب حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب السلام علیکم: مزاج گرامی

آج ایک مسئلہ کی پیچیدگی آپ کی خدمت میں کھینچ لائی ہے امید ہے کہ آپ مدد فرمائیں گے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درمیان اس چیز کے کہ اگر انسان کو سفر درپیش ہو اور وہ روزہ رکھے تو گناہ ہے یا نہیں؟ ریڈیو پر اعتبار کرنا چاہئے یا نہ؟ رمضان کے چاند کے متعلق جو خبر ریڈیو پر نشر کی جاتی ہے آیا وہ مستند ہے یا نہیں؟

جواب عنایت فرماویں والسلام۔

(سائل) خادم اصغر علی زرگر بمقام کچا کھوہ

وعلیکم السلام :

۱۔ سفر کی حالت میں افطارِ صوم کی اجازت ہے اور جب روزہ ضرر نہ دے تو رکھنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ افضل و بہتر ہے قرآنِ کریم میں ہے وان تصوموا خیر لکم، عند الاحناف حسب التحقیق یہ خطاب عام ہے اور احادیثِ کثیرہ شہیرہ سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہویدا ہے اور وہ بعض احادیث جن سے عدمِ جواز مستفاد ہوتا ہے عند التحقیق وہ اس حال پر محمول ہیں کہ روزہ سے مسافر کو سخت تکلیف ہوتی ہو ، ہدایہ میں ہے و ان کان مسافر الا یستضر بالصوم فصومہ افضل (الی ان قال) و ما رواہ محمول علی حالۃ الجھد اور ایسے ہی اگر روزہ مجاہد کو فرض جہاد سے روکے تو ممنوع ہوگا، احکام القرآن میں ہے و ذلک لان الجھاد کان فرضا علیھم و لم یکن فعل الصوم فی السفر فرضا فلم یکن جائزا لھم ترک الفرض لاجل الفضل۔

بہر حال جب مسافر کو بوجہ سفر روزہ سخت تکلیف کا باعث بنے اور اسلامی جنگ میں کافروں کے مقابلے میں بے طاقتی کا سبب بنے تو خاص کر ایسے عارضوں میں گناہ ہے ورنہ گناہ نہیں بلکہ خالص ثواب اور رکھنا ہی بہتر و افضل ہے کہ اصل یہی ہے۔

۲۔ اگر حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے باقاعدہ شرعی طور پر چاند کا ثبوت حاصل کرکے

اعلان کیا جاتا ہو تو اعلانِ ریڈیو بھی دوسرے اعلانوں کی طرح معتبر اور مستند ہے
ماہِ رمضان المبارک کا چاند ہو یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا، شہادت اور ہے اور اعلان
اور ہے، ہم ریڈیو کی خبر کو شہادت نہیں کہتے اور نہ ہی کوئی عاقل اسے شہادت قرار دیتا
ہے بلکہ یہ اعلان کا نیا طریقہ ہے حالانکہ ہر زمانہ میں اعلان کے ہر نئے طریقہ کو جائز ہی
مانا گیا ہے، صرف زبانی اعلان نقارہ بجانے اور پھر توپ چلانے سے اعلان ہوتے
رہے ہیں اور ان پر بلا انکار عمل ہوتا رہا ہے حالانکہ زبانی اعلان سے نقارہ کا اعلان
دور تک پہنچتا ہے اور توپ کی آواز اور زیادہ دور تک پہنچتی ہے حالانکہ علماء فرماتے
ہیں جو بھی یہ اعلان سنے خواہ غائب اور دور ہو اس پر عمل واجب ہے۔ منحۃ الخالق میں
ہے کضرب المدافع فی زماننا و الظاھر وجوب العمل بھا
علی من سمعھا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا۔ فتاویٰ
عالمگیری میں ہے خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا بہرحال
خبر ریڈیو بھی ایک شاہی اعلان ہے جو توپ اور نقارہ سے زیادہ واضح اور عیاں ہے
اور توپ کی آواز سے بھی زیادہ دور تک پہنچتا ہے، پھر ہماری حکومت نے رؤیتِ ہلال
کمیٹی مقرر کی ہوئی ہے جو شہادتیں لے کر چاند کا حکم لگاتی ہے اور ریڈیو پر اعلان کیا
جاتا ہے تو حسب القواعد اس صورت میں یہ اعلان معتبر اور مستند ہے، اس کے ناجائز
ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں، کئی سالوں سے ہمارا تفصیلی فتویٰ شائع ہو چکا ہے
جس میں آیات و احادیث و کتبِ مذہبیہ سے جواز آفتاب کی طرح واضح و ہویدا کیا ہے
جو بفضلہ تعالیٰ آج تک لاجواب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ
علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ — ۶ ؍ رمضان شریف ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

مخدومی و مخترمی حضرت علامہ مولانا صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ:

۱۔ ایک شخص نے چند ماہ رمضان المبارک کے یکم تا انیس عمداً روزے نہیں رکھے، باوجودیکہ عاقل و بالغ تھا اور چند ماہ مبارک میں کچھ روزے رکھے اور کچھ نہیں رکھے اور یہ سب کچھ عمداً ہوا اور بعض میں یوں بھی ہوا کہ روزہ کی نیت کر لینے کے بعد دن میں اس کو توڑ دیا، اب فرمائیے کہ کس صورت میں کفارہ ہوگا اور کس میں نہیں؟ سو جس صورت میں کفارہ لازم نہ آتا ہو اس روزے کی تلافی کی کیا صورت ہے؟

۲۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ ایک شخص نے جبکہ وہ بحالت بخار ٹائیفائڈ تھا، لڑنے جھگڑنے کے وقت ایسی حالت میں جبکہ واقعی مغلوب العقل تھا ایک مرتبہ لفظِ طلاق کہا پھر دوسری مرتبہ کہا جا اب تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں رہا، جو سامان لینا ہے لے لے اور چلی جا، مگر ان سب الفاظ کے کہتے وقت اس کو کوئی ہوش اور کوئی تمیز نفع و نقصان میں نہ تھی، چند لمحے بعد معاً ہی اس کو ہوش آگیا مگر یہ اس کو یاد ضرور ہے کہ اس قسم کے الفاظ میرے منہ سے نکلے ہیں، جب ہوش آیا تو فوراً پچھتایا اور اپنے الفاظ واپس لئے، بیوی کو راضی کیا حالانکہ کوئی دوسرا درمیان میں سمجھانے والا نہیں آیا تھا اور کچھ وقفہ بھی نہیں گزرا تھا۔

یہ ہے دوسرے سوال کی صورت!

بینوا توجروا۔

ا۔ جن دنوں کے روزے عمداً نہیں رکھے یا رکھے مگر رات میں نیت نہ کی بلکہ نصف النہار سے پہلے نیت کرنے کے بعد توڑ دیئے یا رات سے نیت کر کے رکھا مگر شرعی مسافر بننے کے بعد توڑ دیا یا توڑنے کے بعد اکراہاً مسافر بنایا گیا یا قے ہوئی اور بعد ازاں قصداً کھا پی لیا یا نسیاناً کھایا پیا اور پھر قصداً کھا پی لیا تو ان سب صورتوں میں کفارہ لازم نہیں البتہ قضا ضروری ہے اور اگر رات کی نیت سے رکھا ہوا روزہ توڑا اور عوارض مذکورہ یا ان کے مماثل سے کوئی عارضہ بھی پیش نہ آیا تو ایسی صورت میں کفارہ لازم ہے ہدایہ ج ا ص ۲۰۴ میں ہے ومن لم ينو في رمضان كله لا صوما ولا فطرا فعليه قضاؤه نیز اسی میں ہے ومن اصبح غير ناو للصوم فاكل لا كفارة عليه۔ فتاویٰ ہندیہ ج ا ص ۱۰۵ میں ہے واذا اصبح غير ناو للصوم ثم نوى قبل الزوال ثم اكل فلا كفارة عليه كذا في الكشف الكبير والصحيح اذا افطر ثم مرض مرضا لا يستطيع معه الصوم تسقط الكفارة عندنا كذا في فتاوى قاضيخان وهو الاصح هكذا في الظهيرية فالاصل عندنا انه اذا صار في آخر النهار على صفة لو كان عليها في اول اليوم يباح له الفطر تسقط عنه الكفارة كذا في فتاوى قاضيخان نیز اسی صفحہ میں اس سے پہلے ہے لو اكل او شرب او جامع ناسيا وظن ان ذلك فطره فاكل متعمدا لا كفارة عليه الى آخره نیز ہندیہ ص ۱۰۶ میں ہے لو سافر نهارا لا يباح له الفطر في ذلك اليوم

وان افطر لا كفارة عليه ۔ در المختار، طحطاوی ج ۱ ص ۴۵۸، شامی ص ۱۵۰ میں ہے
والنظم من الدر انما یکفر ان نوی لیلا و لم یکن مکرها ولم یطرأ
مسقط الخ

باقی مسئلہ تداخل کفارات جس کے متعلق پہلے استفسار میں سوال تھا تو اس کے متعلق عطر تحقیق یہ ہے کہ اگر ایک رمضان کے روزے فاسد کئے ہیں تو جبکہ پہلے یا پہلوں کا کفارہ ادا کرنے کے بعد توڑا ہے تو تداخل نہیں ہوگا اور سب فاسد شدہ کے فساد کے بعد کفارہ دیتا ہے تو تداخل ہو جائے گا اور اگر دو یا چند ماہوں کے روزے ہیں اور بعض کا کفارہ ادا کرنے کے بعد دوسرا توڑا تو دوسرے کا کفارہ نہیں ہوا ہاں اگر سب فاسد شدہ کے فساد کے بعد کفارہ دیتا ہے تو اگر فساد بالجماع ہے تو تداخل نہیں ہوگا ورنہ ہو جائے گا۔ در المختار اور شامی ج ۲ ص ۱۵۱ اور طحطاوی کے اسی صفحہ میں ہے والنظم من الدر ولو تکرر فطره ولم یکفر للاول یکفیه واحدة ولو فی رمضانین عند محمد وعلیه الاعتماد بزازیه مجتبیٰ وغیرهما واختار بعضهم للفتوی ان الفطر بغیر الجماع تداخل والا لا انتهیٰ ویظهر من هٰذه بعد التامل ما قلت ظهورا بینا۔

۲۔ اس صورت میں کوئی ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی کیونکہ مجنون ومعتوہ ومدہوش وغیرہ میں یہ شرط نہیں کہ اس کو کوئی بات یاد ہی نہ رہے اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ بعد میں ہوش نہ آئے اور نہ جھپکنے اور یونہی سمجھانے والے کا آنا یا کچھ وقفہ ہونا بھی شرط نہیں شامی ج ۲ ص ۵۸۷ میں ہے والذی یظهر لی ان کلام من المدهوش و الغضبان لا یلزم فیه ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیه بغلبة الهذیان الخ نیز اسی میں ہے ان بعض المجانین یعرف ما یقول ویریده ویذکر ما یشهد الجاهل به بانه عاقل ثم یظهر

منه فی مجلسه ما ینافیه فاذا کان المجنون حقیقة قد یعرف
ما یقول ویقصده فغیره بالاولی الخ اوریہ تورد نِر روشن سے بھی
روشن ہے کہ یہ جواب اسی صورت کا ہے، اگر واقع میں وہ شخص ایسا نہیں تھا تو طلاق ضرور
واقع ہوگئی اور واقع بھی بائن ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ الاعظم وعلی آلہ وصحبہ
وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۷ھ، ۸/۶/۶۷

مکرمی ومحترمی مولوی صاحب

السلام علیکم، عرض یہ ہے:

ایک لڑکا جس کی عمر ۱۹ سال ہے اس نے ایک بھینس سے روزہ سے زنا کیا
ہے، اس قسم کے ناجائز کام کرنے کے بارے میں بھی کئی آدمی اس لڑکے مذکور کے بارے
میں پہلے بھی الزام لگاتے ہیں، اس دفعہ دو آدمی جنہوں نے دیکھا ہے روبرو پنچائت
شہادت دیتے ہیں لہٰذا آپ بروئے شرعی حکم اپنا فیصلہ فرمادیں کہ بھینس اور لڑکے
کو شرع محمدی کیا فیصلہ فرماتی ہے۔

عرضے: ممبران پنچائت موضع مہروک کلاں تحصیل دیپالپور

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

اگر یہ فعل بد دو قابلِ اعتبار، دیندار مردوں کی شہادت یا اس انیس[19] سالہ لڑکے کے اقرار سے ثابت ہو جائے اور وہ لڑکا ہو بھی عاقل ودانا تو روزے کا کفارہ پڑے گا یعنی بعد رمضان لگاتار بے دو ماہ روزے رکھے اور قضائی کا روزہ الگ رکھے اور اگر اتنے روزے نہ رکھ سکے تو قضائی کا ایک روزہ رکھ لے اور ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔ باقی اس بھینس کے متعلق یہ چاہئے کہ اس کی منصفانہ قیمت اس لڑکے سے وصول کی جائے اور اس کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور کوئی کھال وغیرہ کا نفع نہ اٹھایا جائے اور اس لڑکے کو قانون کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے کچھ زدو کوب کریں کہ آئندہ ایسے برے فعل کے نزدیک نہ جائے۔ (درالمختار وغیرہ) واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ

بروز جمعرات ۱-۳-۶۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ روزہ دار شخص ٹیکہ چیچک یا بخار یا ہیضہ وغیرہ کا بحالتِ روزہ کرا سکتا ہے یا نہیں؟ ٹیکہ کرانے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں، اگر ہوگا تو صرف قضا لازم ہوگی یا قضا و کفارہ ہر دو، براہینِ قاطعہ و دلائلِ ساطعہ سے مسئلہ کو واضح فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

المستفتی بندہ غلام رسول غفرلہ از حویلی لکھا ۱۰ رمضان المبارک

۱۔ اگر مریض ہے اور غروبِ شمس کا انتظار کرے تو ہلاکِ جان یا فسادِ عضو یا زیادتی مرض یا درازی کا علامتِ صادقہ یا تجربہ صحیح یا طبیب و ڈاکٹر مسلمان غیر ظاہر الفسق کی خبر سے گمان غالب ہو جائے تو ٹیکہ کرا سکتا ہے کہ یہ عذرِ افطار ہیں اور ایسے ہی اگر تندرست کو ظنِ غالب ہو جائے کہ فوری ٹیکہ نہ کرائے تو بیمار ہو جائے گا، فتاویٰ عالمگیر وغیرہا اسفارِ مذہبِ مہذب میں مصرح ہے والنظم من الهندية ج ۱ ص ۱۰۶ المريض اذا خاف على نفسه التلف او ذهاب عضو يفطر بالاجماع وان خاف زيادة العلة وامتداده فكذلك عندنا وعليه القضاء اذا افطر كذا في المحيط الخ اگر کوئی خطرہ نہ ہو اور عدمِ افطار بھی ثابت ہو جائے تو روا، ورنہ نہیں۔

۲۔ اگر بدن کے کسی منفذ و مسلک سے بذریعہ ٹیکہ جوف یا دماغ میں دوائی پہنچ جاتی

سے ہے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر مسامات سے سرایت کرتی ہے تو نہیں اگر چہ ذائقہ یا اندرون جوف و دماغ میں اثر پایا جائے، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، عنایہ ج ۲ ص ۲۶۶، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، فتاوی عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴، شامی ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر وبمعناه فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳ والهندیة ج ۱ ص ۱۰۴ و مراقی الفلاح شرح نور الایضاح وحاشیة الطحطاوی علی المراقی ص ۳۹۸ اور بحر و ہندیہ، شامی، حاشیہ طحطاوی کے انہی صفحات میں ہے والنظم للطحطاوی والداخل من المسام لا ینافیه ای الصوم۔ بحر و شامی و ہندیہ میں ہے والنظم منها لو أقطر شیئا من الدواء فی عینه لا یفسد صومه عندنا وان وجد طعمه فی حلقه واذا بزق فرأی اثر الكحل ولونه فی بزاقه عامة المشائخ علی انه لا یفسد صومه كذا فی الذخیرة وهو الاصح هكذا فی التبیین اور چونکہ وصول من المنفذ او المسام تشریح البدن اور طب کا مسئلہ ہے لہذا اس کا حل ماہرین اطباء و ڈاکٹروں کے حوالہ کیا جاتا ہے اور بنائے اختلاف علماء ہے کہ جس صاحب نے وصول من المنفذ سمجھا مفسد فرمایا اور جس نے وصول من المسام خیال کیا مفسد قرار نہ دیا اس کی نظیر فقہی ہمارے ائمہ کرام کا اختلاف وصل الی المثانہ کے مفسد اور غیر مفسد ہونے میں ہے کہ عند امامنا الاعظم مفسد نہیں کہ جوف و مثانہ کے درمیان مسام ہیں اور منفذ نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک مفسد ہے کہ منفذ ہے وقول محمد مضطرب علیہم الرحمۃ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، مراقی الفلاح ص ۳۹۹، شامی ج ۲ ص ۱۳۷ میں ہے والنظم للشامی والاختلاف مبنی علی انه هل بین المثانة والجوف منفذ اولا۔ کفایہ ج ۲ ص ۲۶۷، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹ میں ہے والنظم من البحر قال فی الهدایة وهذا لیس من باب الفقه لانه

متعلق بالطب، حاشیہ طحطاوی میں ہے (قولہ کذا تقولہ الاطباء) انما اسندہ الیہم لان ھذا المقام یرجع الیہم فیہ لکونہ من علم التشریح۔

۳۔ اگر مفسد ہونا ثابت ہو جائے تو صرف قضاء لازم ہو گی کہ اس صورت میں ٹیکہ اس جائفہ[سعہ] و آمہ[للعہ] کی نظیر ہو گا جس میں دوائی جوف یا دماغ میں پہنچ گئی ہو اور اس میں صرف قضاء لازم ہوتی ہے چنانچہ کنز الدقائق، بحر الرائق، در المختار، رد المحتار، عالمگیر، نور الایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی علی المراقی وغیرہا متون و شروح حواشی و فتاوی مذہب مہذب حنفیہ میں مصرح و مشرح ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وحزبہ قدر حسنہ وجمالہ وکمالہ ونوالہ وحبہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

سعہ وہ زخم جو جوف تک پہنچ چکا ہو ۱۲ للعہ وہ زخم جو ام الدماغ تک پہنچ چکا ہو ۱۲

روزہ اور ٹیکہ

رسالہ روزہ و ٹیکہ

الاستفتاء

انجکشن روزہ کی حالت میں لگوانے کے متعلق یہاں ہلڑ مچا ہوا ہے، اگر حضور کرم فرمادیں تو مختصر مگر جامع طور پر استدلالات سے مبرہن فتویٰ صادر فرمادیں تو باعثِ تسکین ہوگا۔

السائل: حضرت مولانا مفتی ابو الیسر محمد اسمٰعیل صاحب خطیب جامع مسجد ٹیکسٹائل ملز بوریوالہ

(ایک خط کے ضمن میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی یرید بنا الیسر ولا یرید بنا العسر والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ محمد ن الذی بعثہ بالتیسیر والتبشیر وعلیٰ آلہ واصحابہ اولی التبصیر غیر تعسیر وتنفیر۔

ہر ایک ٹیکہ مفسدِ روزہ نہیں کہ اشیائے مستعملہ میں سے صرف اکل وشرب اور

جماع ہی سے روزہ ٹوٹ سکتا ہے کیونکہ ان کے استعمال سے رکنِ روزہ (الامساک عن الاکل والشرب والجماع) فوت ہوجاتا ہے حالانکہ ہر چیز اپنے رکن کے فوت ہوجانے سے فوت ہوجاتی ہے، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۰ میں قرآنِ کریم سے یہ رکنِ روزہ ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں وعلیٰ ھٰذا الاصل یبتنی بیان مایفسد الصوم وینقضہ لان انتقاض الشیئ عند فوات رکنہ امر ضروری وذلك بالاکل والشرب والجماع اور چونکہ کوئی ٹیکہ جماع نہیں تو لامحالہ اگر مفسد ہو تو اکل وشرب کا فرد بن کر ہی مفسد ہوگا حالانکہ کوئی عام ٹیکہ یقیناً اکل وشرب بھی نہیں تو مفسد بھی نہیں، ٹیکہ کا حقیقی اکل وشرب (صورتاً کاملہ اور معنی کے لحاظ سے) نہ ہونا تو روز روشن سے بھی روشن ہے۔ فقہائے کرام کے نزدیک اکل وشرب ایصال ما یقصد بہ التغذی او التداوی الی الجوف عن الفم (منہ کے کے راستہ پیٹ تک ایسی چیز کا پہنچانا جس سے کھانا یا پینا یا دوا کرنا مقصود ہو) ہے (بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۸، شامی ج ۲ ص ۱۴۸) اور چونکہ ٹیکہ میں منہ والا اصلی راستہ استعمال نہیں ہوتا بلکہ سوئی کے مصنوعی راستہ سے ایصال ہوتا ہے اور وہ بھی پیٹ تک نہیں بلکہ جسم کے کسی بالائی یا زیریں حصہ میں، تو واضح ہوا کہ ٹیکہ حقیقی اکل و

سے یہ امکان، نظر بہ استحسان ہے ۱۲ منہ غفرلہ

سے کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا ۱۲

للعہ قال اللہ تعالیٰ فالئٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم امر تعالیٰ بالامساك عن ھٰذہ الاشیاء فی النہار بقولہ عزوجل ثم اتموا الصیام الی اللیل فدل ان رکن الصوم ما قلنا الخ بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۰ ومثلہ فی الفتوحات المکیۃ ج ا ص ۶۰۸ واحکام القرآن لابی بکر الجصاص ج ا ص ۲۲۴ ۱۲ منہ غفرلہ

شرب قطعاً نہیں اور یونہی صرف صورۃً بھی اکل وشرب نہیں کہ اکل وشرب کی صورت ہے "الابتلاع" (الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۷۱، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۶، شامی ج ۲ ص ۱۴۸، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۴ وغیرہا) یعنی منہ سے کسی چیز کو پیٹ تک پہنچانا (نگلنا) اور ایک تفسیر صورتِ اکل وشرب کی یہ بھی ہے الادخال بصنعہ (چیز کو اپنے فعل سے پیٹ میں داخل کرنا) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷ مستند لا بقول الامام قاضیخان والصحیح هو الفساد لانہ موصل الی الجوف بفعلہ اور عنایہ شرح ہدایہ ج ۲ ص ۲۶۰ میں ہے ایصال الشیی الی باطنہ۔ تو عام ٹیکہ جو جسم کے بالائی یا زیریں حصوں میں کیا جاتا ہے اس میں یہ صورتِ اکل وشرب دونوں طرح ہی نہیں پائی جاتی کہ سوئی پیٹ سے بہت دور دوائی ڈالتی ہے اور یونہی ایسا ٹیکہ معنیً بھی اکل و شرب نہیں کہ اکل وشرب کا معنیٰ ہے وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف (پیٹ تک ایسی چیز کا پہنچنا جس میں بدن کا فائدہ ہو) (ہدایہ، فتح القدیر ج ۲، ص ۲۶۶، مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۴۱، شامی ج ۲ ص ۱۴۸) تو عام ٹیکوں میں یہ معنی بھی قطعاً نہیں پایا جاتا کہ وہ واصل الی الجوف نہیں ہوتے لہذا ایسے ٹیکے حقیقت یا صورت یا معنی، کسی لحاظ سے بھی مفسدِ صوم نہیں البتہ اگر کوئی ٹیکہ "جوف" میں کیا جائے یعنی سوئی جوف تک پہنچا کر دوائی جوف میں ڈالی جائے تو ایسا ٹیکہ ضرور مفسدِ صوم ہوگا، اس صورت میں گو حقیقت یا صورتِ[1] اکل وشرب نہیں مگر معنی (وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف) ضرور پایا جاتا ہے اور یونہی جوف تک پہنچنے والے کسی اصلی راستے (حلق، کان، ناک، مبرز، مبال المرأۃ) کے اندرونی حصہ میں یا دماغ میں حسبِ دستور سوئی کے خود ساختہ[2] راستہ سے دوائی پہنچانا بھی مفسد ہے کیونکہ دماغ اور اصلی راستوں کے

---

[1] یعنی صورتِ کاملہ نہیں ہاں اگر خود کرے یا اپنے اختیار سے کرائے تو صورت ناقصہ پائی جائیگی ۱۲ منہ غفرلہ

[2] کہ ٹیکہ ہوتا ہی یوں ہے خود ساختہ راستہ سے ہاں کبھی سوئی کے بجائے نشتر ہوتی ہے ۱۲ منہ غفرلہ

اندرونی حصے بھی جوف ہی کے حکم میں ہیں اس لئے کہ ان راستوں کے خلاء، خلاءِ پیٹ سے ملے ہوئے ہیں اور دماغ وجوف کے مابین بھی چونکہ قدرتی راستہ ہے تو جو چیز دماغ میں پہنچے وہ جوف میں پہنچ جاتی ہے لہذا دماغ اور اصلی راستوں کے اندرونی حصے جوف کے کونوں کی طرح ہیں، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۵۳، طحطاوی علی المراقی ص ۴۰۶، شامی ج ۲ ص ۴۰۱ میں ہے والنظم لہ والتحقیق ان بین جوف الرأس وجوف المعدۃ منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۳ میں ہے وکذا اذا وصل الی الدماغ لانہ لہ منفذ الی الجوف فکان بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف (اقول ولما کان وجود المنفذ الاصلی بین الجوف والدماغ یجعل الدماغ بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف فکون المنفذ الاصلی کذا اولیٰ فھذا) لہذا کان یا ناک میں تیل وغیرہ ڈالنے اور حقنہ کرنے یا عورت کے اگلے راستے میں دوائی وغیرہ ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے کما

؎ لہذا فتح القدیر ج ۲ ص ۲۳۴ میں تعریف صوم میں فرمایا وعن ادخال شیئ بطنا لہ حکم الباطن یعنی جسم کے کسی ایسے اندرونی حصے میں جس کو اس خاص باطن (معدہ) کا حکم ہو اس میں کسی چیز کے داخل کرنے سے بچنا تو یہ تنکیر بطن اور پھر وصف لہ حکم الباطن ظاہر کر رہے ہیں کہ دماغ اور قدرتی راستوں کے اندرونی حصے کا اندرون حکم معدہ میں ہے اور نور الایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے بطنا من الفم او الانف او من جراحۃ فی الباطن تسمی الجائفۃ او ادخلہ فی ما لہ حکم الباطن وھو الدماغ کدواء الامۃ۔ اور طحطاوی علی المراقی میں یہ زیادہ کیا ادخلہ فی دبرہ او اقطرہ فی احلیلہ او اذنہ، ص ۳۶۲۔ اقول ذکر الاقطار فی الاحلیل اتی علی قول ابی یوسف علیہ الرحمۃ علی وجہ کما لا یخفی علی الفطن اللقن ۱۲ منہ غفر لہ

صرح به فی الکتب المعتمدۃ الکثیرۃ مثلاً ہدایہ ج ۱ ص ۲۰۰، کنز الدقائق ص ۷۰، قدوری ص ۵۲، وقایہ مع الشرح ص ۳۱۱، فتاوٰی عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴ میں ہے و النظم من الھندیۃ ومن احتقن او استعط او اقطر فی اذنہ دھنا افطر ولا کفارۃ علیہ. نیز فتاوٰی عالمگیر وغیرہا میں ہے والنظم منہا وفی الاقطار فی اقبال النساء یفسد بلاخلاف وھو الصحیح ھکذا فی الظھیریۃ.

بہرحال صرف ایسا ٹیکہ ہی حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مفسدِ صوم ہے اور کوئی اور ٹیکہ مفسدِ صوم نہیں اور اس تفصیل کا نہایت ہی واضح جزئیہ بفضلہ وکرمہ تعالٰی کتبِ کثیرہ فقہیہ میں موجود ہے۔ قدوری ص ۵۲، الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۷۴، کنز الدقائق ص ۷۰، عینی علی الکنز ص ۷۰، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۲۹، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، وقایہ شرح الوقایہ ج ۱ ص ۳۱۱، ہدایہ، عنایہ، کفایہ ج ۲ ص ۲۶۶، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، تنویر الابصار، درالمختار، تحریر المختار للشامی ج ۲ ص ۱۴۰، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۵۳، نور الایضاح، مراقی الفلاح حاشیہ طحطاوی ص ۴۰۶، ملتقی الابحر ج ۱ ص ۲۴۱، درر ج ۱ ص ۲۰۳، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۳، فتاوٰی سراجیہ ص ۲۹، خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۵۳، فتاوی عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴، مبسوط امام سرخسی ج ۳ ص ۶۸ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے و النظم من الکنز داوی جائفۃ او آمۃ بدواء و وصل الدواء الی جوفہ او دماغہ افطر یعنی جائفہ یا آمہ میں کوئی دوائی ڈالی اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہوگیا۔

جائفہ اس زخم کا نام ہے جو جوف تک گہرا ہو اور آمہ اس زخم کا نام ہے جو دماغ تک ہو کما صرح بہ فی کثیر الکتب[ص] المذکورۃ وغیرھا تو جائفہ

[ص] مبسوط وغیرہ میں ہے الجائفۃ اسم لجراحۃ وصلت الی الجوف والآمۃ اسم لجراحۃ وصلت الی الدماغ ۱۲ منہ غفرلہ

اور آمہ جوف و دماغ تک اصلی اور پیدائشی راستے نہیں بلکہ عارضی ہیں جو کبھی قدرتی طور پر پھوڑے وغیرہ سے بن جاتے ہیں اور کبھی مصنوعی اور ان میں سے دوائی جب جوف یا دماغ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ یہ اس جزئیہ مذکورہ کا صاف اور صریح مفاد ہے اور یہی صورت ہوتی ہے ان ٹیکوں میں جو جوف یا دماغ میں کئے جائیں کہ سوئی سے عارضی اور مصنوعی راستہ بن جاتا ہے اور اس میں سے دوائی جوف و دماغ تک پہنچ جاتی ہے، پھر اس جزئیہ سے باعتبار المفہوم المعتبر فی التصانیف معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسے زخم سے دوائی جوف و دماغ میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور یہ صرف مفہوم ہی نہیں بلکہ مشائخ کرام نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے کہ ایسے زخموں میں دوائی ڈالنے کی صورت میں اعتبار وصول الی الجوف والدماغ کا ہی ہے یعنی اگر ایسے زخموں سے دوائی جوف و دماغ میں یقیناً پہنچ جائے یا غالب گمان ہو تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا تبیین الحقائق، بحرالرائق، عینی علی الکنز، فتح القدیر، نہایہ، کفایہ، جوہرہ نیرہ، سراجیہ، طحطاوی علی الدر، مبسوط، شامی کے انہی صفحات میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم لہ فالمعتبر حقیقۃ الوصول حتی لو علم وصول الیابس افسد او عدم

ؔ احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۵ میں ہے سواء کان وصولہ من مجری الطعام والشراب او من مخارق البدن التی ھی خلقۃ فی بنیۃ الانسان او من غیرھا لان المعنی فی الجمیع وصولہ الی الجوف واستقرارہ فیہ الخ بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۳ میں ہے وما وصل الی الجوف او الی الدماغ من المخارق الاصلیۃ (الی ان قال) واما ما وصل الی الجوف او الی الدماغ عن غیر المخارق الاصلیۃ بان داوی الجائفۃ او الآمۃ الخ۔ کفایہ علی الہدایہ ج ۲ ص ۲۶۶ میں ہے وما وصل الی الجوف او الی الدماغ من غیر المخارق المعتادۃ نحو ان یصل من جراحۃ الخ ۱۲ منہ غفرلہٗ

وصول الطریٰ لم یفسد. اور یونہی حاشیۂ الدرر ج ۱ ص ۲۰۳ میں بھی ہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ظنِ غالب یقین کے حکم میں ہے کما صرح بہ فی الشامی وغیرہ۔

بہرحال روزِ روشن کی طرح اس جزئیہ سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ ایسے عام ٹیکے جن میں دوائی جوف و دماغ تک بذریعہ سوئی نہیں جاتی بلکہ سوئی رہتی ہی جوف سے بالائی یا زیریں حصوں میں ہے، روزہ فاسد نہیں کرتے کما مر اولاً ایضا کہ اس صورت میں تو جوف و دماغ تک عارضی راستہ بنتا ہی نہیں تو دوائی پہنچنے کا کوئی احتمال ہی نہیں حالانکہ عارضی راستہ اگر جوف و دماغ تک بھی ہو تو تب بھی دوائی کے جوف و دماغ میں پہنچنے سے ہی روزہ فاسد ہوتا ہے فاتضح الحق و حصحص۔

نیز ان تصریحاتِ جلیلہ سے جو اول فتویٰ سے یہاں تک مذکور ہوئیں نہایت ہی وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جوف یا باطن سے جو عباراتِ ائمۂ کرام میں مذکور ہے، مراد اندرونِ معدہ ہے اور یہ نہیں کہ جسم کا ہر اندرونی حصہ مراد ہو اگرچہ معدہ سے دور ہی ہو جیسا کہ آج کل کے بعض لوگوں کا زعم ہے اور اسی زعم کی بنا پر وہ بیچارے دعویٰ کر بیٹھے کہ ہر ٹیکہ مفسد ہے، وہ کہتے ہیں کہ سوئی جسم میں داخل کر کے ہی دوائی ڈالی جاتی ہے اور داخلِ جسم کا نام جوف یا باطن ہے لہٰذا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ زعم بالکل غلط ہے. اگر جوف و باطن سے مراد یہ ہو تو جائفہ و آمہ کی تخصیص بالکل بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ ہر زخم ہی جسم میں ہوتا ہے، کوئی زیادہ گہرا اور کوئی کم، نیز جائفہ اور آمہ میں دوائی ڈالنے کی صورت میں وصول الی الجوف او الدماغ کی قید بھی بالکل مہمل ہو جاتی ہے کہ جب ہر اندرونی حصہ جوف بنا تو جو دوائی بھی کسی زخم میں ڈالی جائے وہ اندرونِ جسم میں ضرور داخل ہو جاتی ہے تو عدم وصول کا کوئی احتمال

ہی نہیں رہتا نیز جب جوف کا معنی اندرونِ جسم کر لیا جائے حالانکہ دماغ بھی اندرونِ جسم ہوتا ہے تو ہر زخم ہی جائفہ ہوتا تو "امة" کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر شامی اور طحطاوی سے تصریح بھی گزر چکی جس سے واضح ہوتا ہے کہ جوف سے مراد معدہ ہے نیز اول فتویٰ میں گزر چکا کہ رکنِ روزہ ہے ہی اکل و شرب و جماع سے بچنا جو قرآنِ کریم سے ہی ثابت ہے تو یہ مدعی صاحب ہی فرمائیں کہ اکل و شرب میں ماکول و مشروب جسم کے کس حصے میں پہنچائے جاتے ہیں معدہ میں یا معدہ سے باہر گوشت میں؟ اور جب ٹیکہ جماع کے ماتحت ہے ہی نہیں تو اگر مفسد ہو تو اکل و شرب بن کر ہی مفسد بنے گا تو اس کے لئے بھی جوف وہی ہونا چاہئے جو اکل و شرب کے لئے ہوتا ہے اور جیسے اکل و شرب حقیقی ہو یا صوری یا معنوی سب اسی وقت مفسد بنتے ہیں جب کہ معدہ میں وارد ہوں یا معدہ کے اصلی کسی راستہ میں یا دماغ میں تو ٹیکہ بھی اکل و شرب کا فرد بن کر اسی جگہ وارد ہو کر مفسد ہو سکتا ہے نہ کہ دور رہ کر ہر چند یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اس جوف سے مراد معدہ ہی ہے اور جسم کا ہر اندرونی حصہ من اللحم وغیرہ مراد نہیں مگر پھر بھی مزید وضاحت کے لئے وہ جزئیہ صریحہ ذکر کیا جاتا ہے جو نور الایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی علی المراقی ص ۲۹۹، مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۴۵، خلاصۃ الفتاوے ج ۱ ص ۲۵۳، جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۱۷۴، فتاوے قاضیخان ج ۱ ص ۱۰۰، فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴، البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۳۴، در المختار، شامی ج ۲ ص ۱۳۷، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۵۲، احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۵ میں بالفاظِ متقاربہ ہے کہ احلیل (مرد کی پیشاب کی نالی) سے مثانہ میں کوئی چیز (تیل وغیرہ) داخل

کی جائے تو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس اختلاف کی بناء اس پر ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ (راستہ) نہیں ہے تو جو چیز مثانہ میں داخل کی گئی وہ جوف میں داخل نہ ہوئی لہذا مفسد روزہ نہیں اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک راستہ ہے تو مثانہ میں چیز کا داخل ہونا جوف میں داخل ہونا بن گیا۔ شامی کے لفظ یہ ہیں و الاختلاف مبنی علی انہ ھل بین المثانۃ و الجوف منفذ او لا نیز فرماتے ہیں ان العلۃ من الجانبین الوصول الی الجوف وعدمہ۔ تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ اختلاف بڑی صاف دلیل ہے کہ ان حضرات کی نظر میں خود مثانہ جوف نہیں حالانکہ مثانہ بھی اندرونِ جسم میں اور اس کی گہرائی عام ٹیکوں سے کئی گنا زائد ہے تو معلوم ہوا کہ وہ جوف یا باطن بمعنی اندرونِ جسم نہیں ورنہ مثانہ ضرور جوف بنتا اور یہ بھی واضح ہوا کہ ہمارے سب ائمہ کرام کے نزدیک بالاتفاق وہ چیز جو جسم کی گہرائی میں داخل کی جائے، مفسد نہیں بن سکتی جب تک کہ اس گہرائی سے جوف یا دماغ

---

[267] ہدایہ میں ہے وقول محمد علیہ الرحمۃ مضطرب فیہ۔ عنایہ شرح ہدایہ ج ۲ ص میں ہے و انما توقف محمد لانہ شك فی وجود المنفذ من الاحلیل الی الجوف درالمختار میں ہے و ان وصل الی المثانۃ علی المذھب۔ شامی ج ۱ ص ۱۳۷ میں ہے قولہ علی المذھب ای قول ابی حنیفۃ و محمد معہ فی الاظھر، زیلعی ج ۱ ص ۳۳۰ میں ہے و محمد توقف فیہ وقیل ھو مع ابی یوسف والاظھر انہ مع ابی حنیفۃ علیھم الرحمۃ ۱۲ ھـ طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں لانہ لیس بین المثانۃ و الجوف منفذ و وصول البول من المعدۃ الی المثانۃ الخ ۱۲ منہ غفرلہ

تک اصل راستہ نہ ہو، پھر یہ عام ٹیکے (جو مثانہ سے کئی گنا کم گہرائی تک ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی مصنوعی راستہ سے) کس طرح مفسد بن سکتے ہیں جبکہ مثانہ میں بیرونِ جسم سے اصلی راستہ کے ذریعہ تیل وغیرہ کا پہنچنا مفسد نہیں کیونکہ مثانہ و معدہ کے درمیان مسامات کے علاوہ قدرتی راستہ نہیں ہاں حقیقۃً یوں ہوتا تو بالاتفاق مفسد ہے۔

فائدہ

اصلی اور مصنوعی راستوں کا فطری فرق تو واضح ہے ہی مگر شرعاً بھی حسبِ تصریحاتِ ائمہ کرام کافی فرق ہے، وہ یہ کہ اصلی راستہ کے صرف اندر ہی چیز کا بالاستقرار پہنچ جانا مفسد ہے کیونکہ یہ حکماً "جوف" تک پہنچنا ہی ہے مگر مصنوعی راستہ میں یوں نہیں بلکہ جب تک یقین یا ظنِ غالب نہ ہو جائے کہ چیز خود جوف یا دماغ تک پہنچ گئی ہے اس وقت تک روزہ فاسد نہیں ہوتا کما تبین من مسئلۃ الجائفۃ و الأمۃ وغیرھا بلکہ کئی جلیل القدر اہلِ تحقیق مشائخِ عظام تو فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک مصنوعی راستہ سے چیز کا جسم میں داخل کرنا مفسد ہے ہی نہیں اگرچہ جوف میں بھی پہنچ جائے۔ احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۵، عینی علی الکنز ص ۷۰، مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۴۱، مبسوط امام سرخسی ج ۳ ص ۶۸ میں بالفاظِ متقاربہ ہے و النظم من المبسوط فھما (ای الصاحبان) یعتبران الوصول الی الباطن من مسلک ھو خلقۃ فی البدن لان المفسد للصوم ما ینعدم بہ الامساک المامور بہ وانما یؤمر بالامساک لاجل الصوم من مسلک ھو خلقۃ دون الجراحۃ العارضۃ الخ نیز احکام القرآن ج ۱ کے ص ۲۲۳ میں ہے و اختلفوا فیما وصل الی الجوف من جراحۃ جائفۃ او امۃ فقال ابو حنیفۃ والشافعی علیہ القضاء وقال ابو یوسف ومحمد لا قضاء علیہ و ھو قول الحسن بن صالح تو اس قول کی بنا پر کوئی بھی ٹیکہ مفسد نہیں اگرچہ سوئی جوفِ

یا دماغ میں داخل کر کے کیا جائے چہ جائیکہ سوئی جوف یا دماغ سے ہو بھی دور، اور کچھ مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ صاحبین کے نزدیک چونکہ مصنوعی راستہ سے جوف میں داخل ہونا مشکوک رہتا ہے اور یقین نہیں ہوتا لہذا مفسد نہیں، بدائع ج ۲ ص ۹۳، ہدایہ ج ا ص ۲۰۰ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، ہندیہ ج ا ص ۱۰۶ میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من البدائع و عندهما لا يفسد هما اعتبر المخارق الاصلية لان الوصول الى الجوف من المخارق الاصلية متيقن به ومن غيرها مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جوف یا دماغ میں داخل ہو جانے کا یقین ہو جائے تو مفسد ہے۔ بہر حال اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ چیز جب تک مصنوعی راستہ میں رہے اور جوف و دماغ تک نہ پہنچے مفسد نہیں تو ٹیکہ میں بھی یونہی ہوگا ہاں اصلی اور مصنوعی راستوں کے فرق سے ہی ثابت ہو رہا ہے کہ جوف سے مراد معدہ ہے اور ہر اندرونی حصہ مراد نہیں رہا بعض لوگوں کا یہ شبہ کہ بعض ٹیکے طاقتور ہوتے ہیں کہ باوجودیکہ بالائی جسم یا زیریں میں کئے جاتے ہیں مگر ان کا اثر مسامات کے ذریعہ سارے جسم میں پہنچ جاتا ہے لہذا جوف و دماغ میں بھی پہنچ جاتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو یہ شبہ بھی بالکل لغو اور غلط ہے۔ فقہائے کرام نے صاف صاف تصریح فرما دی ہے کہ منافذ و مسالک (جوف تک راستوں) سے داخل ہونے والی چیز ہی روزہ فاسد کرتی ہے اور مسامات سے داخل ہونا روزہ کے منافی نہیں ہے۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷ میں ہے المفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام۔ شامی ج ۲ ص ۱۳۴ میں نہر الفائق سے ہے المفطر انما هو الداخل من المنافذ۔ ہندیہ عن شرح المجمع ج ا ص ۱۰۴، طحطاوی علی الدر ج ا ص ۴۵۰، طحطاوی علی المراقی ص ۳۹۸، ہدایہ فتح، عنایہ ج ا ص ۲۵۷، مجمع الانہر ج ا ص ۲۴۴، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳، تبیین الحقائق ج ا ص ۳۲۳ میں ہے و النظم

للامام الزیلعی علیہ الرحمۃ والداخل من المسام لا من المسالک لا ینافیہ۔ مبسوط ج۳ ص ۶۷ میں ہے وان وصل عین الکحل الی باطنہ فذلک من قبل المسام لا من قبل المسالک الخ اور مسئلۂ مثانہ وغیرہ بھی اس کی روشن دلیل ہے کما لا یخفی علی من لہ فہم تام لہٰذا فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ آنکھوں میں سرمہ یا دوائی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اگرچہ سرمہ کا اثر یا رنگت حلق یا تھوک میں پائی جائے اور نہانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ پیاس اتر جائے اور ٹھنڈک محسوس ہو کہ سرمہ یا غسل کے پانی کا اثر مسامات سے داخل ہوتا ہے تو مفسد روزہ نہیں تو ثابت ہوا کہ ٹیکہ بھی یونہی غیر مفسد ہے پھر وہ ٹیکہ جو اندرون جوف میں کیا جائے تو گو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے مگر ہرگز ہرگز کفارہ لازم نہیں اس لئے کہ کفارہ صرف افطار کامل (اپنے منفذ سے پیٹ تک ایسی چیز کا پہنچانا جو غذا ردوا کے طور پر مقصود ہوتی ہو) پر ہی لازم ہوتا ہے۔ شامی ج۲ ص ۱۸۹، بدائع صنائع ج۲ ص ۹۷، ۹۸ میں ہے والنظم من البدائع واما وجوب الکفارۃ فیتعلق بافساد مخصوص وھو الافطار الکامل بوجود الاکل او الشرب (الی ان قال) و نعنی بصورۃ الاکل والشرب ومعناھما ایصال ما یقصد بہ التغذی او التداوی الی جوفہ من الفم لان بہ یحصل قضاء شھوۃ البطن علی سبیل الکمال۔ ہدایہ ج۱ ص ۹۷ میں ہے واما الکفارۃ فتفتقر الی کمال الجنایۃ لانھا تندرئ بالشبہات کالحدود۔

اور یونہی فتح القدیر، عنایہ ج۲ ص ۲۵۷ میں ہے بلکہ ان تمام کتب کثیرہ فقہیہ میں (جن سے مسئلۂ جائفہ اور آمہ لکھا جا چکا ہے) ہے کہ کان یا ناک میں تیل وغیرہ کے ڈالنے اور حقنہ کرنے سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے اور کفارہ نہیں اور اس مسئلہ جائفہ سے پہلے اس کی عبارت بھی فتاوی عالمگیری سے گزر چکی ہے حالانکہ کان ناک وغیرہ اصلی راستے

ہیں تو ان میں دوائی وغیرہ ڈالنے سے کفارہ لازم نہیں آتا تو ٹیکہ میں کیسے لازم آئے
کہ اس کا راستہ تو ہے ہی مصنوعی، بلکہ بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، نور الایضاح، مراقی الفلاح،
حاشیۃ الطحطاوی ص ۴۰۶ میں ہے کہ وجور یعنی دوائی حلق میں انڈیلنا، روزہ فاسد
کر دیتا ہے مگر کفارہ نہیں کہ اس میں کھانے کی صورت نہیں پائی گئی والنظم من البحر
واما الوجور فی الفم فانہ یفسد صومہ لانہ وصل الی جوف البدن
ما ھو مصلح للبدن فکان اکلا معنی لکن لا تلزمہ الکفارۃ لانعدام
الاکل صورۃ۔ اور مبسوط ج ۳ ص ۶۷ میں ہے واما السعوط والوجور یفطرہ
لوصولہ الی احد الجوفین اما الدماغ او الجوف والفطر مما یدخل
ولا کفارۃ علیہ لان معنی الجنایۃ لا یتم بہ فان اقتضاء الشھوۃ لا
یحصل بہ۔ تو واضح ہوا کہ ایسے ٹیکہ میں کفارہ ہرگز نہیں اور عام ٹیکے جو مفسد صوم نہیں
ان میں کوئی حرج نہیں مگر ایسے سخت ٹیکے جن کے لگانے سے بخار یا کسی اور عارضہ کا خطرہ
ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کے ازالہ کے لئے شاید فوری دوائی ایسی استعمال کرنی پڑے جو
مفطر روزہ ہو تو ایسی خاص صورت میں نہیں چاہیئے اور مکروہ ہو سکتا ہے جیسا کہ فقہاء
کرام نے قُبلہ (بوسہ) اور حجامت (سنگھی لگوانے) میں فرمایا ہے۔ فتاوی عالمگیر ج ۱
ص ۱۰۲ میں ہے ولا بأس بالحجامۃ ان امن علی نفسہ الضعف اما
اذا خاف فانہ یکرہ وینبغی لہ ان یؤخر الی وقت الغروب و ذکر
شیخ الاسلام شرط الکراھۃ ضعف یحتاج فیہ الی الفطر والفصد
نظیر الحجامۃ ھکذا فی المحیط ولا بأس بالقبلۃ اذا امن علی نفسہ
من الجماع والانزال ویکرہ ان لم یأمن والمس فی جمیع ذلک کالقبلۃ
کذا فی التبیین۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ امس وشمس کی طرح واضح ونمایاں ہو گیا کہ عام ٹیکے مفسد صوم نہیں

تعجب ہے کہ بعض کم علم یا تن آسان صاحبان جو کتب فقہیہ کا مطالعہ غور سے کرتے نہیں اور یونہی حکم فساد بلکہ لزوم کفارہ بھی لگا دیتے ہیں تو کتنے ہی ایسے سادہ لوح بندگان خدا ہیں کہ ایسے فتوے سن کر ضرورت ٹیکہ کے وقت صرف ٹیکہ لگوانے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے اور کئی وہ ہیں جو واقعی مجبور و مریض ہیں جنہیں صالح اور پارسا ڈاکٹر بتاتے ہیں کہ اگر ٹیکہ نہ کیا جائے تو مرض بڑھ جائے گا یا دیر سے صحت ہو گی تو وہ بیچارے ایسے فتوے سن کر روزہ ترک کر دیتے ہیں اور برکات خصوص وقت سے محروم رہ جاتے ہیں، ایسوں کی محرومی کا وبال بھی ایسے مفتیوں کے سر پر ہے جن کے بلا تحقیق فتووں سے وہ بیچارے محروم ہو رہے ہیں۔

(نوٹ) یہاں تک یہ فتوے مولانا الحاج ابوالبیصر صاحب کے جواب میں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ ۲۰/۲/۶۳ کو لکھا گیا پھر کچھ عرصہ بعد مولانا الحاج ابوالرضا عبدالعزیز صاحب مہتمم مدرسہ غوثیہ حویلی لکھا کے سامنے کچھ شبہات پیش کئے گئے تو درج ذیل تنبیہ کا اضافہ کیا گیا۔

ضروری تنبیہ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹیکہ سے دوائی گوشت میں پہنچ کر خون سے مل کر جسم کے تمام حصوں میں پہنچ جاتی ہے تو لامحالہ معدہ میں بھی پہنچ جاتی ہے اور جس طرح معدہ کی ظاہری سطح پر رگیں ہوتی ہیں یونہی باطن میں بھی رگیں ہوتی ہیں تو ان رگوں کے ذریعہ باطن میں بھی دوائی پہنچ جاتی ہے اور وریدی ٹیکہ میں تو یہ بات اور واضح ہے لہذا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو یہ کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ جب خون خود ہی معدہ کے اندر نہیں پہنچتا تو اس کے اندر ملی ہوئی دوائی کیسے پہنچے گی؟ اور یہ کہنا کہ باطن میں رگیں ہیں، مفید نہیں کیونکہ یہ رگیں معدہ میں نہیں بلکہ معدہ کی اندرونی سطح میں ہوتی ہیں اور معدہ میں کھلتی بھی نہیں کہ خون براہ راست معدہ میں گرے جیسے حوض میں نالی کے ذریعہ پانی گرتا ہے بلکہ دوائی

کا اثر صرف مسامات کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے حالانکہ مسامات سے پہنچی ہوئی چیز کا مفسد نہ ہونا آفتاب و ماہتاب کی طرح واضح ہو چکا ہے۔

جائفہ اور آمہ میں ڈالی ہوئی دوائی بھی گوشت سے مل کر خون سے مل جاتی ہے مگر پھر بھی مفسد نہیں مگر جبکہ معدہ یا دماغ میں خود دوائی پہنچے حالانکہ ٹیکہ کا سوراخ جائفہ اور آمہ کی طرح معدہ اور دماغ تک نہیں پہنچا تو اس کا مفسد نہ ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روزہ ٹوٹنے کے لئے کسی دوا یا غذا کا جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں پہنچنا لازمی نہیں بلکہ چند باتیں اور بھی ضروری ہیں : اوّلاً دوا یا غذا کا عین جوف میں پہنچ جانا ، دوم اصلاحِ بدن مقصود ہونا ، سوم اختیار اور ایجادِ فعل کا پایا جانا بھی باعثِ فساد ہے۔ پھر کہا ہے کہ جب اصلاحِ بدن بھی مقصود ہو اور ایجادِ فعل بھی تو روزہ بالاتفاق ٹوٹ جانا چاہئے ، پھر اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ شک اور عدمِ یقین وصول الی الجوف کی صورت میں اصلاحِ بدن اور ایجادِ فعل دو شرطوں کا وجود مفسد کو ترجیح دینے کی وجہ سے روزہ (ٹیکہ سے) ٹوٹ جائے گا۔ یہ دعویٰ بھی بالکل غیر صحیح ہے کیونکہ قصد اصلاحِ بدن اور ایجادِ فعل صرف اسی وقت ہی مفسد ہو سکتے ہیں ، جب کوئی چیز جوفِ معدہ میں پہنچے ورنہ نہیں۔ اگر صرف قصدِ اصلاحِ بدن اور ایجادِ فعل ہی مفسد ہوتے تو تیل کی مالش اور غسل مرہم پٹی وغیرہ صدہا افعال جو اصلاحِ بدن کے قصد سے کئے جاتے ہیں سب کے سب روزہ فاسد کر دیتے تو معلوم ہوا کہ قصد ایجاد و اصلاح کا مفسد ہونا صرف وصول الی الجوف ہی کی صورت میں ہے ورنہ نہیں چنانچہ تحریرِ سابق سے یہ بھی واضح و نمایاں ہے اور لطف یہ کہ مدعی صاحب کے اسی اپنے کلام کا پہلا حصہ صراحۃً کئی وجوہ سے یہی ثابت کرتا ہے کما لایخفٰی۔

بعض عوام یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ ٹیکے ایسے بھی ہیں جو بھوک اور پیاس کی تسکین کرتے ہیں لہٰذا روزہ میں کوئی ٹیکہ بھی جائز نہیں تو ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے اگر بھوک

اور پیاس کی تسکین کے باعث ٹیکہ ناجائز ہوتا تو صرف وہی ٹیکہ ناجائز ہوتا جو تسکین کرتا ہو نہ کہ ہر ٹیکہ ناجائز ہو جاتا اور یونہی اگر تسکین کے سبب ناجائز ہوتا تو سحری کے وقت بھی ناجائز ہوتا کہ اس سے بھی دن کو تسکین ہو سکتی ہے تو یوں کیوں نہیں کہتے کہ ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں بھی ٹیکہ جائز نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ٹیکے کرانے کون ہیں عموماً بیمار روزہ دار جو روزہ رکھتے ہیں اور بیماری کے لئے لگواتے ہیں اور یوں نہیں کہ تندرست اور طاقتور روزہ دار بھوک اور پیاس دور کرنے کے لئے ٹیکے لگوائیں، ایسا آج تک دیکھا سنا بھی نہیں اور نہ ہی سرد موسم یا سرد مقامات پہ اس کی ضرورت ہوتی ہے، قابلِ برداشت بھوک پیاس کی لذت اور اشتیاق تو عموماً ہر ایک روزہ دار کو ہوتا ہے تو ایسا ٹیکہ بلاضرورت لگوانا ہی کیوں ہے؟ اور اگر کوئی بدقسمت اس ذوق و چاشنی سے سراسر محروم ہو تو پھر ٹیکہ ہی کیا، ایسے سرے سے روزہ ہی نہیں رکھتے حتی کہ اس موسم سرما میں بھی کئی ایسے بدبخت ہیں تو ان کا کیا اعتبار؟ کیا ان کی وجہ سے بیمار روزہ دار کو ہر ایک ٹیکہ ناجائز بتایا جائے، یہ سراسر انصاف سے دور ہے

نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کوئی صحیح الاعتقاد پیر معمر یا مریض و کمزور سچے دل سے روزہ کی سعادت حاصل کرنا چاہے مگر بوجہ ضعف بھوک یا پیاس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا البتہ اگر کوئی ایسا ٹیکہ جو تسکین کرے، لگوا لے یا کسی سرد مقام کوہ مری نخیلا جائے یا سرد خانے یا خس کی ٹٹی کا انتظام کرے یا برفانی پانی سے غسل یا تر کپڑے میں لپیٹ جائے تو روزہ پورا کر سکتا ہو تو کیا ایسے معذور اشخاص کے لئے یہ چیزیں بوجہ عذر جائز ہیں یا نہیں تو جہاں تک میری دانست کا تعلق ہے جہاں میں کوئی بھی ایسا عقلمند نہیں جسے دینِ اسلام سے قدرے واقفیت ہو اور کہے کہ کوہ مری کا سفر یا افغانستان جانا کسی دنیادی جائز کام کے لئے ناجائز ہے چہ جائیکہ ادائیگی فرض کے لئے جائے اور یونہی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی معمر یا مریض سرد خانے یا خس کی ٹٹی میں آرام نہیں کر سکتا یا کوئی تندرست

اور جوان ٹھنڈے پانی سے غسل یا تر کپڑا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ معذور، اور جب آرام و آسائش کی غرض سے یہ چیزیں جائز ہیں تو دینی فریضہ پورا کرنے کے لئے کیوں ناجائز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چیزیں معذوروں کے لئے عون علی العبادۃ ہیں یعنی روزہ کی عبادت پوری کرنے میں مدد دیتی ہیں تو ان کا کرنا عبادت میں داخل ہوگا اور جائز ہوگا۔ شامی ج ۲ ص ۱۵۶ میں روزے دار کے غسل وغیرہ کے متعلق ہے لان ھذہ الاشیاء بھا عون علی العبادۃ۔

بہرحال ان اشیاء کا عون علی العبادۃ ہونا تو ظاہری آنکھوں سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے حالانکہ عون علی العبادۃ ایسی بہترین چیز اور مطلوبِ شرعی ہے کہ اللہ رب العالمین ارحم الراحمین اپنے لطف وکرم سے اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کے لئے نیک کاموں میں عون علی العبادۃ مہیا کریں جس کا عربی نام ’تعاون‘ (ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے) ارشاد فرمایا وتعاونوا علی البر والتقوی (پ ۶ ع ۵) (ترجمہ) اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو“ جب نیک کاموں کے انجام دینے میں دوسروں کی مدد لازم ہے تو اپنی کیوں ناجائز ہوگی لہٰذا سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۳ کی حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ خود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیاس یا گرمی کے سبب اپنے سرِاقدس پر پانی بہایا اور شامی ج ۲ ص ۱۵۶ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روزہ میں کپڑا تر کرکے اپنے اوپر لپیٹ لیا کرتے تھے اور تمام فقہائے کرام نے روزہ دار کے لئے غسل جائز قرار دیا بلکہ یہانتک ہے کہ روزہ دار غسل کرنے سے اپنے اندر ٹھنڈک محسوس کرے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴ میں ہے من اغتسل فی ماء وجد بردہ فی باطنہ لا یفطرہ۔ اور ذرا غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ دار کا سحری کا کھانا پینا بھی اس عون علی العبادت کے لئے مطلوب ہے، دیکھئے صحیح حدیث شریف

میں ہے استعینوا بطعام السحر علی صیام النہار و بالقیلولۃ علی قیام اللیل (جامع صغیر ج ا ص ۱۲۹)۔ اس حدیثِ پاک میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ سحری کے کھانے سے دن کے روزے پر عون (مدد) حاصل کرو اور دوپہر کے قیلولہ سے رات کے نوافل پر۔ اس سحری کے کھانے پینے سے دن بھر روزہ دار بھوک اور پیاس کی شدت سے بچ کر روزہ پورا کر لیتا ہے تو معلوم ہوا کہ بھوک اور پیاس کی شدت کا ہونا روزہ کے لئے لازم نہیں اور اس کی تسکین ایسے طریقے سے، جسے شرعِ اطہر نے حرام نہیں کیا، حرام نہیں بلکہ جائز و مطلوبِ شرعی ہے خود اللہ رب العالمین اپنی رحمت و کرم سے روزہ ادا کرنے والوں سے روزہ کے بیان میں ہی فرماتا ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (پ۲ ع ۷) (ترجمہ) اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ دشواری نہیں چاہتا۔ تو واضح ہوا کہ بندوں کا بھوک اور پیاس کی شدت سے جان بلب ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس نے ہماری آسانی کے لئے افطاری اور سحری کے کھانے پینے کی اجازت مرحمت فرمائی، ہمارے آرام و آسائش کے لئے ٹھنڈے پانی سے غسل یا تر کپڑے سے ٹھنڈک حاصل کرنا حرام نہیں فرمایا، کسی سرد مقام یا سایہ میں سونا منع نہیں فرمایا اور اپنے کرم سے سرد موسم کے روزوں کو بھی قبول فرماتا ہے تو آفتاب و ماہتاب کی طرح واضح ہوا کہ غسل وغیرہ ایسی چیزیں جو روزہ دار کے لئے شریعت میں حرام نہیں، اگر ان چیزوں کو شدتِ بھوک یا شدتِ پیاس دور کرنے کے لئے معذور استعمال کرے تو بلاشبہ جائز ہیں، ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو ٹیکے بیچارے کیا قصور کہ وہ اگرچہ جوفِ معدہ اور دماغ میں بھی نہ کیا جائے تب بھی محض اس لئے کہ بھوک پیاس کی تسکین کرتا ہے، معذوروں کے لئے بھی جائز نہ ہو بلکہ کوئی ٹیکہ بھی روزہ دار کے لئے اگرچہ صرف مرض دور کرنے کے لئے ہو، جائز نہ ہو سکے، ایسا کہنا

صریح ظلم ہے بلکہ بعض لوگوں کے لئے تعاون علی الاثم یعنی گناہ کرنے میں مدد دینا ہے کہ ایسی باتیں سن کر ایسے لوگ جو کمزور ایمان والے ہیں، باوجودیکہ روزہ رکھ سکتے ہیں مگر چونکہ انہیں معمولی مرض کے لئے ٹیکہ لگوانا ہے لہذا روزہ نہیں رکھتے حالانکہ اللہ رب العالمین نے تعاون علی الاثم کو حرام کیا ہے، دیکھو پ۶ ع ۵ ۔

انتباہ

ٹیکہ، مرہم، مالش وغیرہ جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ان کا استعمال تب ہی جائز ہے جبکہ حرام نہ ہوں ورنہ استعمال حلال نہیں مگر جبکہ حاذق طبیب یا ماہر ڈاکٹر جو مسلمان، متدین، پابند شرع متین اور غذا شناس ہوں اپنے پختہ علم اور صحیح تجربہ کی بنا پر فیصلہ دیں کہ اگر یہ دوائی استعمال نہ کی گئی تو مریض جانبر نہیں ہو سکتا تو صرف ایسی صورت میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اجازت ہے اور یہی حکم ان تمام دواؤں کا ہے جو بغیر روزہ بھی استعمال کئے جاتے ہیں، اس کا لحاظ ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد المحبوب المعلی وعلیٰ آلہ وصحبہ اولی الصدق والصفا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۷ / رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ ۱۲/۶۶ ۲۹

الاستفتاء

فاضل اجل عالم بے بدل مجمع مکارم اخلاق حسنہ برادرم مولوی صاحب

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ ؛ طالب خیریت بخیریت ! آپ کا رسالہ "روزہ و ٹیکہ" کے عنوان سے میری نظر سے گزرا اس میں سے چند باتیں بطور تفہیم و استفسار دریافت

کرتا ہوں، تکلیف فرما کر اگر تحریر فرمائیں تو لطف سے بعید نہ ہوگا، نیز یہ بھی خیال نہ فرمائیں کہ کوئی ذاتی معاملہ ہے بلکہ دین کا معاملہ ہے اس لئے پورے طور پر اطمینان ہو جانے کے بعد کہ ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو پھر انشاء اللہ العزیز ہم سب بھی اس چیز کے قائل ہو سکتے ہیں کہ ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بصورتِ ثانی یہ دینی معاملہ ہونے کی صورت میں آپ سے بھی مکمل توقع ہے کہ اگر ٹوٹ جانے کے وجوہاتِ قویہ مل جائیں تو بھی ہماری اعانت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔ کسی چیز کے افہام و تفہیم میں رسالہ بازی ٹھیک نہیں ہوتی اس لئے مکتوب ہذا تحریر کر رہا ہوں، امید ہے کہ آپ جوابِ باصواب سے مستفید و مستفیض فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے۔

سوال نمبر ا: آپ نے کلیہ مقرر فرمایا ہے کہ اکل و شرب و جماع تینوں چیزیں روزہ کو توڑنے والی ہیں اور کوئی چیز نہیں حالانکہ کتبِ فقہ میں بہت سے جزئیات موجود ہیں جو آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے کہ اکل و شرب ہے مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا نسیان کے علاوہ بھی دوسرے جزئیات پائے جاتے ہیں اور یہ جزئیات بھی موجود ہیں کہ اکل و شرب نہ ہوں تو بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس پر جزئیات اگر طلب فرمائیں گے تو ضرور تحریر کروں گا اگرچہ لقمان را حکمت آموختن والا معاملہ ہوگا مگر تعمیلِ ارشاد ضرور ہوگی۔ اسی طرح جماع کے علاوہ بھی اگر خواہشاتِ نفسانیہ کو روزے دار پورا کر لیتا ہے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بالتفصیل تحریر فرمائیں اس کا کیا حل ہے۔

۲۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جوف سے مراد معدہ ہے ہم نے اپنے طور پر قاموس، صراح، منجد، غیاث اللغات، منتخب اللغات وغیرہ کتابیں دیکھی ہیں، جوف کا معنی معدہ نظر نہیں آیا، آپ کے پاس اگر کسی لغت کی کتاب کا حوالہ موجود ہو تو تحریر فرمائیں۔ ثانیاً اگر جوف کا معنی معدہ لیا جائے تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو معدہ میں نہیں پہنچتیں مگر وہ روزہ کو توڑ دیتی ہیں غالباً کچھ اشیاء ایسی بھی مل جائیں گی جو معدہ میں پہنچ جائیں مگر روزہ

نہ توڑیں ایسے جزئیات بھی کتب فقہ میں موجود ہیں۔

۳۔ آپ نے عبارت نقل فرمائی ہے جس میں جوف البدن تحریر فرمایا ہے اور بعض عبارات میں جوف الرأس بھی تحریر فرمایا ہے۔ کیا ان عبارات میں بھی جوف سے مراد معدہ ہے، اگر نہیں تو پھر جوف سے مراد و معنی یہاں کیا لئے جائیں گے۔ اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ خط تحریر کیا گیا ہے، نیز آپ کے پاس کتبِ فقہ کے ذخائر موجود ہیں جس طرح کہ "کبر الصوت" کے حوالہ جات سے نیز "روزہ و ٹیکہ" کے رسالہ سے صاف واضح ہے اس لئے آپ بالتفصیل تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ میرے ان چند الفاظ کے متعلق آپ جو وضاحت طلب فرمائیں گے یا اور بھی آپ جو کچھ تحریر فرمائیں گے میں جواب دیتا رہوں گا، آپ بھی جواب باصواب سے مستفیض فرماتے رہیں، باقی ہر طرح سے خیریت ہے۔ سب پرسانِ حال کو السلام علیکم، نیز اگر دو رسالے آپ ارسال فرمائیں تو لطف سے بعید نہ ہوگا۔

سید اختر حسین جماعتی از علی پور سیداں

ڈاک خانہ خاص براستہ قلعہ سوبھا رام ضلع سیالکوٹ ۸ ۳/۶۷

مخدومی و مخدوم زادہ حضرت قبلہ شاہ زادہ صاحب زید مجدہم

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ : مزاجِ سامی ! حضرت کا کرم نامہ باعثِ اعتزاز و اعزاز بنا، بڑا کرم فرمایا کہ یاد فرمایا اور یہ تو حضرت کا محض حسنِ ظن ہے کہ فاضل وغیرہ القاب

لکھے ہیں، میں کیا اور میری قابلیت کیا اور یہ حقیقتِ واقعیہ ہے کہ یہ دینی معاملہ ہے اس میں ضد وعناد محض فساد وافساد ہے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ٹیکہ مفسد ہے تو انکار کے کیا معنی؟

حضرت نے بالتفصیل لکھنے کا ارشاد فرمایا ہے، مجھے بفضلہ تعالیٰ اس سے انکار نہیں مگر ان ایام میں مصروفیت بہت زیادہ ہے، دورۂ حدیث شریف کے علاوہ بعض اسباق اور امور دار العلوم میں انہماک وغیرہ عوائق ہیں اور پھر یہ خیال آرہا ہے کہ حضرت نے فقیر کا رسالہ ملاحظہ نہیں فرمایا لہٰذا دو رسالے حسب الحکم حاضر ہیں، ذرا توجہ سے مطالعہ فرمائیں تو میرا خیال ہے کہ سوالات کے جوابات خود بخود سامنے آجائیں گے۔ جوف سے مراد کے متعلق بڑی تفصیل ہے اور یہ نہیں لکھا کہ معدہ لغوی معنی ہے کہ قاموس وغیرہ سے نہ ملنا خلاف ثابت کرے۔

نیز حضرت نے بار بار تحریر فرمایا ہے کہ 'فقیر جو استفسار کرے اس کا جواب عطا فرمائیں گے' یہ کرم ہے اور ردِ کرم چونکہ نامناسب ہے لہٰذا معروض کہ حضرت ہماری مستعملہ اشیاء میں سے وہ کونسی چیزیں ہیں کہ نسیان کے علاوہ بھی ان کا اکل و شرب روزہ فاسد نہیں کرتا جیسے حضرت نے تحریر فرمایا ہے۔ رہے یہ جزئیات کہ اکل و شرب نہ ہو تو بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے شاید ان کا تذکرہ کیوں فرمایا وہ تو حضرت کی نقل 'اکل وشرب وجماع تینوں روزہ کو توڑنے والی ہیں' سے ہی ظاہر ہیں اور یونہی جماع کے علاوہ خواہشاتِ نفسانیہ کے وہ فرد جو اکل وشرب کے تحت داخل ہیں مفسد ہیں اور وہ بھی مفسد ہیں جو جماع نہیں مگر جماع کے حکم میں ہیں تو حضرت نے خواہشاتِ نفسانیہ پورے کرنے کو کلیہ کی طرح شاید کس خیال سے مفسد تحریر فرمایا جبکہ مفسد افراد کا افساد اور باقی کا عدمِ افساد واضح ہے۔

بہرحال رسالے حاضر ہیں، میرا طریقہ بھی رسالہ بازی نہیں اور نہ ہی کسی سے

پسند ہے، پھر آپ تو ماشاء اللہ سادات کرام سے ہیں، آپ سے تو اتنا لکھتے ہوئے بھی خوف طاری ہوتا ہے۔ امید ہے کہ ان چند معروضات کو اپنے اخلاقِ عظیمہ کی بنا پر نیک محمل پر ہی محمول فرمائیں گے، لفافہ کی تکلیف نہ فرمائی جائے، یہاں بھی کافی ملتے ہیں۔ والسلام مع الاکرام

ہاں ایک نہایت ضروری معاملہ درپیش ہے جو ہے شرعاً خیر، اگر روضۂ عالیہ میں دعا کے لئے سفارش فرمادیں تو کرم بہ کرم ہوگا۔ والسلام

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۶ھ

$\frac{۳}{۶۷}$ ۱۵

رؤیت ہلال

تعارف باب رؤیۃ الہلال

رؤیت ہلال سے مراد ہے پہلی تاریخ کا چاند دیکھنا۔اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد احکام شرعیہ کا دارومدار قمری مہینوں اور تاریخوں پر ہے۔ارکان اسلام میں سے رمضان المبارک اور حج کا دارومدار رؤیت ہلال پر ہے۔اسی طرح ادائیگی زکوٰۃ کے لئے قمری سال کا اعتبار ہے،جو شمسی تقویم کے لحاظ سے دس دن کم ہوتا ہے۔یونہی عید الفطر،عید الاضحیٰ،عدت وفات چار ماہ دس دن،ایلاء کے لئے چار ماہ کی مدت،ایسے کتنے ہی شرعی امور میں مدت کا تعین چاند کے طلوع سے ہوتا ہے۔اسی لئے علمائے کرام اور مفتیان اسلام اپنے اپنے علاقوں میں ہمیشہ چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے رہے-----

فقہائے کرام نے خاص طور پر ان پانچ مہینوں کا چاند دیکھنا واجب کفایہ قرار دیا ہے۔یعنی اگر کوئی مسلمان بھی چاند دیکھنے کی کوشش نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں گے :

(۱) ۲۹/رجب کو شعبان المعظم کا چاند-----

(۲) ۲۹/شعبان کو رمضان الکریم کا چاند-----

(۳) ۲۹/رمضان کو شوال المکرم کا چاند-----

(۴) ۲۹/شوال کو ذوالقعدہ کا چاند-----

(۵) ۲۹/ ذیقعد کو ذوالحجۃ المبارکہ کا چاند-----

رؤیت ہلال کے لئے کم از کم دو مرد عادل یا ایک مرد عادل اور دو عادلہ عورتیں چاند دیکھنے کی شہادت دیں البتہ رمضان المبارک اور عید کے چاند میں تفصیل ہے :

ہلال رمضان میں اگر مطلع ابر آلود ہو تو ایک عادل شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) کی شہادت معتبر ہے اور اگر مطلع ابر آلود نہ ہو تو جم غفیر کی خبر ضروری ہے۔ ہلال عید میں مطلع ابر آلود ہو تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کم کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی-----

قدیم عہد میں اسلامی حکومتوں کا یہ دستور رہا ہے کہ شرعی شہادتوں سے ثبوت رؤیت ہلال کے بعد چاند کا اعلان ڈھنڈورہ یا توپوں کے فائر کے ذریعے کیا جاتا تھا' جسے فقہاء اسلامی نے معتبر قرار دیا۔ پھر جب جدید سائنسی ایجادات میں تار' ٹیلی فون' وائرلیس' ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذرائع معرض وجود میں آئے' جدید سہولتوں سے استفادہ کیا جانے لگا تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ ریڈیو کے ذریعے رؤیت ہلال معتبر ہے یا نہیں ؟-----

برصغیر میں انگریزوں کی غیر اسلامی حکومت کے زیر انتظام چاند کا اعلان غیر معتبر سمجھا گیا' چنانچہ علمائے کرام اور مفتیان عظام از خود لوگوں سے شرعی شہادت لینے کا اہتمام کرتے اور ان کے فتویٰ پر اعتماد کر کے لوگ روزہ' عید الفطر اور قربانی وغیرہ کے احکام بجالاتے' قیام پاکستان میں یہی صورت حال رہی' غالباً ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ رؤیت ہلال کمیٹی کا قیام عمل میں آیا مگر بیشتر علماء عدم جواز کے قائل رہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والی حکومت کے دور میں رؤیت ہلال کمیٹی کی تشکیل کے سلسلے میں قومی اسمبلی میں بل پیش ہوا تو وزارت مذہبی امور کی طرف سے علماء کرام کی سرپرستی میں کمیٹی قائم ہوئی تو علماء کا اعتماد بحال ہونے لگا۔ اب کئی سالوں سے تمام مکاتب فکر کے علماء (الا ماشاء اللہ) عملاً اس موقف کے قائل ہیں-----

سیدی فقیہ اعظم کا فتویٰ

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے ابتداء ہی سے اس مسئلہ پر مثبت نظریہ اپنایا تھا' آپ

نے ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء میں اس موضوع پر ایک تحقیقی رسالہ مسمی باسم تاریخی "افادۃ النشر او کنہ الامر" تحریر فرمایا، جس میں دلائل و جزئیات فقہیہ سے ثابت کیا کہ شرعی ثبوت کے بعد ریڈیو سے نشر ہونے والی رؤیت ہلال کی خبر قابل اعتماد ہے۔ آپ کا یہ فتویٰ حضرت سیدی ابو البرکات علیہ الرحمۃ نے اپنے فاضل صاحبزادے علامہ سید محمود احمد رضوی کی زیر ادارت نکلنے والے ہفت روزہ رضوان لاہور (جلد ۴، شمارہ ۱۱، ۲۸ / مارچ ۱۹۵۲ء، صفحہ ۵) میں "فتویٰ در بارۂ رؤیت ہلال" کے عنوان سے شائع کروایا۔ ابتداء میں خود سید صاحب قبلہ نے ایک تفصیلی نوٹ تحریر فرمایا اور پاک و ہند کے مرکزی علمی مقامات اور جلیل القدر مفتی صاحبان کے اسماء گرامی درج کر کے انہیں دعوت غور و فکر دی۔ یہ نوٹ بجائے خود ایک علمی یادگار اور حضرت فقیہ اعظم پر آپ کے اعتماد کا آئینہ دار ہے۔ سید صاحب قبلہ کے اس نوٹ سے قبل مدیر رضوان علامہ سید محمود احمد رضوی نے توضیحی نوٹ میں لکھا:

"یہ نوٹ حضرت قبلہ سیدی ابو البرکات صاحب مد ظلہ العالی نے مضمون ذیل کے لئے تحریر فرمایا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے مضمون سے قبل درج کیا جاتا ہے۔ علماء کرام توجہ فرمائیں"-----

اس کے بعد حضرت سید صاحب قبلہ نے ارقام فرمایا:

"یہ فتویٰ حضرت فاضل جلیل عالم نبیل مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی فاضل حزب الاحناف و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور پاک پنجاب نے بغرض استصواب آرائے علمائے اہل سنت بذریعہ رضوان شائع فرمایا ہے۔ ناظرین کرام سے التجا ہے کہ جن علماء کرام کے پاس رضوان نہیں پہنچتا، ان کی خدمت میں یہ فتویٰ پیش کیا جاوے اور ان کو بنظر تعمق ملاحظہ فرما کر کتب معتمدہ فقہ سے تائید فرمائیں یا رد فرمائیں اور صواب و خطا پر دلائل ارقام فرماویں۔ اہل علم و صاحب قلم حضرات کے مضامین رضوان میں شائع کئے جائیں گے اور جب تک علمائے اہل سنت کا اس مسئلہ میں اتفاق نہ ہو گا اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ علمائے کرام سے گذارش ہے کہ وہ اس مسئلہ میں کافی روشنی ڈالیں۔ اگر کسی ایک جگہ رؤیت ہلال بطریق معتبرہ ثابت ہو جائے تو ہلال کمیٹی کا بذریعہ ریڈیو اعلان تمام پاکستان و

ہندوستان و ایران و توران و افغانستان و بلوچستان غرضیکہ تمام وہ شہر و قریٰ جہاں جہاں اس وقت میں ہلال کمیٹی کے اعلان کو بذریعہ ریڈیو سنیں تو اس اعلان پر مشرق و مغرب و جنوب و شمال کے باشندوں کو عمل کرنا یعنی عید الفطر' عید الاضحیٰ اور قیام رمضان ادا کرنا جائز ہوگا یا نہیں ؟ اور ان تصریحات کے باوجود عدم جواز پر کون سی دلیل ہے۔ بینوا و توجروا

تمام اہل السنّت بالعموم اور حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی و حضرت مولانا الحاج سردار احمد صاحب لائل پوری و حضرت مفتی اعظم ہند مولانا الحاج مصطفیٰ رضا خان بریلوی و مولانا الحاج ملک العلماء مفتی محمد ظفر الدین صاحب بہاری و حضرت مولانا الحاج مفتی احمد سعید شاہ صاحب ملتانی و علمائے بدایون و علمائے رام پور و حضرت مولانا الحاج مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی وغیرہم بالخصوص توجہ مبذول فرما کر اہل سنت کی عقدہ کشائی فرمائیں-----ابوالبرکات سید احمد غفرلہ"-----

سید صاحب قبلہ کے اس نوٹ سے سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے فتویٰ کی اہمیت اور واضح ہو جاتی ہے۔ مزید براں رضوان کی دستیاب فائلوں میں اس فتویٰ کے جواب میں کوئی تردیدی تحریر نہیں ملتی اور نہ ہی علمی انداز میں کسی اور ذمہ دار عالم کی طرف سے کوئی جواب لکھا گیا-----

چنانچہ ایک سائل کے جواب میں سیدی فقیہ اعظم نے ارقام فرمایا :

"یہ اعلان معتبر اور مستند ہے' اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں' کئی سالوں سے ہمارا تفصیلی فتویٰ شائع ہو چکا ہے' جس میں آیات و احادیث و کتب مذہبیہ سے جواز آفتاب کی طرح واضح و ہویدا کیا ہے' جو بفضلہ تعالیٰ آج تک لاجواب ہے"-----

(فتاویٰ نوریہ' جلد ۲' صفحہ ۱۰۰' پہلا ایڈیشن)

ایک اور سائل کو بایں الفاظ جواب دیا :

"رہی سائل کی سنی سنائی' بے محل' طویل لاطائل تقریر تو وہ شرعی اعلانوں کو غیر معتبر قطعاً ثابت نہیں کر سکتی' جسے دعویٰ ہو سامنے آئے"-----

(ایضاً' صفحہ ۱۳۸' پہلا ایڈیشن)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری کا مقالہ ''رؤیت ہلال --- ایک جائزہ'' اور احقر کی کتاب ''حضرت فقیہ اعظم کے استاد سیدی ابو البرکات اپنے مکاتیب کے آئینے میں''-----

اس تمہید کے بعد آئندہ صفحات میں رؤیت ہلال سے متعلق سیدی فقیہ اعظم کے فتاویٰ خصوصاً رسالہ ''افادۃ النشر اوکد الامر'' پر مولانا پروفیسر خلیل احمد نوری صاحب کا تعارفی مقالہ پیش کیا جارہا ہے :

مختصر تعارف

رؤیت ہلال کے موضوع پر حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز سے پوچھے گئے استفتاءات کی تعداد آٹھ ہے-----(۱)

چھ استفتاء جلد دوم میں ہیں اور ایک ایک جلد سوم اور ششم میں شامل اشاعت ہے۔ ان فتاویٰ میں چار آیاتِ کریمہ ' چار احادیث مبارکہ اور کتب شروح حدیث و فقہ اور اصول فقہ سے چوبیس عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔ دو مقامات پر خارجی آثار و قرائن اور ذاتی مشاہدے سے استشہاد کیا گیا ہے-----

جلد دوم میں دیے گئے فتاویٰ میں پہلے فتوے کے (۲) آخر میں ''۶ / رمضان شریف ۱۳۷۶ھ'' درج ہے ' سائل کا نام اصغر علی زرگر ہے ' عبارت سوال مختصر اور سلجھی ہوئی ہے۔(۳)

دوسرے فتوے کے آخر میں نہ تو تاریخ درج ہے اور نہ ہی سائل کا نام ہے۔ چونکہ یہ فتویٰ باقاعدہ رسالے کی شکل میں لکھا گیا تھا لہٰذا اس رسالے کے تاریخی نام ''افادۃ النشر اوکد الامر'' سے ۱۳۷۰ھ کا سن اخذ کیا گیا ہے (۴) جب کہ ہفت روزہ رضوان نے اسے ۲۸ / مارچ ۱۹۵۲ء (۱۳۷۱ھ) کی اشاعت میں شائع کیا ہے-----

جلد دوم میں شامل تیسرے فتوے کی عبارتِ استفتاء اور اس کے سائل کا نام کاتب دارالافتاء تحریر کرنا بھول گئے تھے (۵) تاہم قرائن بتاتے ہیں کہ مستفتی کوئی عالم دین ہیں-----(۶)

چوتھے استفتاء کے سائل کا نام حافظ محمد الٰہی (ضلع شیخوپورہ) ہے ' تاریخ کے کالم میں ۱۴ /

رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ '۷ / دسمبر ۱۹۶۸ء درج ہے-----(۷)

جلد دوم کے پانچویں فتوے کا سوال محمد اکرم نقشبندی مجددی (ضلع سیالکوٹ) کی طرف سے موصول ہوا' جوابِ فتویٰ کی تاریخ ۱۸ / رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ '۱۹/ دسمبر ۱۹۶۸ء مرقوم ہے-----(۸)

چھٹے فتوے کے مستفتی محمد عنایت اللہ بخاری (مدرسہ مصباح العلوم میلسی ضلع ملتان) ہیں' جواب کے آخر میں حضرت فقیہ اعظم نے ۲۹ / صفر المظفر ۱۳۸۹ھ '۱۷/ مئی ۱۹۶۹ء کی تاریخ کے دستخط ثبت فرمائے ہیں-----(۹)

جلد سوم میں دیا گیا استفتاء بورے والا ضلع وہاڑی کے نامور عالم دین اور مدرسہ احیاء العوم کے مہتمم مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے موصول ہوا ہے' تاریخ ۱۴ / ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۷۱ھ درج ہے-----(۱۰)

جب کہ جلد ششم کا استفتاء مفسر قرآن حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی وساطت سے لندن سے موصول ہوا اور ۲۶ / مئی ۱۹۸۰ء کو جواب تحریر کیا گیا-----(۱۱)

ان تمام فتاویٰ میں رسالہ "افادة النشر اوكد الامر" کو کلیدی حیثیت حاصل ہے' باقی فتاویٰ اس کا عکس جمیل ہیں۔ چونکہ تمام فتاویٰ ایک ہی نوعیت کے ہیں اور تمام میں ایک جیسے سوال اٹھائے گئے ہیں' اس لئے دلائل میں تقریباً یکسانیت دکھائی دیتی ہے اگرچہ بعض جگہ نئی جزئیات سے بھی استدلال ملتا ہے اور اضافی پہلو بھی شامل ہیں۔ مستفتی کی ذہنی اور علمی سطح کے مطابق ایجاز و اطناب اور تفصیل و اختصار کو اپنایا گیا ہے۔ سائل نے جس پس منظر میں سوال پوچھا ہے' اسے اسی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ قاری کی سہولت کے پیش نظر رسالہ "افادة النشر اوكد الامر" میں موجود عربی عبارات کا ترجمہ مصنف کے ہاتھوں فٹ نوٹ میں دے دیا گیا ہے-----

جلد ششم میں شامل فتویٰ لندن سے موصول ہوا ہے اور پاکستانی حالات سے ذرا مختلف حالات کا عکاس ہے' لہٰذا جواب میں بھی اسی پس منظر کو سامنے رکھا گیا ہے-----

اجتہادی پہلو

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ نے یہ بنیادی موقف قائم فرمایا:

"قول محقق و مفتی بہ یہ ہے کہ جب رؤیت ہلال شرعی طور پر ایک جگہ ثابت ہو جائے تو تمام مکانوں میں عمل لازم ہو جاتا ہے، بشرطِ حصولِ یقین و ثبوتِ مذکور یا ظنِ غالب اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ ہر ایک مکلف کو اس کا علم شہادت شرعیہ یا حاکم شرع سے بالا واسطہ یا بواسطہ شاہدین یا خبر مستفیض حاصل ہو تو لزوم ہو ورنہ نہ ہو"-----

(فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۹-۳۰، پہلا ایڈیشن)

اس پر آپ نے جن جزئیات فقہیہ کے ذریعے دلائل ارقام فرمائے، ان کی ملخص اور مجمل جھلک ہم نے اپنے انداز اور اپنی ضرورت کے مطابق ذیل میں دی ہے، فتاویٰ کی زبان اور فقہی انداز بیان فتاویٰ نوریہ میں ملاحظہ فرمایئے:

1. فتاویٰ عالم گیری، شامی، ثلثین اور ہندیہ کے حوالہ جات اور نقل عباراتِ ہندیہ سے واضح فرمایا کہ تحری سے افطار جائز ہے۔ پھر فرمایا:

اقول و كذا الصيام لعموم-----

"میں کہتا ہوں بوجہ عموم علت روزے کا بھی یہی حکم ہے"-----

کیونکہ تحری غلبۃ الظن کا فائدہ دیتی ہے اور غلبۃ الظن سے واجبات کا وجوب ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا ریڈیو کے ذریعے اعلان مفید غلبۃ الظن ہے اور اس کا اعتبار کرنا لازمی ہے-----

2. غلبۃ الظن ہی کی بنا پر علامہ شامی علیہ الرحمہ نے توپوں کے فائر وغیرہ کو علامات بینہ قرار دیا اور ان سے حاصل ہونے والے علم کی بنا پر عمل لازم قرار دیا-----

3. ردالمحتار کے حوالے اور نقل عبارت سے ثابت فرمایا کہ ان کے زمانے میں توپوں کے فائر کو مفید غلبۃ الظن ہونے کی بنا پر معتبر سمجھا جاتا رہا ہے، اگرچہ فائر کنندہ فاسق ہی کیوں نہ ہو اور امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس مذکورہ تحقیق کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے رسالے

"طریق اثبات الھلال" میں توپوں کے فائر اور ڈھنڈورہ وغیرہ کو علامت معتمدہ معروفہ کہہ کر معتمد سمجھا ہے۔ "اور نشر ریڈیو تو صرف علامت نہیں بلکہ صریح اعلان و منادی حکم حاکم اسلام ہے' جو مطلق مقبول ہے' اگرچہ فاسق ہی کرے"-----

4 مشاہدات و حقائق سے استدلال فرماتے ہوئے فرمایا:

"اخبارات وغیرہا ذرائع سے قیام رؤیت ہلال کمیٹی کا اعلام جس کے ارکان علمائے کرام ہیں اور حکام اسلام کا اہتمام و انتظام کہ بعد از ثبوت شرعی بذریعہ ریڈیو اعلان عام کر دیا جائے گا' پہلے سے ہی مشہور ہو جانا اور بالعموم نشریات کا اجازت خاصہ پر ابتناء اور عوام و حکام سے عدم اختفاء ایسے قرائن و مقدمات ہیں جن سے اعلان تو اعلان خبر واحد بھی مفید یقین و ایقان بن جاتی ہے بلکہ ایسی خبر واحد اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ باوجودیکہ ائمۂ اصول نے صاف صاف تصریح فرمادی کہ خبر واحد اگرچہ مخبر متعدد ہوں' ناسخ حکم قطعی نہیں ہو سکتی مگر یہ خبر مخبر عنہ کا حکم قطعی بوجہ قرائن نسخ کر دیتی ہے.........الی آخرہ"-----

5 شرع مطہر میں عرف و عادت کا بہت اعتبار ہے' کتب معتمدہ سے صرف اس بنا پر یہ استدلال ہو رہے ہیں کہ وہ عرف عام میں اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں۔ حالانکہ ان مصنفین کی طرف ان کتب کی نسبت قطعی دلائل قائم نہیں۔ یوں ہی خطوط کی نسبت صاحب مکتوب کی طرف قطعی نہیں ہوتی مگر بوجہ عرف و عادت بعض خطوط کی نسبت علماء و فقہاء نے تسلیم کی ہے۔ اسی طرح عرف میں چونکہ ریڈیو کی خبر کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور اس کی خبر میں تشکیک و شبہ واقع نہیں کیا جاتا لہٰذا اس اعتبار عرف و عادت کی بنا پر رؤیت ہلال کی خبر کو بھی معتبر سمجھا جائے گا-----

6 ایک شبہ یہ کیا گیا تھا کہ علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت نے توپوں کے فائر وغیرہ کو حجت قرار دیا ہے مگر ان علامات کا دائرہ اس قدر وسیع نہ تھا' جس قدر ریڈیو کی نشریات کا ہے' لہٰذا اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔ حضرت فقیہ اعظم نے لکھا:

"بداہتِ عقل شاہد عدل کہ نزدیک و دور والے دونوں اعلانِ ریڈیو بلاواسطہ رواۃ بلا شک و شبہ برابر سنا کرتے ہیں تو نزدیک و دور کا تفرقہ محض تحکم اور انکار ضروریات کے سوا کوئی حیثیت نہیں

رکھتا"-----

پھر آپ نے دو دلیلیں قائم فرمائیں :

(۱) حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طیبہ میں "یا ساریة الجبل" فرمایااوراس پر نہاوند کے دور افتادہ مقام پر حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر عمل فرمایا-----

(۲) جدالانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر رکن اسلام (حج) کی ادائی کے لئے منادی فرمائی' جس پر آج تک شرقاً' غرباً' شمالاً' جنوباً عمل ہو رہا ہے-----

7 اس شک کے ازالہ کے لئے کہ ریڈیو سے نشر ہونے والی خبر واحد سے روزے چھوڑ کر اعلان عید کا اعتبار کیسے درست ہے' آپ نے لکھا :

"فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ متواتر و مستفیض بوجہ افادۂ یقین معتبر ہے حالانکہ تواتر و استفاضۂ احادیث کا فرق صرف اسناد و رواۃ کے لحاظ سے ہی ہے' حتیٰ کہ ایسی خبر واحد جو بلاواسطہ رواۃ موصول ہو وہ متواتر و مستفیض سے افادۂ یقین میں قطعاً کم نہیں"-----(۱۲)

اس تعارف کے بعد اب آپ آئندہ صفحات پر سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے تفصیلی فتووں کا مطالعہ فرمائیں-----

فتاویٰ نوریہ کی اس جلد میں رؤیت ہلال سے متعلق چھ استفتاء ات کے جوابات شامل ہیں-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

حواشی

(۱)...... چھ مکمل استفتاء ہیں' جب کہ دو استفتاء کسی دوسرے سوال کے ساتھ کئے گئے ہیں۔

(۲)...... استفتاء ات کی تواریخ اور مستفتین کے اسماء کی تفصیل کے ضمن میں صفحات اور مجلدات کی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(۳)...... فتاویٰ نوریہ' جلد ۲' صفحہ ۹۹

(۴)......ایضاً‘صفحہ ۱۴۷

(۵)......’’الاستفتاء‘‘ کے نیچے یہ لکھا ہے---’’نوٹ :کاتب دارالافتاء کی عدم موجودگی میں مولوی محمد صدیق نیر النوری ارقام فتویٰ کے وقت استفتاء تحریر کرنا بھول گئے لہٰذا صرف جواب ہی سپرد قلم ہے‘صفحہ ۱۵۴‘‘

(۶)......جواب فتویٰ میں مستفتی کے استدلات کا ذکر ہے‘جس سے ظاہر ہے کہ سائل عالم دین تھے

(۷)...... فتاویٰ نوریہ‘جلد ۲‘صفحہ ۱۵۷

(۸)ایضاً‘صفحہ ۱۵۸

(۹)......ایضاً‘صفحہ ۱۶۰

(۱۰)......ایضاً‘جلد ۳‘صفحہ ۵-۴۵۴

(۱۱)......ایضاً‘جلد ۶‘صفحہ ۴۲۶‘۴۲۹

(۱۲)......رؤیت ہلال---ایک جائزہ

افادة النشر او كد الامر

۱۳۷۰ھ

باب رُؤيَةِ الهلال

رسالہ مسمّٰی باسمِ تاریخی

"افادۃ النشر اوکدا الامر"

۱۳

تنبیہ :- یہ فتوے صرف ان اعلانوں کے متعلق ہے جو باقاعدہ شرعی تحقیق وثبوت کے بعد بحکم حاکم اسلام ہوں۔

الاستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ غرا، و زعمائے شریعتِ زہرا اندریں مسئلہ کہ اب جبکہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کی باقاعدہ تحقیق وثبوتِ شرعی کے بعد بانتظام حکومتِ پاکستان ریڈیو کے ذریعہ اعلانِ رؤیت کیا جاتا ہے، آیا اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے تقریباتِ شرعیہ عیدین وغیرہ منا سکتے ہیں؟ برتقدیرِ نعم ریڈیو اسٹیشن والے شہر اور دوسرے مقامات اندرونِ صوبہ یا بیرونِ صوبہ کا ایک ہی حکم ہے یا متفرق؟ برتقدیرِ تفریق ما بہ الفرق کیا ہے؟ بینوا

ماجورین من رب العلمین۔

الحمد للہ الذی اعلان مواقیت الاٰئے الاھلۃ ثم ایذان یواقیت عطائے صیرورتہا بدورا اجلہ والصلوٰۃ والسلام علی من رغب فی اھتمام امر الھلال وعلیٰ اٰلہ وصحبہ فی المبدأ والمآل علیٰ قدر الجمال والکمال والنوال اما بعد قول محقق ومفتی بہ یہ ہے کہ جب رؤیتِ ہلال شرعی طور ایک جگہ ثابت ہو جائے تو تمام مکانوں میں عمل لازم ہو جاتا ہے بشرطِ حصول یقین ثبوتِ مذکور یا ظنِ غالب اور یہ قطعًا ضروری نہیں کہ ہر ایک مکلف کو اس کا علم شہادتِ شرعیہ یا حاکمِ شرع سے بلاواسطہ یا باواسطۂ شاہدین یا خبرِ مستفیض حاصل ہو تو لزوم ہو ورنہ نہ ہو، فتاوےٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۰، شامی ج ۲ ص ۳۵۴ اثلثین ج ۱ ص ۲۴۷ میں ہے و النظم من الھندیۃ وذکر شمس الائمۃ الحلوائی[سه] ان ظاھر مذھب اصحابنا رحمھم اللہ تعالیٰ فی ظاھر الروایۃ انہ یجوز الافطار بالتحری کذا فی المحیط اقول وکذا[للعه] الصیام لعموم

سه شمس الائمہ حلوانی نے ذکر فرمایا کہ بلاشک ہمارے اماموں کا ظاہر مذہب ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ بلاشبہ افطار تحری سے جائز ہے، اسی طرح محیط میں ہے ۱۲

للعه میں کہتا ہوں بوجہ عمومِ علت روزے کا بھی یہی حکم ہے ۱۲

اور یہ جواز و جوب پر بھی صادق کہ تحری سے غلبۃ الظن اور غلبۃ الظن سے وجوبِ
واجبات ثابت ہو جایا کرتا ہے۔ شامی نے فرمایا لأنّ التحری یفید غلبۃ
الظن وھی کالیقین کما تقدم۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۰۵، ۱۰۶ میں ہے
انّ غالب الرأی حجۃ موجبۃ للعمل وانہ فی الاحکام بمنزلۃ
الیقین۔ اور ایسے ہی ہدایہ وغیرہا معتمدات میں ہے بنائً علیہ شامی علیہ الرحمہ نے
توپوں کے فائر وغیرہا علاماتِ بینہ کو باعثِ لزوم قرار دیا منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۷۰،
ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲۵ میں ہے لأنّہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن
وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ حتی کہ فائر کنندہ
وغیرہ کی عدالت بھی شرط نہیں۔

ردالمحتار ج ۲ ص ۱۴۵ میں فرماتے ہیں قد یقال ان المدفع فی زماننا
یفید غلبۃ الظن وان کان ضاربہ فاسقا۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ
نے تحقیقِ مذکور کو برقرار رکھتے ہوئے رسالہ طرق اثبات الہلال مصنف جامع الاقوال
کے ص ۲۲ میں فرمایا " حاکمِ شرع کے حضور شہادت نہیں گزرنا، ان پر حکم نافذ کرنا، ہر شخص کہاں
دیکھتا سنتا ہے، بحکم حاکمِ اسلام اعلان کے لئے ایسی ہی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم
کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورہ وغیرہ" اور نشر ریڈیو تو صرف علامت نہیں

صہ اس لئے کہ بلاشبہ تحری مفیدِ غلبۃ الظن ہے اور غلبۃ الظن مانندِ یقین ہے، جیسے گزرا ۱۲

عہ بلاشبہ گمانِ غالب دلیلِ موجبِ عمل ہے اور بیشک وہ احکام میں بمرتبۂ یقین ہے ۱۲

عسہ اسلئے کہ وہ علامتِ ظاہرہ مفیدِ غلبۃ الظن ہے اور غلبۃ الظن دلیل موجب عمل ہے جیسے اس کی تصریح فقہائے کرام نے فرمائی ۱۲

سہ مزید کہا جاتا ہے کہ بیشک توپ ہمارے زمانے میں مفیدِ غلبۃ الظن ہے اگرچہ چلانے والا فاسق ہو ۱۲

بلکہ صریح اعلان و منادی بحکم حاکم اسلام ہے جو مطلقاً مقبول ہے اگرچہ فاسق ہی کرے فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۸۶ میں ہے خبر[للعہ] منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا، بلکہ اخبارات وغیرہا ذرائع سے قیام رویت ہلال کمیٹی کا اعلام جس کے ارکان علمائے کرام ہیں اور حکام اسلام کا اہتمام و انتظام کہ بعد از ثبوت شرعی بذریعہ ریڈیو اعلان عام کر دیا جائے گا، پہلے ہی سے مشہور ہو جانا اور بالعموم نشریات کا اجازات خاصہ پر ابتنا اور عوام و حکام سے عدم اختفاء ایسے قرائن و مقدمات ہیں جن سے اعلان تو اعلان خبر واحد بھی مفید یقین و ایقان بن جاتی ہے بلکہ ایسی خبر واحد اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ باوجودیکہ ائمہ اصول نے صاف صاف تصریح فرما دی کہ خبر واحد اگرچہ مخبر متعدد ہوں، ناسخ حکم قطعی نہیں ہو سکتی مگر یہ خبر مخبر عنہ کا حکم قطعی بوجہ قرائن نسخ کر دیتی ہے چنانچہ کتب معتمدہ احادیث سے آفتاب و مہتاب کی طرح عیاں ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد وہ صحابہ کرام جنہیں علم نہیں ہوا تھا، بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے تو ایک صحابی نے تحویل قبلہ کی خبر دی اور وہ اسی وقت عین نماز میں بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو گئے حالانکہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا ان کی نظر میں اس وقت تک حکم قطعی تھا اور پھر حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انکار ثابت نہیں بلکہ ہدایہ وغیرہا میں ہے کہ تقریر فرمائی تو شراح و علماء نے اس کی بھی توجیہ فرمائی کہ یہ خبر واحد بوجہ قرائن محض خبر واحد نہ رہی لہذا مفید یقین و ناسخ قطعی ہو گئی۔ فتح الباری علی البخاری ج ۱ ص ۴۰۳، شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۰۰، مسلم الثبوت اور شرح بحر العلوم ص ۲۶۹، مختصر المنتہے الاصولی لابن الحاجب اور شرح القاضی العضد ج ۲ ص ۱۹۵، ۱۹۶ میں ہے و النظم للنووی انہ[۱] احتفت بہ قرائن و مقدمات افادت

[للعہ] شاہی ڈھنڈورچی کی خبر مقبول ہے عادل ہو یا فاسق ۱۲

[۱] بلاشبہ اس خبر کا قرائن و مقدمات مفیدۂ یقین نے احاطہ کیا اور یہ محض خبر ہونے سے خارج ہو گئی ۱۲

العلم وخرج عن کونہ خبرا واحدا مجردا۔ عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱ ص ۲۴۸ میں فرماتے ہیں وھو مجمع علیہ من السلف معلوم بالتواتر من عادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی توجیھہ ولاتہ ورسلہ احادا الی الاٰفاق لیعلموا الناس دینھم ویبلغوھم سنۃ رسولہم۔ مختصر المنتہی وشرح العضد ج ۲ ص ۵۵، ۵۶، شرح مسلم لبحر العلوم ص ۱۴۰ میں ہے والنظم للقاضی والمختار انہ یفید العلم بانضمام القرائن۔ قاضی عضد نے مزید افادہ فرمایا واعلم ان العدالۃ لیست شرطا فی افادۃ مثلہ للعلم علی مالا یخفی تفتازانی علیہ الرحمۃ نے حاشیہ میں فرمایا لان التعویل فیہ علی القرائن۔ بلثین ج ۲ ص ۱۲۸ میں ہے ان من جملۃ طرق القضاء القرائن نیز شرع مطہر نے عرف وعادت کا بڑا اعتبار فرمایا ہے، علمائے کرام خط کا اعتبار نہیں فرماتے کہ الخط یشبہ الخط مگر بعض خطوط کا استثناء فرمادیا کہ بوجہ عرف وعادت معتبر ہیں۔ عقود الدریہ ج ۲ ص ۲۰، ردالمحتار ج ۴ ص ۴۹۰ میں معتمداتِ کثیرہ سے ہے ان خط السمسار

عہ اور یہ سلف صالحین سے مجمع علیہ بسبب ثبوتِ متواتر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ کے اکیلے اکیلے افسروں اور ایلچیوں کے روانہ کرنے میں مختلف ملاقہ جات کے لوگوں کو دین اور سنت سکھلانے کے لئے ۱۲

عہ اور مختار یہ ہے کہ بے شک وہ خبر مفید علم ہے انضمام قرائن کے سبب ۱۲

عہ اور بلاشبہ ایسی خبر کے افادہ علم میں عدالت مشروط نہیں چنانچہ یہ نہاں نہیں ۱۲

للعہ اس لئے کہ اس میں قرائن پر اعتماد ہوتا ہے ۱۲

عہ قرینے اسباب فیصلہ سے ہیں ۱۲

سلہ بے شک تاجر اور صراف کا خط دلیل ہے کہ عرف اس پر جاری ہے ۱۲

و الصراف حجۃ للعرف الجاری بہ۔ انہیں میں ہے قد جرت العادۃ[عہ] بین الناس بمثلہ حجۃ۔ نیز فرماتے ہیں قال العلامۃ العینی والبناء[سہ] علی العادۃ الظاھرۃ واجب نیز متنبہ فرمایا کہ ان العمل فی الحقیقۃ[للعہ] انما ھو لموجب العرف لا بمجرد الخط، یہ بھی افادہ فرمایا وھو ما جرت بہ[صہ] العادۃ فھذا کالنطق فلزم حجۃ کما فی الملتقی و الزیلعی من مسائل شتی اٰخر الکتاب و مثلہ فی الھدایۃ و الخانیۃ اور چونکہ مدار کار عرف و عادت ہے لہٰذا اصل ۱۹۴ میں تعمیم فرمادی کہ مسئلہ[سہ] کل ما جرت العادۃ بہ بلکہ بکثرت ایسی کتبِ معتمدہ ہیں کہ بلا نکیرِ منکر صرف غلبۂ ظن و عرف وعادت کی بنا پر آج ان سے استدلال ہو رہے ہیں کما یدل علیہ تحقیق العلامۃ الشامی فی ج ۴ ص ۴۲۵۔ رہا حلبی و طحطاوی و شامی علیہم الرحمۃ کا طریقِ موجب کے تین فرد بیان فرمانا تو وہ مضر نہیں کہ بطریقِ تمثیل کاف تمثیلیہ سے بیان فرماتے ہوئے افادہ فرمایا کہ ایسے مفیدِ ظن و یقین اور فرد بھی ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ فائر و اعلان صرف بحالت ثبوتِ شرعی رؤیتِ ہلال ہی ہوا کریں کما حققنا امامنا فی طریق اثبات الھلال اور چونکہ انگریزی دور اور پاکستان کے ابتدائی ایام میں یہ حالتِ اعتماد نہ تھی لہٰذا مجبوراً عدمِ اعتماد کا

عہ ضرور جاری ہوئی لوگوں میں ایسے کے دلیل ہونے کی عادت ۱۲

سہ علامہ عینی نے فرمایا عادتِ ظاہرہ پر بناء واجب ہے ۱۲

للعہ بے شک حقیقۃً عمل عرف کی وجہ سے ہے نہ نرے خط سے ۱۲

صہ اور وہ وہ ہے جو جاری ہوئی ہے اس کی عادت پس وہ مثل بولنے کی ہے تو دلیل لازم ہو گیا جیسے ملتقیٰ اور زیلعی میں آخر کتاب کے مسائلِ شتی سے ہے اور ایسے ہی ہدایہ اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے ۱۲

سہ یہی حکم ہے ہر اس چیز کا جو جاری ہوئی عادت اس کی ۱۲

فتویٰ رہا مگر اب جبکہ بانتظام حکومتِ پاکستان رؤیتِ ہلال کمیٹی کے حکم سے یعنی علمائے کرام کے حکم سے کہ کمیٹی کے ارکان ہیں، رؤیت ہلال کے ثبوت شرعی کا بذریعہ ریڈیو اعلان کیا جاتا ہے تو اعتبار ضروری ولازم ہو گیا اور دلائلِ مذکورہ جمیع مقامات دور و نزدیک کو شامل ہیں کما لایخفی علی اولی النہیٰ لہذا منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۷۰ میں فرمایا و الظاھر^عہ وجوب العمل بہا علی من سمعہا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا کما یجب العمل بہا علی اھل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شھادۃ الشھود۔

رہا ریڈیو جیسا تبلیغ صوت کا کوئی عمومی ذریعہ زمانِ قدیم میں نہ پایا جانا تو یہ بھی قطعاً مضر نہیں کہ حکمِ کلی بعض جزئیات کے محدود زمانے تک نہ پائے جانے سے مخصوص و مقید بجزئیاتِ موجودہ نہیں ہو جاتا و ذا ابین من ان یبین۔ ثلاثین ج ۱ ص ۱۴۹ میں علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ السامی سے ہے فلا^عہ یقال فی الجزئیات التی انطبق علیھا احکام الکلیات انھا غیر منقولۃ ولا مصرح بھا بلکہ بداہت عقل شاہدِ عدل کہ نزدیک و دور والے دونوں اعلان ریڈیو بلا واسطہ رواۃ بلاشک و شبہ برابر سنا کرتے ہیں تو نزدیک و دور کا تفرقہ محض تحکم اور انکار ضروریات کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ بفضلہ و کرمہ تعالیٰ دلائلِ شرعیہ قاہرہ باہرہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منادی جو نزدیک والوں کے لئے قابلِ قبول و معتمد ہو اگر دور والے بھی سن لیں تو ان کے حق میں بھی قابلِ قبول و معتمد ہی رہتی ہے، تاریخ اسلام پُر زور

عہ اور ظاہر وجوبِ عمل ہے ان نائروں پر ایسے لوگوں کے حق میں جو شہر سے باہر ہوں اور سن لیں جیسے دیہات والے اور ان جیسے جس طرح ان نائروں پر عمل ان شہریوں پر لازم ہے جنہوں نے گواہوں کی شہادت سے پہلے حاکم کو نہیں دیکھا ۱۲

عہ تو ان جزئیات کے متعلق جو قواعدِ کلیہ کے تحت داخل ہوں یہ نہ کہا جائے کہ وہ غیر منقولہ اور غیر مصرح بہا ہیں ۱۲

منادی فرما رہی ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے دوران خطبۂ جمعۃ المبارکہ میں یاساریۃ الجبل فرما رہے ہیں اور نہاوند کے دورافتادہ پہاڑوں میں حضرت ساریہ سنکر قابلِ قبول مانتے ہوئے جہاد اور اس کی بھی نازک ترین گھڑی میں ہزارہا یہادرانِ اسلام کی حیات وموت کا مسئلہ اسی ندا سے حل فرما رہے ہیں، اور حضرت ذوالنورین وشیرِ خدا مع جمیع اجلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کے جواز پر مجمع دکھائی دے رہے ہیں اور خود قرآن کریم اعلان فرما رہا ہے کہ حضرت جدالانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے باذنہ تعالیٰ ایک مقام پر کھڑے ہو کر ایک رکنِ اسلام کی ادائیگی کی منادی فرمائی جس پر شرقاً غرباً شمالاً جنوباً اس وقت سے لے کر آج تک ہزارہا برس سے برابر عمل ہوتا چلا آرہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا، اللہ رب العلمین نے حکم دیا وآذن فی الناس بالحج یاتوك الآیۃ کما صرح بہ جمہور المفسرین ویدل علیہ المضارع المجزوم الواقع جواب الامر المتقید بضمیر الخطاب یأتوك.

نیز فقہائے کرام نے تصریح فرمائی کہ متواتر ومستفیض بوجہ افادۂ یقین معتبر ہے حالانکہ تواتر واستفاضۂ احادیث کا فرق صرف اسناد ورواۃ کے لحاظ سے ہی ہے حتّٰی کہ ایسی خبر جو بلا واسطۂ رواۃ موصول ہو وہ متواتر ومستفیض سے افادۂ یقین میں قطعاً کم نہیں کما بین فی مظانہ وذا اوضح جدا۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ فقیر کی نظرِ حال میں متعدد آیات، بکثرت احادیث، صدہا جزئیات وقواعدِ فقہیہ سے مدعائے معہود پر دلائل قائم کئے جاسکتے ہیں مگر بنظرِ اختصار انہیں چند دلائلِ مذکورہ پر اقتصار کیا جاتا ہے کہ متلاشیٔ حق کے حق میں باذنہ تعالیٰ یہی کافی اور ضد وعناد کی صورت میں صدہا دفتر بھی ناوافی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ

ــــہ اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے ۱۲

تعالیٰ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

(نوٹ) کاتبِ دارالافتاء کی عدم موجودگی میں مولوی محمد صدیق صاحب نیر النوری ارقامِ فتویٰ کے وقت استفتاء تحریر کرنا بھول گئے

اخبار، ٹیلیفون اور تار محض اخبار اور اثبات رؤیتِ ہلال کے متعلق بیکار اور بلا اعتبار ہیں اور سائل نے وغیرہ کی توضیح نہیں کی، اس کا دائرہ بڑا وسیع ہے، بعض معتبر ہے جیسے خبر مستفیض اور بعض مردود جیسے افواہ بازار اور ریڈیو کی خبر منادی واعلان عام ہے اور شہادت کی طرح خبر میں داخل ہے اور وہ قسیم شہادت ہے جیسے اعتبارِ شہادت کے لئے شرائط ہیں کہ ان کے بغیر معتبر نہیں، یونہی اعلان کے لئے بھی شرائط ہیں، پائے جائیں تو معتبر ہے ورنہ نہیں بنا بر علیہ حاکم اسلام کا ایسا اعلان جو باقاعدہ شرعی ثبوت

پر مبنی ہو یقیناً معتبر ہے عام ازیں کہ خود کرے یا کسی کو حکم دے۔ ہمارے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعد از ثبوتِ ہلال اعلان کرانا روزِ روشن کی طرح ثابت ہے سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۰۲، ترمذی ج ۱ ص ۹۹، نسائی ج ۱ ص ۳۰۰، ابنِ ماجہ ص ۱۲۰، بیہقی ج ۴ ص ۲۱۱، ۲۱۲، دارقطنی ص ۲۲۸، مستدرک ج ۱ ص ۴۲۴، مشکل الآثار ج ۱ ص ۲۰۲ وغیرہا کتب کی احادیثِ کثیرہ شہیرہ میں باسانیدِ متکاثرہ والفاظِ متقاربہ ہے والنظم من ابی داؤد قال (صلی اللہ علیہ وسلم) یا بلال اذن فی الناس فلیصوموا غدا۔ یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اے بلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں، اور بخاری ج ۱ ص ۲۵۷، مسلم ج ۱ ص ۳۵۹ صومِ یومِ عاشوراء کے اعلان کرانے کا بیان ہے، فتاوے عالمگیر ج ۴ ص ۸۶ میں ہے خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا یعنی سلطانِ اسلام کے اعلان کی خبر معتبر ہے عادل ہو یا فاسق اور جب ثابت ہوا کہ شرعی اعلان معتبر ہے تو اس کا بذریعہ ریڈیو ہونا بے اعتبار نہیں بنا سکتا کہ وہ وہی اعلان تو رہتا ہے جو نہایت واضح اور صریح طور پر وسیع ہو جاتا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے تو توپوں کے فائر جیسے دھماکوں کا بھی اعتبار فرماتے ہوئے موجب للعمل قرار دیا ہے، شامی ج ۲ ص ۱۲۵ میں ہے قلت والظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ واحتمال کون ذلک بغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذلک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۰ میں فرماتے ہیں لم یذکروا عندنا العمل بالامارات الظاھرۃ الدالۃ علی ثبوت الشھر کضرب المدافع فی زماننا والظاھر وجوب العمل

بهاعلى من سمعها ممن كان غائبا عن المصر كاهل القرى ونحوها كما يجب العمل بها على اهل المصر الذين لم يروا الحاكم قبل شهادة الشهود۔

اس کا ملخص یہ کہ ایسی علامتیں ظاہرہ جو چاند کے ثبوتِ شرعی کا پتہ دیتی ہیں جیسے ہمارے زمانے میں توپوں کے فائر یا چراغاں کو دیکھنا تو ظاہر یہ ہے کہ اہلِ قریٰ یا ان پر جو شہر سے غائب ہیں اور سن رہے ہیں ان کے موافق عمل کرنا لازم ہے کہ یہ ایسے نشانات ظاہرہ ہیں کہ غلبۂ ظن کے مفید ہیں اور غلبۂ ظن عمل کو واجب کر دینے والا ہے جیسے فقہائے کرام نے تصریح فرمائی، اور یہ احتمال کہ یہ فائر یا چراغاں کسی اور سبب سے ہوں، بعید ہے۔

امامِ اہلِ السنت والجماعت مجددِ مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علامہ شامی کی اس تحقیق کو برقرار رکھتے ہوئے فرماتے ہیں "بحکم حاکمِ اسلام اعلانِ عام کے لئے ایسی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ" (طریقِ اثباتِ ہلال ص ۲۲)

ہاں ریڈیو کا وہ اعلان جو بلا ثبوتِ شرعی ہو وہ معتبر نہیں اور یونہی وہ شہادت بھی جو شرعی نہ ہو قابلِ اعتبار ہی نہیں، رہی سائل کی سنی سنائی بے محل طویل لاطائل تقریر تو وہ شرعی اعلانوں کو غیر معتبر قطعاً ثابت نہیں کر سکتی جسے دعویٰ ہو وہ سامنے آئے۔

امامِ اہلِ السنت والجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان ریڈیو کے متعلق جو شرعی طور پر مبنی ہو، قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ غیر معتبر ہے ہاں ایسی عبارات اخبار تار کے رد میں ذکر فرمائیں جو اعلان نہیں، وہ تو صرف شرعی اعلان نہیں بلکہ توپوں کے فائر تک کو مانتے ہیں جیسے ابھی گزر چکا تو ایسے اعلان ریڈیو کو کیسے غیر معتبر فرمائیں، ان کی کسی کتاب میں قطعاً یہ نہیں، اگر دلائل سائل سے اعلانِ ریڈیو کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جیسے سائل کا خیال ہے

تو پھر کوئی اعلان بھی معتبر نہیں رہے گا چہ جائیکہ توپوں کے فائر یا ڈھنڈورے جیسے علاماتِ محضنہ کہ ان میں سے کوئی چیز بھی قطعاً شہادت نہیں۔

تعجب ہے کہ طریق موجب کو یوں بند کیا جاتا ہے حالانکہ علامہ شامی و طحطاوی وغیرہما نے کاف تمثیلیہ سے وسعت پر متنبہ فرمایا بلکہ علامہ شامی نے اماراتِ ظاہرہ توپوں کے فائر وغیرہ کو صراحۃً موجبہ فرمایا کما مرفا فھم ان کنت ممن یفھم۔ پھر سائل کا وما اٰتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا لکھنا بھی لکیر کا فقیر بننا ہے۔ ہم نے روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شرعِ اطہر سے اعتبارِ اعلان ثابت ہے تو ما اٰتاکم الرسول کے خلاف کیسے ہے، پھر سائل کا صوموا لرؤیتہ لکھنا تعجب خیز ہی ہے۔ کیا سائل یہ سمجھتا ہے کہ ایک ایک مکلف مرد و زن چاند دیکھیں تو روزہ و عید لازم، ورنہ نہیں اگر یوں ہوتا تو اعلان کیا شہادت بھی نہ رہتی۔ اور عبارتِ ہدایہ سے استدلال بھی عدم اھتداء الی المدعی کی دلیل ہے۔ اس عبارت سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ ثبوت شرعی پر مبنی شرعی اعلان غیر معتبر ہے والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۴؍شوال المکرم

۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رؤیتِ ہلال میں ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ نیز ظاہر ہے کہ ہمارے پنجاب کے کسی علاقے میں جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو چاند نظر نہیں آیا ریڈیو کی خبر پر روزہ نہ رکھنے والوں کا روزہ توڑنا شرعاً کیسا ہے؟ توڑنے والے کی تعزیر مقرر فرمائیے اگر روزہ توڑنا درست ہے تو اس کو برا بھلا کہنے والوں کی سزا شرعاً کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: حافظ محمد الٰہی بمقام چک نمبر ۵ رتی ارائیاں ڈاکخانہ خاص تحصیل وضلع شیخوپورہ

اعلان جو حکومت کی طرف سے ہو معتبر ہے، فتاوے عالمگیر ج ۴ ص ۸۶ میں ہے
خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا، اعلان تو نقارہ توپ وغیرہ کا ہر زمانے میں معتبر مانا گیا ہے جبکہ صرف ایک مخصوص کھڑکے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تو ریڈیو کا اعلان کیوں معتبر نہ ہو جبکہ صاف صاف انسانی الفاظ سنے جاتے ہیں البتہ یہ امر قابلِ غور ہے کہ حاکمِ شرع نے شرعی احکام کے مطابق اعلان کا حکم دیا ہے یا دلیے ہی کسی نے اپنی طرف سے کرا دیا۔ یہ کہنا کہ پنجاب کے کسی علاقے میں چاند نظر نہیں آیا، غلط ہے، اعلانِ ریڈیو میں یہ بات نہیں کہی گئی مگر اس کو غیر معتبر کہنے والوں نے اسی اعلان سے اپنی غلط سمجھی ہوئی بات کا اعتبار کر لیا ہے۔ یہاں بصیر پور میں شرعی رؤیۃ

کے لحاظ سے پہلا روزہ جمعہ کا ہے، روزہ توڑنے والے نے شرعی دلیل سے توڑا ہے تو اس کو ہرگز برا نہ کہا جائے، تعزیر و سزا کا مقرر کرنا یا حکم دینا حاکمِ اسلام کا کام ہے. واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ و اصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
البانی والمہتمم لدار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور.
۱۴ ار رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ ۱۲/۶۸

الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی زمان علامۂ دوراں شمس العلماء افضل الفضلاء،
حامئ شریعت ماحئ بدعت مولٰنا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد عرض ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کے متعلق براہِ کرم بحیثیتِ شرع جواب فرما کر ہمیں اپنے فیوضات سے مستفیض فرمائیں، فاجروا.

۱۔ رؤیتِ ہلال کے بارہ میں ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں ؟

۲۔ جو ہلال کمیٹی بنائی گئی ہے اس کی شریعت میں کیا حیثیت ہے ؟ اگر ان کی طرف سے رؤیتِ ہلال کی خبر ملے تو کیا حکم ہے ؟

۳۔ ماہِ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ کے چاند کے بارہ میں جو ریڈیو کی خبر نشر ہونے

کے علاوہ اور ملک میں عدمِ رؤیتِ ہلال کا ثبوت مل رہا ہے، اس میں فیصلہ فرمائیں کیا واقعی چاند نظر آیا ہے یا نہیں؟ جمعہ کے روزہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

السائل:۔ محمد اکرم نقشبندی مجددی عفی عنہ موضع اسمٰعیل اعوان تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ:۔ فقیر بہت زیادہ مصروف ہے مگر آپ کی فوری طلب کے پیشِ نظر نہایت مختصر جواب حاضر ہے:

۱۔ ریڈیو کی خبر جس کا اصل نام اعلان ہے کیوں غیر معتبر ہے جبکہ نقارہ توپ وغیرہ کے فقط کھڑکے ہی اعلان میں معتبر ہو سکتے ہیں۔

۲۔ اگر ہلال کمیٹی میں سُنّی عالمِ کامل ہے جو شرعی دلیل سے حکم کرتا ہے تو معتبر ہے۔

۳۔ آپ نے سن بالکل غلط لکھا ہے، سنِ حال ۱۳۸۸ھ ہے اور ۱۳۶۸ھ نہیں، البتہ سن عیسوی ۱۹۶۸ء ہے، آپ نے کمال عجلت سے دوسرے سن کا ۶۸ اور پہلے کا ۱۳ سو لیکر نیا سن بنا دیا، بہرحال امسال یکم رمضان المبارک یوم الجمعہ ہے۔ یہاں بصیر پور سے مجھے شہادتِ شرعیہ ملی ہے لہٰذا جمعہ کا روزہ صحیح اور فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۸ر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ ۶۸-۱۲-۹

الاستفتاء

بخدمت جناب فیض درجت فیض راحت فیض مآب حضرت قبلہ

فقیہ اعظم محمد نور اللہ صاحب مدظلہم العالی

بعد از ہدیۂ تبریک سلام مسنون عرض ہے: مندرجہ ذیل مسئلہ کا جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، عین نوازش ہوگی:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ چاند دیکھنے کا ثبوت ریڈیو یا ہلال کمیٹی یا ٹیلی فون تار وغیرہ کے اعلان سے از روئے شرع کے معتبر ہے یا نہیں؟ ہلال کمیٹی یا ریڈیو کے اعلان سے روزہ رمضان شریف رکھ سکتا ہے عید پڑھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

نیازمند: محمد عنایت اللہ بخاری ہملیسی مدرسہ مصباح العلوم ہیڈ بازار ملیسی ضلع ملتان ۱۷-۵-۶۹

شرعاً اعلان کے لئے کوئی ایک صورت متعین نہیں حتیٰ کہ نقارہ بجانا، توپ کا فائر یا چراغاں کرنا بھی اعلان بن سکتا ہے تو ریڈیو کا اعلان بھی معتبر ہو سکتا ہے۔

سائل کا سوال کوئی واضح نہیں لہذا اسی اصولی جواب پر اکتفا ہے، اگر باقاعدہ شرعی ثبوت ہو جائے تو شرعی اعلان اگرچہ ریڈیو کے ذریعہ ہی ہو اس پر رمضان شریف کے روزے اور عید مرتب ہو سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی

حبیبہ الاکرم و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۹ صفر ۱۳۸۹ھ ۱۷/۵/۶۹

الاستفتاء

(نوٹ) مدینہ منورہ سے ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ کے تحریر کردہ خط میں مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری نے بطور استفتاء یہ مسئلہ لکھا ہے :۔

ایک شخص جدہ سے چاند عید کا دیکھ کر جائے، کراچی روزہ نہ رکھے لیکن احتراماً کھائے بھی نہ، کیا یہ درست ہے؟ یعنی عرب شریف میں شام کو چاند دیکھ کر بذریعہ طیارہ رات ہی کراچی آگیا اور یہاں چاند نظر نہیں آیا تھا بلکہ رمضان المبارک کی ۲۸ ویں رات تھی (کما فی ہذا العام) یا ۲۹ ویں یا ۳۰ ویں شب یا یوم تھا اور یہاں کے لوگوں پر حسبِ دستور روزہ لازم تھا تو وہ کیا کرے جبکہ عید الفطر کا چاند دیکھ کر آیا ہے تو اس سوال کا یہ جواب کہ کراچی روزہ نہ رکھے کیونکہ وہ خود چاند دیکھ چکا ہے مگر احتراماً کھائے بھی نہ کیونکہ کراچی میں ابھی رمضان المبارک منایا جا رہا ہے، کیا یہ جواب صحیح ہے یا یہ کہ یہاں کے روزہ داروں کی موافقت کرتے ہوئے باقاعدہ روزہ رکھے؟

صحیح یہ ہے کہ موافقت در روزہ لازم ہے کیونکہ جماعتِ مسلمین جبکہ وہ اکثریت میں ہوں اور

اپنے طور حسبِ دستورِ شرع رمضانِ پاک یا عیدِ قربانی منا رہے ہوں یا حج کے لئے عرفات کی حاضری دیں تو ان کی موافقت ضروری ہے کیونکہ عند اللہ تعالیٰ وہ ایامِ رمضان یا عید اور یوم عرفہ ہی شمار ہوں گے حضرتِ ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثِ مرفوع صحیح ترمذی ص ۱۱۱ میں ہے الفطر یوم یفطر الناس والاضحیٰ یوم یضحی الناس، اور سننِ بیہقی ج ۴ ص ۲۵۲ میں موقوفاً ہے النحر یوم ینحر الناس و الفطر یوم یفطر الناس۔ اور حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ مرفوع سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۱۸، سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۵۲ میں ہے فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون، ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰ اسکے کلماتِ طیبات الصوم یوم تصومون و الفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون ہیں، سنن بیہقی میں بایں کلماتِ مبارکہ بھی ہے صومکم یوم تصومون واضحاکم یوم تضحون، ابن ماجہ ص ۱۲۱ میں ہے الفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون، مبسوط ج ۴ ص ۷۵، بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۲۶، زیلعی ج ۲ ص ۹۳، فتح القدیر ج ۳ ص ۸۶، البحر الرائق ج ۳ ص ۴۷، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۵۵۸ میں مرفوع حدیث شریف میں یہ اضافہ بھی ہے عرفتکم یوم تعرفون اور مبسوط وبدائع میں ہے فی روایۃ حجکم یوم تحجون۔

ان سب احادیث کا مفاد یہی ہے چنانچہ ترمذی شریف ص ۱۰۰ میں ہے انما معنی ھذا الصوم و الفطر مع الجماعۃ وعظم الناس، فتح القدیر ج ۳ ص ۸۶، تبیین الحقائق ج ۲ ص ۹۳، البحر الرائق ج ۳ ص ۴۷، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۵۵۸ میں ہے والنظم لمن سوی الزیلعی ای وقت الوقوف بعرفۃ عند اللہ تعالیٰ الیوم الذی یقف فیہ الناس عن اجتہاد ورأی انہ یوم عرفۃ۔ اور فتح القدیر ج ۲ ص ۲۴۹ میں ہے ان

المعنى الذى بہ تستقيم الاخبار ان الصوم المفروض يوم يصوم الناس والفطر المفروض يوم يفطر الناس اعنى بقيد العموم اور صوم وحج میں فقہائے کرام کے نزدیک بھی ان احادیث کا یہی معنی متعین ہے بناءً علیہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اکیلا ہلالِ فطر دیکھنے والا لزوماً روزہ رکھے، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۵، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۱۸، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲، ص ۱۲۳، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۵۴، ہدایہ، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۲، فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۱ میں ہے والنظم منها من راٰه وحده لا يفطر اخذا بالاحتياط فى العبادة بلکہ اگر خود خلیفہ یا قاضی اکیلا دیکھ لے تب بھی اس پر روزہ لازم ہے، ہندیہ میں ہے لو رأى الامام وحده او القاضى وحده هلال شوال لا يخرج الى المصلى ولا يأمر الناس بالخروج لا سرا ولا جهرا اور یونہی اکیلا رمضان کا چاند دیکھے اور اس کا قول نہ مانا جائے تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ عید کرے حتیٰ کہ اگر اس کے تیس پورے ہو گئے اور عید الفطر کا چاند ثابت نہ ہوا تو لوگوں کے تیسویں روزے کے ساتھ یہ اکتیسواں روزہ رکھے، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۱۹، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۶ میں بالفاظِ متقاربہ ہے ان المنفرد برؤية هلال رمضان اذا صام و اكمل ثلاثين يوما لم يفطر الا مع الامام.

رہا مسئلۂ اختلافِ مطالع تو اس کا عدمِ اعتبار ظاہر الروایہ سے ثابت ہے، اس بنا پر اگر شہادتِ شرعیہ سے کراچی بھی چاند ثابت ہو گیا اور عید منائی جائے تو وہ شخص بھی لزوماً عید منائے گا مگر پاکستان میں عملاً اختلافِ مطالع معتبر ہے یعنی عرب

سه وصرح به فى البدائع وتبيين الحقائق وغيرهما وهو المستفاد من قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه وهو الظاهر عندى وما تشبثوا به من ان الحكم على الرؤية لا يقوم حجة كما فى الرائعى و قد نهست قبل رؤيته وكتبت على حاشيته ما يوضح المراد ويحقق والله تعالى اعلم ۱۲ منه غفرله

صه وما فى ظاهر الرواية فهو اولى عندى والله تعالى اعلم ۱۲ منه غفرله

شریف میں چاند ہونا اگر پاکستان میں شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہو جائے تب بھی عید نہیں منائی جاتی تو کراچی والوں کے ساتھ اس شخص پر بھی روزہ لازم ہوگا اور اگر جدہ سے دیکھ کر آنے والے متعدد ہوں تو پھر بھی یہی حکم ہے بحکم الحدیث المبارک اکثریت و جماعت کا ہی اعتبار ہے چنانچہ منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۶۶ میں ہے وافاد الخیر الرملی انہ لوکانوا جماعۃ وردت شہادتہم لعدم تکامل الجمع العظیم فالحکم کذلک اقول وکذلک اذا جاء وا من البلد البعید الذی مختلف مطلعہ واعتبر اختلافہ الحاضرون فی البلد المجیٔ الیہ لان العلۃ موجودۃ ھٰہنا ای الاعتبار للجمہور والاکثرین بحکم الاحادیث الشریفۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ رشوال المکرم یوم الاربعاء ۱۳۹۳ھ

بمطابق ۳۱ بعد الظہر

اعتکاف

باب الاعتکاف

اعتکاف 'عکوف سے ہے۔ جس کا معنی ہے 'ٹھہرنا-----

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

العکوف الاقبال علی الشئ و ملازمته علی سبیل التعظیم له----(المفردات 'جلد ۳ 'صفحہ ۱۳۶)

''عکوف کے معنی ہیں کسی جگہ رہنے کو تعظیماً لازم کر لینا''-----

اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے 'مسجد میں بہ نیت عبادت کسی معین مدت کے لئے مقید ہونا کہ بجز بشری ضرورتوں کے مسجد سے باہر نہ نکلا جائے:

هو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربة----(المفردات 'جلد ۳ 'صفحہ ۱۳۶)

اعتکاف ایک قدیم عبادت ہے 'اللہ رب العزت جل و علا نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو حکم فرمایا:

ان طهرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود----(البقرہ: ۱۲۵)

"تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھو"-----

آغاز وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی غار حرا میں خلوت گزینی ایک گونہ اعتکاف کی صورت تھی-----

اعتکاف ایک کریم اور جواد کے دروازے پر جم کر بیٹھ جانے کا نام ہے۔ دروازے والے کو اپنے دروازے کی لاج ہوتی ہے۔ وہ کریم' گھر (مسجد) میں آنے والے کو محروم نہیں رکھے گا۔ اعتکاف کے ذریعے دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور متوجہ ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔ خاص طور پر رمضان المبارک میں بیس دن اور راتیں انعامات الٰہیہ کی برکھا سے متمتع ہونے کے بعد روح نکھر نکھر جاتی ہے' دلوں کے زنگ اترنے لگتے ہیں تو آخری عشرہ یکسوئی کے ساتھ مسجد میں گذارنے سے دل صیقل ہو جاتے ہیں اور انوار و تجلیات ربانیہ کا حقیقی رنگ چڑھ جاتا ہے-----

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ہر سال اعتکاف فرماتے' بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا-----

اعتکاف تین قسم کا ہے:

(۱)......واجب (۲)...... سنت مؤکدہ (۳)...... نفل

واجب

وہ اعتکاف ہے' جس کی نذر مانی جائے' اس کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے-----

سنت مؤکدہ

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف۔ یہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے' یعنی محلہ یا شہر میں سے اگر کوئی اعتکاف کر لے تو سنت ادا ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی تو سب ترک سنت کے مرتکب ہوں گے-----

نفل

اس اعتکاف کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے' آدمی جب بھی مسجد میں داخل ہو اور یہ نیت کر لے کہ جب تک میں مسجد میں رہا' اعتکاف سے رہوں گا۔ اسے اعتکاف حکمی بھی کہتے ہیں اور اس کا اجر یہ ہے کہ جب تک مسجد میں رہا' معتکف کا اجر و ثواب پاتا رہے گا-----

اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے جب کہ نفلی اعتکاف میں روزہ کی شرط نہیں ہے-----

☆ رمضان کے آخری دس روزہ اعتکاف کی نیت شرط ہے-----

☆ اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے' جہاں پانچ وقت اذان' اقامت اور جماعت ہوتی ہو-----

☆ اعتکاف کے لئے اسلام' عقل اور جنابت' حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے-----

☆ صحت اعتکاف کے لئے بلوغ شرط نہیں ہے بلکہ سمجھ دار نابالغ بچہ بھی اعتکاف بیٹھ سکتا ہے۔ عورتیں گھر میں کوئی جگہ مخصوص کر کے اعتکاف کریں اور سوائے حاجت انسانی کے اس جگہ سے باہر نہ نکلیں۔ عورت کے لئے مسجد میں اعتکاف مکروہ ہے-----

☆ معتکف انسانی حوائج ضروریہ (قضائے حاجت' استنجا اور غسل فرض) اور وضو کے لئے باہر جا سکتا ہے-----

☆ شرعی عذر کے بغیر مسجد سے نکلنے کی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے' مریض کی عیادت' جنازہ' ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کی غرض سے مسجد سے باہر نہ نکلے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ مجامعت' بوسہ دینے' معانقہ کرنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے-----

☆ اگر گھر سے کھانا لانے والا کوئی نہ ہو تو گھر سے کھانا خود لا سکتا ہے-----

☆ معتکف کے لئے مسجد میں کھانا' پینا' سونا' دینی کتب کا مطالعہ کرنا' دینی مسائل بیان کرنا' گفتگو کرنا بشرطیکہ وہ آداب مسجد کے منافی نہ ہو' جائز ہے-----

☆ حالت اعتکاف عبادت سمجھ کر خاموش رہنا منع ہے' ہاں گناہوں سے بچنے کے لئے خاموشی اختیار کرنا بہتر ہے-----

آداب

☆ معتکف کو چاہئے کہ وہ مسجد میں غیر ضروری گفتگو سے بچے-----

☆ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہے-----

☆ قرآن کریم کی تلاوت' احادیث اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے' انبیائے کرام اور صالحین کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کرے-----

☆ ذکر الٰہی' استغفار' درود شریف اور نوافل کی کثرت رکھے' قضا ہونے والی نمازیں زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کرے-----

☆ نماز باجماعت اور تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے دے۔ اپنے اوقات کو حقیقتاً یا حکماً نماز میں مصروف رکھے کیوں کہ معتکف مسجد میں رہ کر نماز باجماعت کا منتظر رہتا ہے اور نماز کے انتظار کرنے والے کو اللہ جل شانہ نماز ہی کا ثواب دیتا ہے۔ گویا نیت صالح ہو تو معتکف کو ہمہ وقت نماز کا ثواب ملتا رہے گا-----

☆ افضل مسجد میں اعتکاف کرے' مثلاً :

مسجد حرام' مسجد نبوی شریف' بیت المقدس' جامع مسجد یا جن مساجد میں نمازی زیادہ ہوں-----

☆ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ وہ بیس رمضان المبارک کو غروب آفتاب سے پہلے پہلے نیت کر کے مسجد میں معتکف ہو جائے اور عید کا چاند نظر آنے تک (۲۹ یا ۳۰ رمضان کو غروب آفتاب تک) معتکف رہے-----

☆ اعتکاف کی حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

من اعتكف عشراً فی رمضان كان كحجتين و عمرتين-----

(شعب الایمان، للبیہقی، جلد ۳، صفحہ ۴۲۵، حدیث ۳۹۶۶)

"جس شخص نے رمضان کے دس دن کا اعتکاف کیا گویا کہ اس نے دو حج اور دو عمرے کر لئے"-----

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہمیں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے، آپ نے فرمایا:

للمعتکف کل یوم حجة----(شعب الایمان، حدیث ۳۹۶۸)

"معتکف کے لئے روزانہ ایک حج کا ثواب ہے"-----

فتاویٰ نوریہ کے باب الاعتکاف میں صرف ایک استفتاء ہے، جس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ دوران اعتکاف دینی مسائل بیان کرنے اور جائز گفتگو کی اجازت ہے-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

بابُ الاعتکاف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد میں ہمارے پیش امام صاحب اعتکاف بیٹھے ہیں مگر ان کا اعتکاف نرالا ہی ہے کہ نہ تو وہ عام معتکفین کی طرح ہر وقت اوڑھتے رہتے ہیں بلکہ ننگے منہ جماعت بھی کراتے ہیں، باہر پیشاب پاخانے جاتے وقت بھی ننگے منہ جاتے ہیں اور نہ ہی مطلقاً خاموشی دائمی اختیار کی ہے بلکہ نماز کے بعد درس بھی دیتے ہیں، بچوں کو سبق بھی پڑھاتے ہیں، جمعہ میں تقریر بھی کرتے ہیں اور معترضین کے اعتراضوں کا جواب بھی دیتے ہیں بلکہ لوگ اس کے پاس جاکر مسائل پوچھیں تو ان سے بھی باتیں کرتے ہیں اور جوابِ مسائل بھی دیتے ہیں، ہم نے خود دیکھا ہے کہ جمعہ کے دن چند باہر کے لوگ بعد از جمعہ مولوی صاحب کے پاس گئے اور مولوی صاحب سے کہا کہ ہم اس لئے سفر کرکے آتے ہیں کہ جمعہ پڑھیں گے اور چند مسائل دریافت کریں (وہ لوگ مختلف گاؤں کے امام تھے) تو مولوی صاحب ان سے ہمکلام ہوئے اور ان کے سوالوں کا جواب دیتے رہے اور ایک دن ایک مولوی صاحب سے یوں بھی کہہ دیا کہ آئیے نعت سنائیے، بلکہ جب کوئی ان کا دوست

علماء آجائے تو اس سے ملتے بھی اور باتیں بھی کر لیتے ہیں اور ان کے ساتھ کھانا بھی
کھا لیتے ہیں، تو کیا یہ سب مندرجہ بالا کام معتکف کے لئے جائز ہیں؟

ہمارے ایک شاہ صاحب ہیں، فرماتے ہیں کہ اعتکاف فرض کفایہ ہے اور
معتکف کے لئے بات وغیرہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ جماعت بھی نہ کرانی چاہئے
وہیں گوشے میں بیٹھے رہنا ضروری ہے، جماعت کے لئے خادمِ مسجد کو کہہ دیں اور
جب جماعت میں آویں تو پردہ ضروری ہے بلکہ پانچ ساڑھے پانچ گز چادر اوپر اوڑھ کر
گوشہ سے نکلیں، اب یہ امام صاحب ان باتوں سے منافق ثابت ہو گئے ہیں، ان کے
پیچھے تو نماز بھی جائز نہیں، ہم تو مجبوراً پڑھتے ہیں، کل ان شاہ صاحب کو انوار بارک اللہ
سے ان باتوں کا جائز ہونا اور بخاری شریف کی وہ روایت سنائی جس میں مائی عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ السلام کا حالتِ اعتکاف میں سر دھونا اور کنگھی کرنا ہے تو شاہ
صاحب نے فرمایا کہ انوار کوئی معتبر کتاب نہیں اور بخاری تو سکھوں کی بھی چھپی ہوئی ہے
اس کا کیا اعتبار ہے، لہذا آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ شریعت کی رو سے
فیصلہ فرماویں کہ شاہ صاحب کی باتیں کہاں تک صحیح ہیں، نیز اعتکاف سنت ہے یا فرض،
اور کفایہ کا کیا مطلب ہے، مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر محلہ یا بستی سے کوئی بھی اعتکاف
نہ بیٹھے تو سب گنہگار ہیں، شاہ صاحب اس کو بھی غلط کہتے ہیں۔ بینوا توجروا
من رب العلمین۔

۲۵ر رمضان المبارکہ ۸۷ھ

امورِ مذکورۂ سوال شرعاً معتکف کے لئے سب جائز ہیں، قرآنِ کریم اور احادیث

شریعۃ قولیہ وفعلیہ وتقریریہ سے، قرآن کریم فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر، فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ ارشاد ہے ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ۔ اور یہ بھی حکم فرمایا وتعاونوا علی البر والتقوی نیز یہ بھی حکم فرمایا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر نیز فرمایا الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر، نیز ارشاد فرمایا لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا وغیرہا صدہا آیات ہیں جن سے جواز بلکہ بہت سی چیزوں کا فرض ہونا مطلقاً ثابت ہے۔

ان آیات کا ترجمہ کسی حافظ صاحب سے نکلوا کر خود پڑھ لیں، اور قرآن کریم میں تو صاف فرمایا ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد یعنی اعتکاف کی حالت میں بیویوں سے مباشرت کو منع فرمایا ہے نہ کہ سب چیزیں ہی حرام ہوگئیں۔ اگر آپ کا یہ بیان درست ہے کہ شاہ صاحب نے واقعی یہ سب کچھ کہا ہے تو اگر لوگوں کو ان سے ہمدردی ہے تو ان کے دل و دماغ کا کسی حاذق حکیم یا ڈاکٹر سے علاج کرائیں مخبوط الحواس کے سوا ایسے بے تکے اور بے ہا اعتراض کوئی کرہی نہیں سکتا ہاں اگر کوئی مفتری معاند براہ شرارت کرے تو وہ اور بات ہے، قرآن کریم نے فرمایا ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔ متاع قلیل ولھم عذاب الیم ۔

آپ حضرات بھی بہت ہی عجیب مذاق کے واقع ہوئے ہیں، کوئی کچھ کہہ دے خواہ عقل وانصاف سے کتنا ہی دور اور صاف صاف غلط ہو آپ فتوے پوچھنے

شروع کردیتے ہیں، کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو صحیح بخاری کو صرف اس وجہ سے نہیں مانتا کہ کبھی سکھوں نے بھی اس کو چھاپ لیا تو وہ قرآنِ کریم کو کیسے ملنے گا کہ قرآنِ کریم کو بھی سکھ چھاپتے رہتے ہیں ع جوابِ جاہلاں باشد خموشی، پر یہی عمل بہتر ہے، مجھے زیادہ فرصت نہیں لہٰذا اسی پر اکتفار کرتا ہوں کہ طالبِ حق کیلئے ایک حرف بھی کافی ہے اور ہٹ دھرمی ہو تو دفتر بھی ناکافی۔ اعتکاف فرض مطلقاً نہیں اور منت سے واجب ہو جاتا ہے، اور ماہِ رمضان کے عشرۂ آخر کا سنت کفایہ ورنہ مستحب ہے اور سنت کفایہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک دا کرے تو ترکِ سنت کا بوجھ اہلِ محلہ پر نہیں رہے گا اور اگر سب ترک کر دیں تو سب زیرِ بار رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶ رمضان المبارکہ ۷۵ھ

ج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران : ۹۷)

"اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو
طاقت رکھتا ہے وہاں تک پہنچنے کی۔"

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ (مسلم)

حجِ مبرور کی جزا جنت ہی ہے

تعارف کتاب الحج

حج کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے امام ابن اثیر لکھتے ہیں :

الحج فی اللغة القصد الی کل شئ فخصه الشرع بقصد معین ذی شروط معلومة-----

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر' جلد ا' صفحہ ۳۴۳' مطبوعہ مصر)

''حج کا لغوی معنی ہے کسی چیز کی طرف قصد وارادہ کرنا' جبکہ اصطلاح شریعت میں شرائط معلومہ کے ساتھ معین قصد کو حج کہتے ہیں''-----

علامہ اصفہانی کہتے ہیں :

اصل الحج القصد للزیارة و خص فی تعارف الشرع بقصد بیت الله تعالیٰ اقامة النسک-----

(المفردات فی غرائب القرآن' جلد ا' صفحہ ۲۲۹-۳۰)

''حج کا اصل معنی قصد زیارت ہے' شرعی اصطلاح میں اسے عبادت کی نیت سے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے مخصوص کر لیا گیا ہے''-----

حج' اسلام کا پانچواں اور عبادات میں چوتھا اہم رکن ہے' جو مالی اور بدنی عبادت کا مجموعہ ہے۔ یہ

۹ھ میں فرض ہوا-----رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال سے صرف تین ماہ پہلے ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا' اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔حج ہر صاحب استطاعت مسلمان پر عمر میں ایک بار فرض ہے-----

حج، قرب الٰہی اور عشق و محبت کی داستان ہے۔بندۂ مومن عشق الٰہی میں بے خود ہو کر کفن نما لباس زیب تن کئے' ننگے سر 'بکھرے ہوئے بالوں اور میلے کچیلے جسم کے ساتھ لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا صحن حرم میں داخل ہوتا ہے' اور دیوانہ وار کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگاتا ہے۔ کبھی صفا و مروہ کے درمیان دوڑتا ہے' پھر تلاش محبوب میں سرگرداں شہر مکہ چھوڑ کر منیٰ' عرفات اور مزدلفہ کی وادیوں میں صحرا نوردی کرتا ہے۔ غرض مختلف اطوار و انداز سے محبت الٰہی میں سرگرداں ہو کر اسی رسم عاشقی کو تازہ کرتا ہے' جس کے بانی اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں-----

حج کو اسلام کی سالانہ کانفرنس کا درجہ حاصل ہے۔ جہاں مختلف رنگ' نسل' زبان اور وطن کے افراد وحدت اسلامی کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں' اسلامی وحدت و یگانگت کے اس عالم گیر اور روح پرور اجتماع کی نظیر دنیا کی کسی قوم اور کسی مذہب میں نہیں ملتی-----

حج، نفس انسانی کی تطہیر و تہذیب کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے' الغرض حج ایک جامع عبادت اور گوناگوں دینی و دنیوی فوائد اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہے

شرائط

فرضیت حج کے لئے چند شرائط ہیں' یہ پائی جائیں تو حج فرض ہو جاتا ہے :

۱......اسلام

۲......عقل

۳......بلوغ (بچہ اگر حج کرے تو نفلی ہوگا)

۴......حریت

۵...... زاد سفر یعنی ضروریات سفر اور واپسی تک اہل خانہ کی کفالت کے لئے اخراجات کا انتظام ہو

۶...... صحت و سلامتی-----مفلوج' اپاہج' نابینا' بیمار' انتہائی کمزور اور بوڑھا نہ ہو

۷......راستہ پُر امن ہو

عورت پر حج فرض ہونے کے لئے مزید دو شرطیں ہیں :

۱...... شوہر یا ایسے محرم کی رفاقت، جس سے ہمیشہ نکاح حرام ہو

۲...... عدت میں نہ ہو

فرائض

حج کے تین فرض ہیں :

(۱) احرام (یہ شرط ہے) میقات (معینہ حدود) سے پہلے عام لباس اتار کر ان سلی چادریں پہننا (عورت کے لئے عام لباس ہی احرام ہے) احرام کے کپڑے پہن کر دو رکعت نماز پڑھی جائے، اس کے بعد حج کی نیت سے تلبیہ پڑھے :

لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد و النعمة لک و الملک، لا شریک لک-----

تلبیہ پڑھنے کے بعد آدمی محرم ہو جاتا ہے-----

(۲) ۹ /ذی الحجہ کو میدان عرفات میں حاضری، شرعی اصطلاح میں اسے وقوفِ عرفات کہتے ہیں-----

(۳) طواف زیارت-----وقوف عرفات اور رمی و قربانی کے بعد طواف، جسے طواف زیارت کہا جاتا ہے (وقوف عرفات اور طواف زیارت، یہ دونوں حج کے رکن ہیں)-----

حج کے واجبات

غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف، مزدلفہ میں نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل تک وقوف، صفا مروہ کی سعی، جمروں کی رمی (منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنا)، قارن و متمتع کا قربانی کرنا، حلق (سر منڈانا) یا قصر (بال کٹانا)، افعال حج میں ترتیب اور طواف وداع وغیرہ-----

حج کی اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں :

۱ حج افراد
۲ حج تمتع
۳ حج قران

حج افراد

صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے' اور اس کے ساتھ حج کے مہینوں میں عمرہ نہ ملائے (حج کے مہینوں سے مراد شوال' ذیقعد اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں) یکم شوال سے پہلے حج کے لئے احرام باندھنا مکروہ ہے-----اہل مکہ کو صرف حج افراد کی اجازت ہے-----

حج تمتع

حج اور عمرہ کو اکٹھا کرنا' اس طرح کہ حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ ادا کیا جائے' عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد حج کا احرام باندھا جائے-----تمتع کی دوسری صورت بھی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھنے والا اپنے ساتھ ہدی (قربانی کا جانور) لے جائے' اس صورت میں عمرہ سے فارغ ہو کر احرام عمرہ کھولے بغیر اس پر احرام حج باندھا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں تمتع کی اس صورت پر عمل نہایت مشکل ہے-----

حج قران

حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا جائے' پہلے عمرہ کرے' عمرہ سے فراغت کے بعد احرام نہ کھولے' بلکہ اسی احرام کو قائم رکھتے ہوئے افعال حج ادا کرے۔ افراد سے تمتع اور تمتع سے قران افضل ہے-----

ممنوعات حج

حج میں بعض امور ممنوع ہیں :

سلے ہوئے کپڑے پہننا' سر یا چہرہ ڈھانپنا' خوشبو لگانا' بال کاٹنا' ناخن تراشنا' عمل زوجیت' شکار

کرنا' حرم کے خودرو درخت یا گھاس کاٹنا وغیرہ-----

مسائل حج کی تفصیل کے لئے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے شیخ طریقت مفسر قرآن حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نور اللہ مرقدہ کے مختصر مگر جامع رسالہ "زاد الحرمین" (مطبوعہ انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور) کا مطالعہ مفید رہے گا-----

عمرہ

حج کی طرح عمرہ بھی وہ اعلیٰ عبادت ہے' جو اللہ تعالیٰ کے گھر کعبۃ اللہ اور مکہ مکرمہ کے ساتھ مختص ہے۔اس کا حج سے اسی طرح کا تعلق ہے' جیسے فرض نماز کے ساتھ نوافل کا-----

عمرہ کا معنیٰ ہے' زیارت۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عمارت (آبادی) سے مشتق ہے-----

عمرہ پر دونوں معنی صادق آتے ہیں کہ عمرہ کرنے والوں کے ذریعے مسجد حرام کی آبادی اور رونق بر قرار رہتی ہے اور بیت اللہ کی زیارت کا موقع میسر آتا ہے اور ان کیفیات سے سرشار ہونے والے کی اپنی روحانی دنیا آباد ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عمرہ' عمر (زندگی) سے مشتق ہو۔ کیوں کہ یہ عبادت عمر بھر کی جا سکتی ہے۔ اس میں حج کی طرح مہینے اور تاریخ کی قید نہیں' عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر طواف اور سعی کر کے حلق یا قصر کرا لینے سے عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ ایک ہی سال میں متعدد عمروں کی اجازت ہے۔ رمضان المبارک میں عمروں کی بڑی فضیلت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

ان عمرة فی رمضان تقضی حجة او حجة معی-----

(صحیح بخاری' کتاب جزاء الصید' باب فضل العمرۃ فی رمضان)

"رمضان المبارک میں عمرہ کرنا یقیناً حج کے برابر ہے یا فرمایا کہ میری معیت میں حج کرنے کے برابر ہے"-----

حاضری مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کی حاضری ارکان حج میں داخل نہیں مگر بلاشبہ افضل ترین طاعات' سرچشمۂ حسنات و برکات اور اعلیٰ درجات قرب پر فائز ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ علماء نے اسے واجب کے

قریب بتایا ہے۔ حق یہ ہے کہ حاضریٔ بارگاہ قدس' محبت کا معاملہ ہے۔ آقائے دو عالم ﷺ کی ذات اقدس و اطہر سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کو اصل الاصول اور فرض عین تصور کرے۔ یہاں کی حاضری باعث مغفرت' موجب رحمت اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے' ارشاد ربانی ہے:

و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما-----(النساء' ۴ : ۶۴)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول (کریم ﷺ) ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"-----

و اذا جاء ك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل منكم سوٓء بجهالة ثم تاب من بعده و اصلح فانه غفور رحيم-----(الانعام' ۶ : ۵۴)

"اور جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے فرمادیجئے تم پر سلام ہو' تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے کچھ برائی' نادانی کی وجہ سے' پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح پذیر ہو جائے تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے"-----

سرکار ابد قرار ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی فضیلت پر متعدد احادیث مبارکہ شاہد ہیں-----حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی-----

(الشفاء (طبع بیروت)' جلد ۲' صفحہ ۸۳ / مجمع الزوائد' جلد ۴' صفحہ ۲ / وفاء الوفاء' جلد ۴' صفحہ ۱۳۳۶)

"جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی' اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی"-----

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من زار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی-----

(مجمع الزوائد' جلد ۴' صفحہ ۲ / وفاء الوفاء' جلد ۴' صفحہ ۱۳۴۰ /

شعب الایمان' جلد ۳' صفحہ ۴۸۹)

"جس شخص نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی' وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"-----

عازم مدینہ کو چاہیے کہ وہ خالص سرکار ابد قرار ﷺ کی حاضری اور زیارت کا قصد کرے-----(فتح القدیر' جلد ۲' صفحہ ۳۳۶)

قیام مدینہ کے دوران سراپا ادب و نیاز حاضر رہے-----ع

سر ایں جا' سجدہ ایں جا' بندگی ایں جا' قرار ایں جا

مواجہ عالیہ پر نہایت ادب سے حاضری دے' حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

من السنة ان تأتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة و تجعل ظهرك الی القبلة و تستقبل القبر بوجهك ثم تقول السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته-----

(فتح القدیر' جلد ۲' صفحہ ۳۳۶)

"(صحابہ و تابعین کا طریقہ اور) سنت یہ ہے کہ جب تم نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضری دو تو اپنی پشت قبلہ کی طرف اور منہ قبر اطہر کی طرف کرو' پھر سلام عرض کرو"-----

قاضی عیاض رحمہ اللہ' امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مواجہ عالیہ پر سرکار ﷺ کی بارگاہ میں سلام اور دعا مانگتے ہوئے قبلہ کی جانب منہ نہ کرے بلکہ اپنا رخ قبر انور کی طرف رکھے-----(الشفاء' جلد ۲' صفحہ ۸۵)

منیب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں:

رأیت انس بن مالک اتی قبر النبیﷺ فوقف فرفع یدیه حتی ظننت انه افتتح الصلوۃ فسلم علی النبیﷺ ثم انصرف-----(شعب الایمان' جلد ۳' صفحہ ۴۹۱)

''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر آکر کھڑے ہوئے اور بڑی دیر تک ہاتھ بلند کیے رہے' حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ نماز کی نیت کر رہے ہیں' پھر انہوں نے سلام عرض کیا اور چلے گئے''-----

فتاویٰ نوریہ کی کتاب الحج میں پانچ استفتاء ات ہیں' پہلا فتویٰ اس بارے میں ہے کہ عورت خاوند یا محرم کے بغیر حج نہیں کر سکتی-----

دوسرا فتویٰ حج بدل سے متعلق ہے-----

تیسرا اہم فتویٰ حج کے لئے تصویر کے جواز کے بارے میں ہے۔ دور حاضر میں شناختی کارڈ' پاسپورٹ' حج اور دیگر متعدد معاملات میں تصویر کی ضرورت پڑتی ہے' اس فتویٰ میں اس ضرورت کا حل پیش کیا گیا ہے-----

چوتھا فتویٰ کاروباری شخص (مثلاً ٹیکسی ڈرائیور) کے سلسلے میں ہے کہ آیا وہ احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتا ہے؟-----

جب کہ پانچواں استفتاء حج کے حوالے سے متفرق سوالات پر مبنی ہے-----

حج کے بارے میں ایک فتویٰ' فتاویٰ نوریہ کے جلد ششم میں بھی ہے-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

کتاب الحجّ

سائل مظہر کہ ایک عورت بیوہ پیر سال بلا محرم کسی رشتہ دار اور عورتوں کے ساتھ حج کرسکتی ہے یا نہیں؟

السائل حافظ محمد الدین صاحب

عورت بیوہ یا شادی شدہ یا کنواری بلا محرم یا خاوند کے، حج کا سفر نہیں کر سکتی، اگرچہ غیر محرم رشتہ دار ہو یا عورتوں کے ساتھ جائے، بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۲۳، اور محرم وہ ہے جس کے ساتھ کبھی نکاح نہ ہو سکے، بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۲۴ وکذا فی غیرھا من اسفار المذھب المھذب۔ واللہ تعالیٰ اعلم و

علمہ جل مجدہٗ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید کئی سال درخواست دیتا رہا ہے لیکن قرعہ اندازی میں نام نہیں نکلا، اب زید ضعیف العمر ہونے اور بیمار ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے، اگر درخواست دے اور قرعہ اندازی میں نام نکل بھی آئے تو زید سفر نہیں کر سکتا، اب وہ حج کی رقم کسی یتیم خانے یا کسی دینی مدرسے میں دیدے تو جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی غریب اور جوان آدمی کو حج کرائے، سابق حاجی جس نے پہلے حج کیا ہوا ہو، اس کو تو حجِ بدل کے لئے بھیجنے کی حکومت کی طرف سے اجازت نہیں تو کسی ایسے شخص کو جس نے پہلے حج نہ کیا ہوا ہو اور شوقِ حج رکھتا ہو تو اسکو حج کرا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: حاجی جہانداد خاں از چک E.B/۲۳۵ ڈاکخانہ چک E.B/۲۲۹
تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال

ہاں ایسی صورت میں اس غریب و جوان آدمی کو اپنی حجِ بدل کے لئے بھی بھیجا جاسکتا ہے جس نے پہلے حج نہ کیا ہو۔ فتاویٰ عالمگیری ج۱ ص ۱۳۱ میں ہے و الافضل للانسان اذا اراد ان یحج رجلا عن نفسہ ان یحج رجلا قد حج عن نفسہ و مع ھذا لو احج رجلا لم یحج عن نفسہ حجۃ الاسلام یجوز عندنا و سقط الحج عن الآمر کذا فی المحیط۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۵ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ ۶۹-۶-۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا فوٹو کھنچوانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہو تو حج کے لئے فوٹو کھنچوانے میں بھی ممانعت ہے یا نہیں؟

نیز حج فرض اور حج نفل کی صورتوں میں کیا حکم ہے؟ اور حجِ بدل کے لئے فوٹو کا کیا حکم ہے؟
بینوا توجروا۔

سائل: محمد سعید احمد، مدرسہ امینیہ رضویہ، محمد پورہ لائل پور

حج کے لئے عازمِ حج کے پورے جسم کا فوٹو ضروری نہیں بلکہ چہرہ یا قدرے زائد کا فوٹو حکومت نے بعض مصالحِ انتظامیہ کے لئے ضروری قرار دیا ہے چنانچہ عموماً پاسپورٹوں پر ایسے ہی فوٹو چھپاں کئے جاتے ہیں جو نصف سینہ تک کے ہوتے ہیں حالانکہ انسان نصف سینہ یا سینہ کے نیچے سے کاٹ دیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا لہذا یہ فوٹو ایسے جسم کا فوٹو ہوگا جو شجر و حجر کی طرح بے جان ہے تو جائز ہوگا، حبر الامہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتوئے مبارکہ ہے فاصنع الشجر و ما لا نفس لہ (مسلم شریف ج۲ ص ۲۰۲) اور بخاری شریف ج۱ ص ۲۹۶ میں ہے کل شیئ لیس فیہ روح، اور اس کا ماخذ بھی وہی حدیثِ صحیح ہے جو محرّمِ تصویر ہے۔ عینی ج۱۲ ص ۳۹، قسطلانی ج۴ ص ۱۲۱ میں ہے والنظم لہ واستنبط ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما من قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان اللہ معذبہ حتی ینفخ لہذا مذہبِ جمہور جواز ہے۔ انہیں میں ہے والنظم للعینی وھو

عہ وبمعناہ فی شرح معانی الآثار ج۲ ص ۳۰۵ ۱۲ منہ غفرلہ

؎ مناظرِ اسلام مولانا محمد سعید احمد اسعد فیصل آباد

قول جمهور الفقہاء واهل الحديث فانهم استدلوا على ذلك بقول ابن عباس فعليك بهذا الشجر الخ.

اس مالا نفس له اور کل شیٔ لیس فیہ روح کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اس علیك بهذا الشجر الخ میں مذکورہ فوٹو (جو جسم کے اتنے حصے کے ہوتے ہیں جو زندہ نہیں رہ سکتا اور لیس فیہ روح کا مصداق ہے) کی بھی اجازت ہے لہٰذا ہمارے ائمہ کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی کہ ایسا فوٹو جو ناجائز بنا ہوا ہے اگر اس کا سر یا چہرہ یا کوئی ایسا حصہ مٹا دیا جائے جس کے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتا تو کراہت مٹ جاتی ہے۔ تنویر الابصار، در المختار میں ہے (او مقطوعة الرأس او الوجه) او ممحوة عضو لا تعیش بدونه۔ شامی نے فرمایا تعمیم بعد تخصیص وهل مثل ذلك ما لو كانت مثقوبة البطن مثلا والظاهر انه لو كان الثقب كبيرا يظهر به نقصها فنعم والا فلا (شامی ج ۱ ص ۶۰۷) طحطاوی علی المراقی ص ۲۱۸ میں ہے ومحو الوجه كمحو الرأس بخلاف قطع اليدين والرجلين فان الكراهة لا تزول بذلك لان الانسان قد تقطع اطرافه وهو حي كما في الفتح (ج ۱ ص ۳۶۲) وافاد بهذا التعليل ان قطع الرأس ليس بقيد بل المراد جعلها على حالة لا تعيش معها مطلقا، انتهى ما على المراقی۔

طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۲۷۴ میں ہے لانها صورة ميت۔ ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۲ میں ہے واذا كان التمثال مقطوع الرأس اى ممحو الرأس فليس بتمثال۔ مبسوط ج ۱ ص ۲۱۰ میں ہے فبقطع الرأس يخرج من ان يكون تمثالا اور مرقاۃ ج ۸ ص ۳۳۰ میں ہے الشجر ونحوه مما لا روح له فلا تحرم صنعته ولا التكسب به وهذا مذهب العلماء۔

بلکہ یہ مسئلہ سیدنا جبریل امین علیہ السلام کے ارشاد سے بھی ثابت ہے جو حدیث مرفوع صحیح سنن ترمذی ج ۲ ص ۹۸ ۳، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۵۷۳، شرح معانی الآثار امام طحاوی ج ۲ ص ۳۰۵ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم منہ فمر بالتمثال فليقطع رأسه حتى يكون كهيئة الشجرة۔ مجمع البحار ج ۳ ص ۹۵ میں ہے والهيئة صورة الشيئ وشكله وحالته، درخت کی حالت یہ ہے کہ بے جان ہے اور صورت بھی بے جان کی ہے جو سر کاٹنے کے بعد انسانی جسم کی بھی ہے لہذا امام طحاوی نے اس حدیث سے ایسی صورت بنانے کی اباحت پر استدلال فرمایا، ج ۲ ص ۳۶۶ میں فرمایا فلما ابيحت التماثيل بعد قطع رؤسها الذى لو قطع من ذى الروح لم يبق دل ذلك على اباحة تصوير ما لا روح له وعلى خروج ما لا روح لمثله من الصور مما قد نهى عنه فى الآثار التى ذكرنا فى هذا الباب، عینی علی البخاری ج ۱۱ ص ۴۲۲ میں امام طحاوی کا یہ ارشاد بصورتِ استفادہ مذکور و مقرر ہے نیز فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۱ میں ہے، ان كانت الصورة باقية الهيئة قائمة الشكل حرم وان قطعت الرأس او تفرقت الاجزاء جاز، نیز ج ۱۰ ص ۳۲۰ میں ہے لما قطعت الستر وقع القطع فى وسط الصورة مثلا فخرجت عن هيئاتها اور یونہی قسطلانی ج ۸ ص ۵۳۹ میں بھی ہے اور فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۲ میں ہے غيرت عن هيئاتها مايقطعها من نصفها او بقطع رأسها۔

بہر حال ان ارشادات کی روشنی میں حج فرض وغیرہ کے لئے ایسے فوٹو کی اجازت ہے جو جسم کے ایسے حصہ کا ہو جو صرف اتنا ہی زندہ نہ رہ سکتا ہو اور یہ جواز کئی اور دلائل سے بھی

عـــہ مرقاۃ ج ۸ ص ۳۰۳ میں ہے ثم الشجر ونحوه مالا روح له فلا تحرم صنعته ولا التكسب به وهذا مذهب العلماء الا مجاهدا فانه جعل الشجرة المثمرة من المكروه ۱۲ منه غفرله

واضح ہو سکتا ہے مگر بغرضِ اختصار صرف اسی قدر پر اکتفا ہے۔

اس مسئلہ پر کافی شبہات پیش کئے جاتے ہیں جن کے ازالہ کے لئے کچھ اشارات اسی تحریر میں ہیں اور بعض کا دفاع تصریحات سے بھی ہو رہا ہے، ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ بلا ضرورت فوٹو نہ کھنچوائے جائیں اگرچہ شجر و حجر کے ہوں، علمائے کرام لہو و لعب پسند نہیں، اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۹۳ میں ہے و نزد محققین جملہ ایں باب بے کراہتے نیست و داخلِ لہو و لعب و ما لایعنی است۔ اور یونہی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۳۳۰ میں ہے و ان کان جملۃ ھٰذا الباب مکروھا و داخلا فیما یلھی ویشغل بما لا یعنی ومع ھٰذا اقول ان کان الجواب صوابا فمن اللہ ربی الوھاب وان کان خطأ فمنی ومن الشیطٰن ولاحول ولاقوۃ الا باللہ وحدہ لاشریک لہ وھو اعلم والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ الاعظم وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ، ۷/۱

فائدہ فیض القدیر للمناوی شرح جامع صغیر ج ۲ ص ۳۴۳ میں المصوّرون کی شرح میں ہے لصورۃ حیوان تام اور ص ۴۲۴ میں ہے وخرج بالحیوان غیرہ کشجر وبالتام مقطوع نحو رأس مما لا یعیش بدونہ ۱۲ ابوالخیر النعیمی غفرلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید میقات سے باہر

رہتا ہے اور کسی کاروباری غرض سے مکہ مکرمہ جاتا ہے جیسے ڈرائیور وغیرہ تو کیا اس پر عمرہ کرنا اور احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جانا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو ایسا نہ کرنے پر اس پر کیا جرم ہے؟ ذرا تفصیل سے باحوالہ جواب عطا فرمادیں، عین کرم ہوگا۔

السائل: محمد رحمت علی مدنی عفی عنہ حال آباد مدینہ منورہ سعودیہ عربیہ ۲۸/۱۱/۳

ایسے شخص پر مکہ شریف میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے۔ مبسوط سرخسی ج ۴ ص ۱۶۷ میں ہے لیس لاحد ینتھی الی المیقات اذا اراد دخول مکۃ ان یجاوزھا الا باحرام سواء کان من قصدہ الحج او القتال او التجارۃ اور یونہی ہدایہ ج ۱ ص ۲۳۵ اور بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۶۴ میں ہے اور فتح القدیر ج ۳ ص ۴۱ میں ہے ان جمیع الکتب ناطقۃ بلزوم الاحرام علیٰ من قصد مکۃ سواء قصد النسک اولا، اور اگر ایسا نہ کرے یعنی بلا احرام داخل ہو جائے تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہو جاتا ہے، پھر اگر وہیں سے احرام باندھ لے تو اس پر دم لازم ہے اور اگر میقات کی طرف لوٹ کر اس حج یا عمرہ کا احرام باندھے جو اس پر اس جرم کی وجہ سے لازم ہو گیا ہے تو دم ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ بدائع صنائع وغیرہ کتب معتبرہ مذہب میں ہے ولو جاوز المیقات یرید دخول مکۃ او الحرم من غیر احرام یلزمہ اما حجۃ او عمرۃ لان مجاوزۃ المیقات علیٰ قصد دخول مکۃ او الحرم بدون الاحرام لما کان حراما کانت المجاوزۃ التزاما للاحرام (الیٰ ان قال) فان احرم بالحج او العمرۃ قضاء لما علیہ من

ذلک لمجاوزتہ المیقات ولم یرجع الی المیقات فعلیہ دم الخ۔

اس مسئلہ میں بہت زیادہ تفصیل ہے جو معتبراتِ مذہبیہ میں مذکور ہے، آپ مناسک ملاعلی قاری اور بہارِ شریعت میں بیانِ مواقیت اور بابِ جنایات میں دیکھ لیں، یہ دونوں کتابیں مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری نورہ ربہ ونضرہ کے پاس مدینہ منورہ میں ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ وکعبہ سیدی وسندی غوثی وغیاثی پیرِ طریقت رہبرِ شریعت عاشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ اباجان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد عاجزانہ گذارش ہے کہ آپ کا خادم آپ کی خیریت نیک چاہتا ہے، صورتِ احوال یہ ہے کہ ہم کو دو مسئلہ کی ضرورت ہے، آپ حضور مہربانی فرما کر ان سوالوں کا جواب ہمیں تحریر کریں، آپ کی عین نوازش ہوگی:

سوال نمبر ۱ یہ ہے کہ مجھ کو ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ رکنِ یمانی کو بوسہ نہیں دینا چاہیے تو پھر میں نے اس کو کہا اور محبت علی صاحب نے بھی کہا کہ رکنِ یمانی کو بوسہ دینا جائز ہے، وہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہم کو کسی کتاب سے یا حدیث سے ثابت کریں جو مولوی صاحب ہیں حنفی مذہب کے ہیں اور وہ مولوی صاحب گوجرانوالہ کا ہے۔

سوال نمبر۲ یہ ہے کہ ہم کسی وقت میں تین یا چار طواف کر لیں تو اس کے نفل ایک ہی وقت میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر۳ یہ ہے کہ جس وقت ہم نے آٹھ تاریخ ذوالحجہ کو منیٰ کی طرف جانا ہے تو ہم نے طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنی ضروری ہے کہ نہیں؟

باقی عرض یہ ہے کہ جو غلطی ہم سے ہو چکی ہے اس کی محبہ کو معافی دے دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی، جو غلطی ہوئی ہے وہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کی، وہ معلّم کی وجہ سے ہو چکی ہے، اس کو کہا تھا مجھ کو جلدی کریں برائے مہربانی جواب جلدی سے ارسال کریں، آنحضور کی کرم نوازی ہوگی۔

فقیر قطب دین، ابو نصر محبت علی صابری در حرم شریف مکہ معظمہ

عزیز القدران الحاجان قطب الدین والمحبۃ علی احبھما ربھما

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

طواف میں رکنِ یمانی کو بوسہ دینا جائز ہے اور سنت ہے، درالمختار ص ۶۳ میں ہے قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ھو سنۃ ویقبلہ والدلائل تؤیدہ۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۵۶ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح مرفوع حدیث میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل الرکن الیمانی ووضع خدہ علیہ، اور فرمایا ھٰذا حدیث صحیح الاسناد اور علامہ ذہبی نے بھی فرمایا صحیح۔ رہا کسی کا استدراک تو وہ صحیح حدیث کے سامنے مضمحل ہے۔

۲۔ تین یا متعدد طواف اکٹھے کئے جائیں تو ہر طواف کے بعد دو رکعتیں طواف کی ادا کرے اور دو یا تین طواف کر کے نماز سب کی اکٹھی ادا کرنی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ وقتِ کراہت نہ ہو اور وقتِ کراہت میں بالاجماع مکروہ نہیں، شامی ج ۲ ص ۲۳۳ میں ہے یکرہ عندھما الجمع بین اسبوعین او اکثر نیز اسی میں ہے والخلاف فی غیر وقت الکراھۃ اما فیہ فلا یکرہ بالاجماع، تو نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد تین یا زیادہ طواف جمع کر سکتا ہے اور جب وقتِ کراہت ختم ہو تو سب طوافوں کی نماز ادا کر سکتا ہے۔

۳۔ آپ متمتع ہوں گے تو آپ پر طواف اور سعی احرام حج کے بعد ضروری نہیں ہاں اگر نفلی طواف کر کے سعی کر لیں تو جائز ہے اور اس کا یہ فائدہ ہے کہ طوافِ زیارت کے ساتھ دوبارہ سعی واجب نہیں ہوگی، شامی ج ۲ ص ۲۶۹ میں ہے لیس علی المتمتع طواف قدوم الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۶ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۴ھ

نکاح

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (النور:۳۲)

"اور نکاح کردو جو تم میں سے بے نکاح ہیں۔"

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ لَّمْ یَعْمَلْ بِسُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (ابن ماجہ)

"نکاح میری سنت ہے، جس شخص نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔"

تعارف کتاب النکاح

عبادات اسلامی یعنی نماز' زکوۃ' روزہ اور حج کے بعد اب کتاب النکاح ملاحظہ فرمائیں۔ نکاح کا تعلق معاملات سے بھی ہے اور سنت نبوی کی تعمیل' محافظت نفس اور دیگر دینی مصالح کے پیش نظر یہ عبادت بھی ہے۔ اس لئے فقہاء کرام عبادات کے معاًبعد نکاح کے مسائل بیان کرتے ہیں-----

دو عبادتیں ایسی ہیں جو اہل اسلام میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اب تک بدستور چلی آرہی ہیں اور جنت الفردوس کی ابدی زندگی میں بھی باقی رہیں گی:

ایک ایمان اور دوسری نکاح-----(درالمختار)

نسل انسانی کی بقا' فروغ اور دنیا کی رونق بحال رکھنے کے لئے انسانوں کی جنسی خواہشات کو ایک منظم اور باحیا طریقے سے پورا کرنے اور میاں بیوی کے درمیان وابستگی اور محبت و انس پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا نظام مقرر فرمایا-----

نکاح کے ذریعے مرد باپ اور عورت ماں بن کر معاشرے میں ارتقائی کردار اور بقاء نسل انسانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں' بچوں کی کفالت کی وجہ سے انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ محنت' کاوش' ہنر اور کسب کے نئے جذبے ابھرتے ہیں' جس سے ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں اضافہ ہوتا ہے-----

شادی شدہ انسان کو عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے' وہ معاشرہ سے الگ تھلگ نہیں

رہتا۔ اولاد کی شادیوں کی وجہ سے نئی نئی رشتہ داریاں پیدا ہوتی ہیں اور یوں معاشرتی اور تمدنی زندگی میں اس کا وقار بڑھ جاتا ہے-----

نکاح کے ذریعے خواہشات نفسانی کا زور ٹوٹتا ہے اور انسان شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کی نظر پاکیزہ ہو جاتی ہے اور وہ بدکاریوں سے بچا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وِجاء-----

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباء ۃ فلیصم)

"اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو، وہ نکاح کرے کہ اس سے نگاہیں نیچی اور شرم گاہیں محفوظ رہیں گی اور جس کو نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے کہ اس سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے"-----

مہر و نفقہ پر قدرت ہو تو نکاح کرنا حضور ﷺ کی سنت مؤکدہ ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی-----

(سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی فضل النکاح)

"نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا، وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے"-----

غلبۂ شہوت اور اندیشۂ گناہ کی حالت میں نکاح واجب ہے اور اگر گناہ میں ملوث ہونے کا یقینی خطرہ ہو تو نکاح فرض ہے-----

بیوی کے نان و نفقہ اور دیگر حقوق کو پورا نہ کر سکنے کا خدشہ ہو تو نکاح مکروہ ہے-----

نکاح کا لغوی معنی 'ضم' یعنی جمع ہونا اور ملنا ہے، پھر اسے جماع اور عقد نکاح کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ اس میں بھی ملنے کا مفہوم پایا جاتا ہے-----(درایہ، حاشیہ ہدایہ)

اصطلاح شریعت میں نکاح ایسا معاہدہ ہے، جس کے ذریعہ مرد اور عورت کا باہمی جنسی تعلق جائز ہو جاتا ہے اور نتیجۃً پیدا ہونے والی اولاد کا نسب صحیح قرار پائے گا-----

ایجاب و قبول نکاح کے رکن ہیں-----

شرائط نکاح

۱ بلوغ

۲ عقل-----نابالغ اور مجنون کے نکاح کا اختیار ولی کو ہے-----

۳ گواہ-----ایجاب و قبول دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں ہو-----

مستحبات

۱ نکاح علانیہ ہو-----

۲ مسجد میں ہو-----

۳ جمعہ کے دن ہو-----

۴ عادل گواہوں کے روبرو ہو-----

۵ نکاح سے پہلے خطبہ مسنونہ پڑھا جائے-----

۶ عورت کنواری اور مرد سے کم عمر ہو-----

۷ عمر میں مناسبت ملحوظ رکھی جائے'جوان لڑکی کا بوڑھے شخص سے نکاح نامناسب ہے-----

۸ جس سے نکاح کا ارادہ ہو'اسے نکاح سے پہلے ایک نظر دیکھ لے یا کسی معتبر عورت کے ذریعے شکل و صورت اور اطوار و سلیقہ کے بارے میں تسلی کر لے تاکہ بعد میں کسی ناخوش گوار صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑے-----

فتاویٰ نوریہ کی کتاب النکاح بہت مفصل ہے'یہ بارہ ابواب پر محیط ہے :

۱ باب الخطبہ

منگنی اور پیام نکاح (اس باب میں نکاح فاسد'عائلی قوانین'جبری نکاح'رجسٹر میں اندراج کے بغیر نکاح اور گونگے کے نکاح وغیرہ کے مسائل کا بیان ہے)-----

اس باب میں ۲۳ /استفتاءات کے تحقیقی جوابات دیے گئے ہیں-----

۲ باب المہر

نکاح کے باب میں ایک اہم چیز مہر ہے۔ تفصیلی تعارف باب المہر کے آغاز میں ملاحظہ کریں-----

باب المہر میں تین استفتاءات شامل ہیں-----

۳ باب الشغار

ایک عورت کے عوض دوسری عورت کا مالی طور پر مہر کے بغیر نکاح، یعنی ایک شخص نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے سے کر دیا اور دوسرے نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس سے کر دیا اور ہر ایک کا مہر دوسرے کے نکاح کو قرار دیا اور اس تبادلہ کو ہی مہر کے قائم مقام سمجھا جائے، شرعاً اس کی ممانعت ہے (آج کل کے مروجہ بٹہ سٹہ کا نکاح جائز ہے، کیوں کہ اس میں مہر مقرر کیا جاتا ہے لہذا اسے شغار قرار نہیں دیا جا سکتا)------

اس باب میں تین استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں-----

۴ باب المحرمات

وہ عورتیں جو ہمیشہ ہمیشہ حرام ہیں اور حرمت کی بنا پر عقد نکاح میں نہیں آسکتیں-----

یہ باب ۲۸ / فتووں پر مشتمل ہے-----

۵ باب الجمع بین المحارم

ایسی دو قرابت دار عورتوں کا نکاح میں جمع ناجائز ہے کہ ان میں سے جس کسی کو بھی مرد تصور کیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ چنانچہ ایک شخص کے لئے دو بہنوں یا پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو اپنے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے-----

اس باب میں ۱۳ / فتوے درج ہیں-----

۶ باب حرمۃ نکاح المحصنات

نکاح پر نکاح حرام ہے-----

اس باب میں سات افتاء ہیں-----

۷ باب نکاح المعتدات والحوامل

حاملہ اور عدت گزارنے والی عورتوں کا نکاح منع ہے-----

اس باب میں ۲۶/استفتاءات ہیں-----

۸ باب المصاہرہ

سسرالی رشتے-----نکاح کے علاوہ زنا کے سبب بھی بعض صورتوں میں دائمی حرمت لازم آجاتی ہے۔ اس باب میں ۲۴/فتوے ہیں، جن میں حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا یہ رسالہ بھی شامل ہے:

"حرمۃ المصاہرۃ ترفع المناکحہ"-----

۹ باب الرضاع

جو رشتے نسبی قرابت کی وجہ سے حرام ہیں، رضاعت (دودھ پینے) سے بھی حرام ہو جاتے ہیں (رضاعت کو اکثر کتب فقہ میں مستقل کتاب کی حیثیت دی گئی ہے البتہ صاحب درالمختار نے اسے کتاب النکاح میں باب کے طور پر شامل کیا ہے، فتاویٰ نوریہ کے مرتب اول حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا)-----

یہ باب بیس استفتاءات پر مشتمل ہے-----

۱۰ باب الکفو

کفو (ہم سری و برابری) یعنی وہ شخص مذہب، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور تمول میں ہم سر ہو۔ جو شخص ان امور میں عورت کے جوڑ کا نہ ہو، وہ "غیر کفو" کہلاتا ہے-----

اس باب میں سات فتوے درج ہیں-----

۱۱ باب الولی

وہ عاقل بالغ مسلمان، جسے شرعی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زیر نگرانی لڑکی کا نکاح کر سکے۔ (یعنی وہ عصبہ بنفسہ ہو' اگر عصبہ موجود نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو نابالغہ کے نکاح کا حق حاصل ہو گا)-----

اس باب میں ۳۸/ استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں-----

۱۲ باب خیار البلوغ

باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دے تو نابالغ یا نابالغہ کو بالغ ہوتے ہی یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ نکاح رد کر سکتے ہیں-----

یہ باب پانچ فتووں پر مشتمل ہے-----

مجموعی طور پر کتاب النکاح میں ۱۹۷ فتوے ہیں، جن کے ضمن میں سینکڑوں مسائل کے تحقیقی جوابات آگئے ہیں-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

خِطبہ

(پیغامِ نکاح)

كتابُ النكاح

باب الخطبة

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ زید کے پاس بکر ایک مولوی صاحب اور چند اشخاص بمعہ اپنے لڑکے کے لایا، زید نے یہی سمجھا کہ لڑکی کا رشتہ طلب کرتے ہیں تو رسم منگنی ادا کرنے آئے ہیں اور نکاح کے متعلق زید مذکور نے اجازت نہیں دی اور لڑکی اس وقت قریباً ۹ سال کی نابالغ تھی مگر مولوی صاحب مذکور نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ دیا اور کہا کہ نکاح ہو گیا اس لئے کہ جب زبانی کہہ دیا جائے اور رسم منگنی کر لی جاوے تو نکاح ہو جاتا ہے تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں بلا ایجاب قبول و بلا اجازت نکاح صرف منگنی سے ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: محمد دین ولد ابراہیم ساکن بنوکی

اگر حقیقتِ حال واقعی یہی ہے کہ زید والدِ لڑکی نابالغہ نے اجازتِ نکاح نہیں دی اور ایجاب وقبول نہیں ہوا تو نکاح قطعاً نہیں ہوا، فتاویٰ عالمگیر ج۲ ص ا میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول نیز ص ۳ میں ہے ولا ینعقد بالتعاطی کذا فی النہایۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۸ رجمادی الاخریٰ ۶۷ ۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ زید نے اپنی سات سالہ لڑکی عمرو کے اڑھائی سالہ لڑکے کے ساتھ حسبِ دستورِ زمانہ منگنی کردی، اہلِ مجلس بھی یہی سمجھتے رہے کہ منگنی ہے، ایجاب وقبول بالکل نہیں ہوا، اب زید لڑکی بوجہ نزاع لڑکے کو نہیں دینا چاہتا اور عمرو کہتا ہے کہ میرے لڑکے کا نکاح ہے۔ کیا واقعی وہ منگنی نکاح بنے گی یا نہیں؟

سائل: محمد دین ولد صلا از چک ۱۵/۵۳-ایل ڈاکخانہ چک ۱۵/۵۸-ایل

منگنی اور ہے اور نکاح اور، لہٰذا عمرو کا دعویٰ غلط ہے بشرطیکہ سوال صحیح ہو بحر الرائق در المختار میں ہے والنظم من البحران کان المجلس للوعد فوعد حالانکہ یہاں تو ایجاب وقبول ہوا ہی نہیں تو نکاح کیسے ہوگا؟ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ حاکم علی نمبردار وممبر موضع جنگل پر یا سند کا بیان ہے کہ جو یہ شخص فرما دیں صحیح درست ہے، برائے مہربانی فرما کر فتنہ ہو تو دیں لویں کہ لڑکی کی عمر تقریباً آٹھ نو سال کی تھی جس وقت دعا خیر کی تھی، اس کے بعد لڑکے کو آج مرض ضیابی تس کی ہے، لڑکی آج ۲۳، ۲۴ سال کی عمر ہے اور آپ کے پاس مولوی غلام نبی بھی بھیجا جا رہا ہے، یہ بھی آپ

کے حاضر ہے ۔ السلام علیکم

دستخط عالم علی نمبردار و ممبر صاحب   گواہ شد محمد دین کھرل ، گواہ شد ولی محمد حصہ دار

آج مورخہ ۱۲/۱۱/۷۴ کو مولوی غلام نبی صاحب قریشی امام مسجد پر مانند نے حلفیہ بیان کیا کہ میرے سامنے مسمّٰی محمد دین قوم میں کے گھر اس کی لڑکی مسماۃ شریفاں کے رشتے کے متعلق محمد دین نے وعدہ کے طور پر کہا تھا کہ میں نے لڑکی دی اور نکاح بالکل نہیں کیا گیا اور نہ ہی نکاح کرنے کے متعلق کسی نے ذکر کیا حسب رواج اس وعدہ پر ہم نے دعائے خیر کر دی اور نہ ہی بعد ازاں آج تک نکاح کیا گیا ہے تو کیا اس لڑکی کا نکاح شرعاً اور جگہ ہو سکتا ہے یا وہ پہلا وعدہ ہی نکاح بن گیا ؟ نیز چونکہ اس لڑکے کو ذیابیطس اور سودا ہو گیا ہے اور لڑکی بھی ۲۳ ، ۲۴ سال کی ہو چکی ہے اور عاقلہ بالغہ ہے تو وہ اس بیمار لڑکے کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند نہیں تو شرعاً کیا حکم ہے ؟ یہ بیان میرے روبرو مسجد دار العلوم میں اور پھر دوبارہ دار العلوم میں دیا۔

ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع منٹگمری بقلم خود ۱۲/۱۱/۷۴

دستخط امام مسجد غلام نبی بقلم خود ، العبد مسمّٰی امام علی ولد جمال دین ساکن بابا بالکے دستخط

نشان انگوٹھا مسمّٰی محمد دین والد لڑکی مذکورہ

اگر صورت سوال واقعی یہی ہے کہ مسمّٰی محمد دین نے وعدہ کے طور پر کہا تھا اور اسی وعدہ پر دعائے خیر بھی کی گئی تو وہ نکاح نہیں ہوا ، شامی ج ۲ ص ۳۶۹ میں ہے فان قامت القرینۃ علی عدمہ لا ینعقد نیز ص ۳۷۰ میں ہے لا بد فی کنایات النکاح مع النیۃ من قرینۃ الخ ہاں اس میں شک نہیں کہ وہ وعدہ نکاح ہو گیا اور بلا شبہ وعدہ کا پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے مگر چونکہ اب لڑکی عاقلہ بالغہ

ہو چکی ہے اور نہیں مانتی تو باپ شرعاً مجبور ہو گیا کہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر باپ جبر نہیں کر سکتا، یہ شریعتِ پاک کا حکم ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۱ میں ہے لا یجوز نکاح احد علیٰ بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبًا لہذا اس لڑکی کا نکاح حسبِ دستورِ شریعت جہاں مناسب سمجھیں کر سکتے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے وانکحوا الایامیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ

۱۲/۶۱ ۲۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا رشتہ دو گواہوں کے سامنے بکر کو دینے کا وعدہ کیا تھا، زید فوت ہو چکا ہے، اب اس کی لڑکی بالغ ہے بکر اس کا نکاح اپنے سابقہ وعدہ کے مطابق کرنا چاہتا ہے مگر لڑکی نکاح کرنے سے انکار کرتی ہے، کیا لڑکی کا دوسری جگہ نکاح ہونے میں کوئی امر مانع ہے؟ جواب سے مشکور فرمایا جائے۔

العبد: امیر الدین از چک نمبر ۶۲/D

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے کہ زید نے صرف وعدہ کیا اور نابالغ لڑکی کا نکاح بکر کو نہیں دیا تھا اور فوت ہو گیا تو لڑکی بالغ ہونے کے بعد خود مختار ہے اپنی مرضی سے حسبِ دستورِ شرعِ مطہر بکر کے سوا نکاح کر سکتی ہے، زید کا وعدہ زید کے ساتھ گیا، قرآنِ کریم نے فرمایا لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ اور حدیثِ پاک میں ہے الایم احق بنفسہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ رذی القعدۃ المبارکہ ۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی اور لڑکا ہر دونوں بالغ ہیں، لڑکی کا والد اور اس کا چھوٹا برادر رل کر رجسٹر نکاح خوانی پر اندراج پورا کر لیا، گواہ بھی کوئی موجود نہیں اور نہ لڑکا، نہ اس کا باپ موجود ہے۔ وہ کام اندراج کا تو کر لیا اور ایجاب و قبول کسی نے خیال نہ کیا۔ وہ کتاب (یعنی کتاب نکاح) پنجویں یا ستویں (روز) لڑکے کا باپ لے گیا اور اپنے لڑکے کا دستخط بھی کرا لیا، کیا وہ نکاح روا ہے یا نہیں؟

السائل: فخر الدین بقلم خود

صورتِ مندرجہ سوال میں نکاح نہیں ہوا کہ ایجاب وقبول رکنِ نکاح ہیں اور کوئی شے ارکان کے سوا موجود نہیں ہوسکتی، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ا میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول کذا فی الکافی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی فوت ہوا حالانکہ اس کی عورت کو حمل تھا جو خشک ہوچکا تھا جواب تک اس کے پیٹ میں موجود ہے، متوفی کے وارثوں نے چار ماہ دس دن گذار کر اس عورت کا نکاح متوفی کے بھائی کے ساتھ کرنا چاہا تو عورت نے بالکل انکار کردیا تو چند آدمیوں نے اس کو پیٹنا شروع کردیا، جب تک اس عورت کو ہوش رہی تو اپنی زبان سے انکار ہی کرتی رہی اور وہ پیٹتے رہے۔ اس کے بعد اس کو کوئی خبر نہیں، جب ہوش میں آئی تو پیٹنے والوں نے کہا کہ تیرا

نکاح کر دیا ہے اور انگوٹھے بھی لگا دئے ہیں۔ وہ عورت برابر انکار ہی پر رہے۔ کیا یہ نکاح شریعت کی رُو سے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: محمد حسن از منگا بھیڈرال تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری مورخہ ۵ رمضان المبارک ۷۶ھ

اگر سوال صحیح و درست ہے کہ اس عورت کے پیٹ میں حمل موجود ہے گو خشک ہو چکا ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، چار ماہ دس دن سے پوری نہیں ہوئی، قرآنِ کریم میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اور جب عدت موجود ہے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور اگر بالفرض عدت پوری ہو چکی ہوتی تو اس صورت میں تب بھی یہ نکاح محض ظلم و ستم کے سوا شرعاً کوئی نکاح نہیں کہ بیوہ عورت جب تک زبان سے ایجاب یا قبول نہ کرے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا، ایسا پیغامِ نکاح اور پھر مارنا پیٹنا، جبراً انگوٹھے لگانا یہ سب ظلم ہی ظلم اور محض حرام ہے، جو لوگ اس ظلم میں شریک ہوئے وہ سب ستم کار مستحقِ غضبِ جبار و قہار اور مستوجبِ عذابِ نار بنے، ان پر فرض ہے کہ سچے دل سے توبہ کریں اور اس عورت کو راضی کریں اور معافی مانگیں۔ ان کے کئی زبردست گناہ ہیں جن سے توبہ فرض ہے۔ یہ کافروں کا طریقہ تھا کہ وارث مال کی طرح متوفی کی بیوی کے بھی وارث بن جاتے تھے اور جبراً نکاح کر لیتے یا جس طرح چاہتے کرتے، حضرتِ رب العالمین جل وعلا نے اس کو سخت حرام کر دیا اور منع فرما دیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ

علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۶ رمضان المبارک ۷۲ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ زینب جو کنواری لڑکی بالغہ ہے اور اس کا حقیقی وارث بھی موجود ہے اور بغیر اطلاع وارث کے اور بغیر مرضی لڑکی زینب کے دور کے رشتہ دار نے ڈرا دھمکا کر رعب دے کر مار پیٹ کر کلماتِ نکاح پر مجبور کیا اور لڑکی مسماۃ زینب کو بہت مار کر کلماتِ نکاح کہلانے پر کلہاڑی کا سایہ دیکر کہا تو کہہ کہ میں نکاح کرتی ہوں، اس نے کہا میں نہیں کہتی اور مکان میں قید کیا اور پھر مارا اور اس نے نہ مانا اور انہوں نے مشہور کیا کہ ہم نے نکاح کر لیا ہے اور وارثِ حقیقی کو پتہ چلا اور وہ گھر لے آیا۔ کیا یہ نکاح شرعاً ہو گیا ہے یا کہ نہیں؟ جواب دیکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

السائل: احمد دین چک انائیں قوم بھدر ضلع منٹگمری ۱۳ ۶/۶۱

اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ کوئی نکاح نہیں بلکہ محض ظلم اور زیادتی ہے، نکاح

کے رکن ایجاب وقبول ہیں اور جب لڑکی انکار کرتی رہی ہے تو رکن نہ پایا گیا تو نکاح کیونکر ہوا؟ فتاوےٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۸۷ میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول کذا فی الکافی۔ الحاصل ایسے بناوٹی نکاح کا شرعِ پاک میں کوئی اعتبار نہیں بلکہ اس کو نکاح کہنا ہی جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ مریم عاقلہ بالغہ بیوہ صدر دین کا نکاح جبراً اس کے انکار کی صورت میں کیا گیا ہے حالانکہ مسماۃ مذکورہ انکار کے سوا کوئی لفظ اپنے منہ سے نہیں نکالا، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو مسماۃ مذکورہ اپنی رضا سے نکاحِ جدید کر سکتی ہے یا نہیں؟

السائل: نور محمد از کھڈیاں ۱۱ $\frac{12}{53}$

اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاحِ جبر قطعاً نہیں ہوا کہ مسماۃ مریم عاقلہ بالغہ

بیوہ ہے تو اس کی صاف اجازت یا ایجاب وقبول کے سوا نکاح نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ وہ صاف انکار کرتی رہی ہے اور جب وہ نکاح نہیں ہوا تو اپنی رضا و رغبت سے حسبِ دستورِ شرعِ مطہر اب نکاح کرسکتی ہے، تمام کتبِ مذہبیہ میں یہ صاف مصرح ہے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

سائلہ مظہر کہ اس نے نکاح کی اجازت نہیں دی بلکہ صرف یہ کہہ دیا کہ یہ میرا لڑکا ہے میں اس کے ساتھ نکاح نہیں کرتی اور پھر انگوٹھا بھی نہیں لگایا، مسمی امین وٹو کہتا ہے کہ ہم نے نکاح کردیا ہے، کیا اس طرح نکاح ہوجاتا ہے حالانکہ سائلہ اب تک انکاری ہے اور نکاح پسند نہیں کرتی۔ سائلہ: مسماۃ سرداراں بیوہ شاہ محمد وٹو امیرے کا از کھوتی پور، ۲۹ شوال المکرم ۱۳۷۳ھ

اگر سائلہ کا بیان صحیح ہے تو یہ کوئی نکاح نہیں ہوا وذا ظاھر من جمیع

اسفار المذهب ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان۔ واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ شوال ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں، سرداراں دختر کرم الٰہی کا نکاح سردار ولد منتعلی سے روبرو گواہوں کرنے کی از حد کوشش کی گئی، لڑکی بالغ تھی اور اس کا والد فوت ہو چکا تھا، لڑکی اس نکاح میں ناخوش تھی، نکاح خواں نے نکاح پڑھانے کی از حد سعی کی مگر لڑکی انکار کرتی رہی اور روتی بھی رہی، بالآخر مجبوراً چند آدمیوں کے مشورہ سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ نکاح پڑھا دیا گیا ہے، کوئی ایجاب نہیں کرایا گیا، بعد نکاح لڑکی اپنے بھائی کے پاس ہی رہی، سرور کی ازدواجیت میں بھی نہ گئی، اب بھی جانے سے انکار کرتی ہے کہ میں نے نکاح ہی نہیں پڑھا اس لئے میں اس کی زوجیت میں جانے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوں۔ برائے مہربانی از روئے شریعت اسلام حزب الاحناف مسئلہ کی وضاحت فرمائی جاوے۔

العبد: علی احمد سربراہ نمبردار چک ۲۸/فور ایل

تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

اگر سوال صحیح ہے کہ لڑکی بالغہ بالکل انکار کرتی رہی ہے اور نکاح قطعاً نہیں پڑھا اور صرف چند لوگوں نے بطورِ خود مشہور کردیا کہ نکاح ہوگیا تو واقع میں یہ نکاح نہیں ہوا اور نہ ہی وہ لڑکی شرعاً اس لڑکے کی بیوی ہے اور نہ ہی وہ لڑکا خاوند ہے وذا ظاھر جدا من ان یظھر۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت کا زبردستی نکاح کیا گیا، وہ عورت انکار کرتی رہی کہ میں اس کے ساتھ نکاح نہیں کرتی، اس کے ساتھ میری کٹ نہیں ہوتی مگر مرد کو کلمے پڑھ کر زبردستی نکاح بنایا گیا تو اس پر عورت نے اس مرد سے کہا کہ آ ماماں چلئے، کہاں سونا بیٹھنا ہے اور پھر اسی رات اس مرد سے بھاگ کر ایک اور شخص کے پاس چلی گئی جس کے ساتھ نکاح کی خواہش مند تھی، کیا وہ زبردستی نکاح ہوگیا یا نہیں؟

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوا کہ شرائطِ نکاح سے عورت کی رضا بھی ہے، اس صورت میں عورت نکاح سے پہلے اور پیچھے انکار ہی انکار کرتی رہی تو نکاح کیسے ہوا؟ والمسئلۃ مصرحۃ بہا فی جمیع معتبرات المذاھب۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

تصدیق کی جاتی ہے کہ بوقت خواندگی نکاح مسماۃ رحموں دختر فتح دین مزائن ساکن اقبال پورہ داخل مصطفےٰ آباد باجازت فتح الدین والد مسماۃ رحموں نکاح شروع کیا گیا۔ ایجاب و قبول کے وقت لڑکی (مسماۃ رحموں) نے کلمہ نکاح پڑھنے سے صاف انکار کیا اور اس نے کوئی کلمہ نکاح نہیں پڑھا بلکہ وہ گڑ جو برائے تقسیم مجلس تھا دور پھینک دیا تھا۔ لڑکی

سمجھدار اور عاقل ہے، علمائے دین جس طرح حکم فرمائیں۔ والسلام

مولوی احمدالدین قاضی نکاح خواں　　　عبدالرحمٰن شہر ملک شاہ

دستخط (احمد دین)　　　حاضر مجلس نکاح مذکورہ بقلم خود

گواہ شد فتح الدین ولد بہادر ٹھاپی حاضر مجلس

(نشان انگوٹھا)

ــہ سائل نے زبانی بیان کیا کہ لڑکی بالغہ تھی اور عاقل سے مراد یہی ہے لہٰذا فتوے میں لفظِ بالغہ زیادہ کیا گیا اور اس پر یہ حکم ہے ۱۲ ابوالخیر غفرلہ

نکاحِ مذکور صحیح و نافذ نہیں کہ عاقلہ بالغہ پر کوئی جبر نہیں کر سکتا، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱ میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ رجمادی الاخرٰے ۶۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ جوان لڑکی کے نکاح کے وقت

اجازت طلب نہیں کی گئی اور خاوند کے گھر پہنچ گئی، راضی ہو کر ایک مہینہ رہی، ایک مہینہ کے بعد اس لڑکی نے کہا کہ مجھ سے اجازت نہیں طلب کی گئی، کیا نکاح ہو گیا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: مولانا ابوالوفا منظور احمد مدرس مدرسہ عربیہ ستلج کاٹن ملز اسے لائن اوکاڑہ

اگر وہ جوان لڑکی عاقلہ غیر عاقدہ بنفسہا ہے اور اس نے قبل از وقتِ نکاح بلا استیذان یا استیذان پر اذن نہیں دے رکھا تھا اور ایسے ہی وقتِ نکاح بلا استیذان بھی اذن نہ دیا ہو تو وہ نکاح نکاحِ فضولی ہوا جو لڑکی کی اجازت پر موقوف تھا اور مذہبِ حنفی میں اسے باطل جاننا محض جہالتِ باطلہ وفضول ہے، وقایہ، تنویر الابصار، درالمختار، کنزالدقائق، بحرالرائق، ہندیہ، خیریہ میں ہے والنظم للرملی والاصل عندنا ان نکاح الفضولی موقوف لا باطل، تو اگر لڑکی نے بعد از علم نکاح جائز کر دیا کہ صراحۃً کہہ دیا کہ مجھے پسند ہے یا کوئی اور ایسا قول یا فعل کیا جو دال بر رضا ہو یا لڑکی کنواری ہے اور سکوت کیا تو جائز ونافذ ولازم ہو گیا اور شوہر کے گھر جانے پر راضی ہو کر ایک ماہ رہنے سے یہ رضا نمایاں ہو رہی ہے، بدائع صنائع اور فتاوے عالمگیری ج۱ ص۱۱ میں ہے والنظم من الھندیۃ لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازتہ جاز وان ردت بطل کذا فی السراج الوھاج۔ نیز اسی میں ہے والنظم منہا وتثبت الاجازۃ

لنکاح الفضولی بالقول والفعل کذا فی البحر الرائق. انہی میں ہے بنظمها کما یتحقق رضاها بالقول کقولها رضیت وقبلت واحسنت واصبت بارك الله لك او لنا ونحوه یتحقق بالدلالة کطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطئ وقبول التهنئة والضحك بالسرور من غیر استهزاء کذا فی التبیین. نیز ان دونوں میں ہے والنظم لملك العلماء وان کانت بکرا فان رضاها یعرف بهذین الطریقین وبثالث وهو السکوت، اور گو حکم یہ ہے کہ پہلے رد کردے تو بعد کی اجازت معتبر نہیں، بحر الرائق میں ہے بخلاف ما لو بلغها العقد فردت ثم قالت رضیت حیث لا یجوز لان العقد بطل بالرد مگر زن وشوئی تعلقات کے باہمی ایک ماہ راضی رہنے کے بعد اب صرف لڑکی کا دعوائے عدم طلب اجازت تو کیا دعوائے انعدام نفس اجازت پر اگر شہادتیں بھی پیش کریں تو مقبول نہیں۔ ہمارے ائمہ کرام نے تو صرف ایک مرتبہ فعل بالرضا پر بھی یہی حکم لگایا ہے مبسوط، فتاوی قاضیخان۔ فتح القدیر، بحر الرائق، فتاوے عالمگیری میں ہے والنظم للامام الحسن ان کان الزوج دخل بها طوعا لم تصدق فی دعوی الرد۔ ہندیہ کی تعلیل بایں الفاظ ہے لان التمکین بمنزلة الاقرار بالرضا ولو اقرت بالرضا ثم ادعت الرد لا یصح دعواها ولا تقبل بینتها فکذا هذا کذا فی المحیط انتہی ولا فرق بین البکر والثیب فی التمکین والدخول کما مر۔

ہاں اگر یہ جانا اور رہنا مجبوراً ہو تو اور حکم ہے، امام قاضی خان وغیرہ کا ارشاد ہے وان کان دخل بها کرها صدقت فی دعوی الرد، اور اگر وہ نکاح لڑکی کے ایسے اذن سے ہوا جو بلا استیذان وقتی تھا یا لڑکی نے خود عقد کیا تو ابتداءً ہی لازم ونافذ ہوا وذا اظهر من ان یظهر اور اگر مجنونہ تھی تو اس کے احکام بھی غیر مخفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ بارک وسلم۔

حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ر جمادی الاخریٰ ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ یتیم نابالغ کا نکاح بلا اجازت ولی شرعی کے بایں صورت کیا گیا کہ فقط ہندہ کی والدہ کا انگوٹھہ بلا رضا لگوایا، آیا یہ نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

سائل: سندا ماچھی از موضع اداں کلاں مورخہ ۱۶ر شعبان المعظم ۶۶ھ

اگر صورتِ مسئولہ صحیح اور واقعی ہے تو ہندہ کا نکاح قطعاً نہیں ہوا کہ نابالغ ونابالغہ کا نکاح بلا اجازتِ ولی نہیں ہو سکتا اور عصبات کے موجود ہونے کی صورت میں والدہ ولی نہیں بن سکتی وذا البین من ان یبین اور لطف تو یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ کا محض نام ہی نام ہے، حقیقۃً نکاح قطعاً حتماً نہیں کہ نکاح شرعاً ایجاب وقبول کے بغیر منعقد ہو ہی نہیں سکتا۔ فتاوے عالمگیری ج ا ص ادغیرہا میں ہے اما رکنہ فالایجاب والقبول اور ایجاب وقبول تلفظ کا نام ہے۔ اسی فتاوے ہندیہ میں ہے والایجاب ما یتلفظ

بہ اولا من ای جانب کان ~~الجواب~~ والقبول جواب۔ ھٰکذا فی العنایۃ تو محض انگوٹھا اگرچہ رضا و رغبت سے خود ولی شرعی لگا دے کسی صورت میں قابلِ اعتبار نہیں چہ جائیکہ والدہ صورتِ مسئولہ میں ولی شرعی بھی نہیں اور وہ بھی بلا رضا لگا دینی ہے واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وعم نوالہ وصلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ بیدہ

۱۶ شعبان المعظم ۶۶ھ

(سوالات من جمعیۃ العلماء پاکستان)

حضرات علمائے کرام وعمائدینِ ملت، السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

آپ کے علم میں ہوگا کہ پنجاب اسمبلی میں بیگم سلمیٰ ایم ایل نے ایک بل بابت تحدید تعدد ازدواج پیش کیا ہے، یہ بل ہماری نظر میں مداخلت فی الدین کے مترادف اور اکثر خلافِ شرع ہے، بل کے مسودہ کی نقل بھی حاضر ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں، ہم نے اس بل سے چند سوالات اخذ کر کے جمع کئے ہیں، براہِ کرم اول فرصت میں مع حوالہ فتوے مرتب کر کے ایک کاپی سپیکر پنجاب اسمبلی اور ایک کاپی مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان کے دفتر میں ارسال کر کے ممنون فرمائیں:۔

۱۔(ا) از روئے شرع چار عورتوں سے بیک وقت انعقادِ نکاح بغیر کسی قید خارجی کے صحیح ہوسکتا ہے؟

(ب) اگر صحیح ہوسکتا ہے تو از روئے سیاستِ شرع کس حد تک قیود گوارا کی جاسکتی ہیں؟

(ج) کیا کسی جج یا مجسٹریٹ کو شریعتِ مطہرہ اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کے لئے ڈگری دے سکے؟

۲۔(ا) بالفرض بعد حصولِ اجازت ایک سے زیادہ شادیاں کرلے تو منکوحہ اول مجاز ہوسکتی ہے کہ طلاق یا افتراق کا مطالبہ کرسکے؟

(ب) اگر طلاق یا افتراق کے لئے کسی عدالت میں مرافعہ کرے تو عدالت کے فسخِ نکاح کردینے سے عورت خود مختار ہوسکتی ہے؟

۳۔ بوقتِ نکاح ایسی شرط لگانا کہ دوسری شادی ہرگز نہ کرے، جائز ہے؟

۴۔(ا) اگر شوہر نے طلاق الاحسن کے سوا کوئی اور طلاق دی تو کیا شرعاً کسی کو حق ہے کہ ان کو ناقابلِ قبول اور ناجائز سمجھے اور یہ کہ الاحسن کے سوا طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

(ب) طلاق کے جائز یا ناجائز تصور کرنے کے فیصلے کے لئے کسی قانونی عدالت سے ڈگری حاصل کرنا کہ طلاق بوجہ احسن دی گئی ہے اور اس کے لئے معقول وجوہ کارفرما تھیں نیز شوہر نے اپنی مطلقہ بیوی کو معجل یا غیر معجل زرِ مہر اور عورت کے ایام کے لئے نان ونفقہ ادا کردیا ہے اور اس کی تمام جائداد واپس کردی ہے وغیرہ کی شرط لگانا صحیح ہوسکتا ہے؟

(ج) بالفرض وجوہِ مذکورہ ضمیمہ ب قانونی عدالت میں صحیح نہ ہوسکیں اور حقیقت میں شوہر نے طلاق دے دی ہو تو عدمِ ثبوتِ وجوہِ مذکورہ کی بنا پر طلاق کالعدم قرار دی جاسکتی ہے؟

(د) ایک ہی نشست میں طلاق کے تین بار اعلان کو جن کو بالاتفاق طلاق البدعۃ کہا جاتا ہے، اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۵۔ قانونی عدالت میں ثبوتِ دعویٰ کے سلسلہ میں اخراجاتِ مقدمہ کی ڈگری مدعا علیہ سے وصول کرنا یا جج کا فیصلہ دینا صحیح ہے؟

غلام معین الدین نعیمی غفرلہ نائب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان لاہور

۱۔ (و) ہاں یقیناً ہو سکتا ہے، اجازتِ عامہ ربانیہ احل لکم ما وراء ذٰلکم (پ۵ ع۱) کا یہی تقاضا ہے اور مرد اس انتخاب و اختیار میں قیودِ خارجیہ سے آزاد ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع (پ۴ ع۱۲) کا یہی معنی ہے اور یہ بھی یہ حق فطری کہ جعل لکم من انفسکم ازواجا (پ۱۴ ع۱۶) کا لامِ لکم افادۂ استحقاق میں خلق لکم ما فی الارض (پ۱ ع۳) کے لامِ لکم کے مماثل و مضاہی ہے اور یہی استحقاق[للعہ] نساءکم حرث لکم (پ۲ ع۱۲) سے ناشی ہے پھر سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ قولیہ

للعہ اجازتِ مناکحت سے انسانیت کو شہوانی مواصلات کے زیر بار کرنا مقصود نہیں بلکہ کتاب و سنت کا مطالعہ اور عقلِ سلیم کی روشنی سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اصل مقصود ابقاء و افزائشِ نوع شریف ہے اور مواصلاتِ مذکورہ ذریعۂ محض ہیں، اب اصل مقصود پر نظر کرنے سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے: نساءکم حرث لکم سے مقصود نظم کا تقاضا تھا کہ یہ تعدد محدود ہو تو وہ اسلام نے احسن وجوہ پورا کر دیا جبکہ حوادثِ حربیہ کے باعث مردوں کی کمی بسا اوقات مجبور بنا دیتی ہے کہ تعددِ ازدواج اور مذاہبِ غیر کبھی اس زریں اصولِ اسلام کو اپنانے کے درپے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

اور فعلیہ کا بھی فیصلہ یہی ہے، بیک وقت امہات المؤمنین کا نو ہونا (بخاری ج ۲ ص ۹۰، وغیرہ)
جواز اربعہ مع خصوصیت زائدہ کے اثبات میں کافی ہے اور چار سے زائد بیویوں والا اسلام
لایا تو اسے اختر منہن اربعا فرمانا (بیہقی ج ۷ ص ۱۴۹ وغیرہ) بیان شافی ہے پھر اہل بیت
عظام اور صحابہ کرام کا بھی یہی دستور رہا، حضرت مولا علی کے نکاح میں بیک وقت چار حرم تھے
(غزالی احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۴) امام حسن مجتبیٰ نے دوصد سے زیادہ عورتوں سے شادی کی،
(کیونکہ) کئی مرتبہ چار عورتوں سے بیک وقت عقد فرمانے اور کئی مرتبہ ایک ہی وقت میں چار
کو طلاق دے دیتے، پھر ان کے عوض اوروں سے شادی فرماتے (احیاء ج ۲ ص ۳۱)۔
دیگر صحابہ میں بھی ایسے حضرات تھے جن کی تین اور چار بیویاں تھیں اور جن صحابہ کی دو تھیں وہ
تو بے شمار تھے (احیاء ج ۲ ص ۳۱)

ہمارے ائمہ کرام بھی یہی فرماتے ہیں للحران یتزوج اربعا من الحرائر
والاماء کذا فی الہدایۃ (فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶) البتہ اگر یہ خطرہ ہو کہ خوراک، لباس
وغیرہ امور اختیاریہ میں برابری کا برتاؤ نہیں رکھ سکے گا تو اپنے طور تعدد ازواج سے
پرہیز کرے فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ (پ ۴ ع ۱۲) اسی امر کی ہدایت ہے
رہے غیر اختیاری امور محبت وغیرہ تو ان میں برابری کا برتاؤ محال ہے یقیناً کوئی کرہی نہیں
سکتا ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم (پ ۵ ع ۱۶) تو یہ مانع
بھی نہیں بن سکتے، ان خفتم کے تحت داخل ہی نہیں کہ محال خطرہ انتفاء سے گزر کر منتفی ہونا
ہے لہذا ان امور میں استطاعت عدل کی تاکیداً نفی فرماتے ہوئے بین النساء
سے جواز تعدد پر نص فرمادی کہ النساء سے شرعی متعدد بیویاں ہی مراد ہیں پھر فلا
تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ سے عدل مطلوب کو اختیاری امور
میں محدود فرمادیا اور ترمذی ص ۱۴۷ کی حدیث شریف اللھم ھذہ قسمتی فی
ما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (ترمذی اس کی تفسیر میں ناقل

یعنی بہ الحب والمودۃ) صراحۃً بتا رہی ہے کہ محبت وغیرہ امور غیر اختیاریہ میں برابری کا برتاؤ ضروری نہیں بلکہ ممکن ہی نہیں اور ایسے ہی وسعتِ ذرائع آمدنی بھی شرط نہیں، کفیلِ رزق خود مولیٰ تعالیٰ ہے نحن نرزقکم وایاھم (پ ۸ ع ۶) یعنی ہم تمہیں اور انہیں (اولاد) سب کو رزق دیں گے۔" بلکہ نکاح کرنے پر خصوصی فضل کا وعدہ فرمایا وان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ (پ ۱۸ ع ۱۰)۔

حضرات ابن مسعود، عمر، ابوبکر بلکہ خود سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا سببِ غنا ہونا مروی والنظم لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التمسوا الرزق بالنکاح (در المنثور ج ۵ ص ۴۵)۔

(ب) رضا کارانہ مشورہ کی حد تک کہ امرھم شوریٰ بینہم (پ ۲۵ ع ۵)۔

(ج) جب ثابت ہو چکا کہ تعددِ ازدواج مرد کا جائز حق ہے تو اس کے لئے کسی کی ڈگری ضروری نہیں اور اسے کوئی روک بھی نہیں، مرد تو مرد ہی ہے عورت باوجودیکہ ناقصۃ العقل ہے اس کو بھی بلا مانعِ شرعی باپ بھائی، سلطانِ اسلام وغیرہ کوئی بھی شرعاً ہرگز ہرگز نکاح سے روک نہیں سکتا اگرچہ پہلے تلخ تجربہ بھی کر چکے ہوں کہ جس مرد کے ساتھ نکاح پر رضامند ہوئی ہے، پہلے بھی اس سے نکاح کر چکی ہو اور اس نے طلاق دے کر عدت گزرنے تک رجوع بھی نہ کیا ہو اور اگرچہ اس مرد کے نکاح میں پہلے بھی ایک یا ایک سے زیادہ بیویاں ہوں کہ مطلقاً ارشاد ہوا واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینہم بالمعروف (پ ۲ ع ۱۴) پھر اس نہ روکنے کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (ذلکم ازکیٰ لکم واطھر واللہ یعلم وانتم لا تعلمون)۔ حقائقِ اشیاء کے جاننے والے ارحم الراحمین کے قوانین جو اغراض پر مبنی نہیں وہی قابلِ عمل ہیں نہ انسان کے خودساختہ کہ وہ بیچارہ

علمِ حقائق سے بے بہرہ اور پابندِ اغراض ہے۔

۲۔ (ا) صرف اس وجہ سے کہ شوہر نے اور شادی کر لی، پہلی بیوی ایسے مطالبہ کی شرعاً مجاز نہیں کہ مرد نے اس پر ظلم نہیں کیا یہ اس کا جائز حق تھا جیسے ثابت ہوا۔

(ب) نکاح کی گرہ شرعاً شوہر کے ہاتھ ہی ہے، صاف صاف ارشاد ہوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح۔ (پ۲ع۵) تو طلاق و افتراق بھی اسی کا حق ہے پھر حدیث شریف میں بھی نہایت وضاحت سے ہے کہ طلاق اسی کا حق ہے جو پنڈلی پکڑ سکتا ہے یعنی مجامعت کر سکتا ہے، ابنِ ماجہ ص ۱۵۲ میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق اور سننِ بیہقی ج۷ ص ۳۶۰ کی حدیث میں خاص تنبیہ موجود ہے الا انما یملك الطلاق من یاخذ بالساق تو بلا دلیلِ شرعی کسی اور کے فسخ کر دینے سے منکوحہ عورت خود مختار نہیں بن سکتی۔

۳۔ اختیاری طور پر وعدہ کی شکل میں جائز ہے مگر اس صورت میں دوسری شادی کرے تو نکاح ہو جائے گا کہ مولا تعالیٰ کا دیا ہوا حق نہایت قوی ہے حدیث شریف میں ہے ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط۔ (صحیح بخاری ج۱ ص ۳۷۷، صحیح مسلم ج۱ ص ۴۹۴)

۴۔ (ا) طلاق الاحسن اس طلاق کا ایک نوع ہے جس کو حضرتِ رب العالمین جل وعلا نے مشروع کیا اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں صراحۃً ذکر فرمایا، پھر سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت تفصیل و توضیح فرمادی اور جمہور صحابہ کرام اور ائمۃ المسلمین و عامۃ المسلمین آجتک یہی سمجھتے آئے ہیں کہ طلاق مشروع ہے اور اس کے کئی نوع ہیں جو سب کے سب رافعِ نکاح ہیں۔ یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ محتاجِ وضاحت ہی نہیں تو اس شرعی طلاق کے ایک نوع کو قابلِ قبول قرار دینا اور باقی انواع کو محض اپنی رائے سے رد کر دینا افتؤمنون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعض کے تحت داخل

ہوتا ہے جو کسی مسلمان کی شان نہیں، ہمیں تو حکم ملا ہے ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین (پ۲ ع ۹) بہرحال شرعی طلاق کے سب انواع رافعِ نکاح ہیں، ان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور کسی کا یہ حق نہیں کہ ایک کے ماسوا باقی سب انواع کو ناقابلِ قبول قرار دیدے۔

(ب) ہرگز ہرگز صحیح نہیں کہ قوانین قرآنیہ اور فرامین حدیثیہ یقیناً ان امور کی شرط سے مشروط نہیں بلکہ مطلق ہیں تو کسی ایماندار مرد یا عورت کو یہ اختیار قطعاً حاصل نہیں کہ مشروط بناتے ہوئے من مانی کارروائی کرے، مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (پ۲۲ ع ۲) بلکہ خاص بیانِ طلاق میں ارشاد فرمایا تلک حدود اللّٰہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولٰئک ھم الظٰلمون (پ۲ ع ۱۳) یعنی یہ (احکام طلاق) اللہ کی حدیں ہیں تو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

(ج) جب وجوہِ مذکورہ ضمیمہ ب کی شرط شرعاً صحیح ہی نہیں تو اس کا عدالتی عدمِ ثبوت بھی طلاقِ صحیح اور واقعی پر اثر انداز نہیں ہو سکے گا، کیا شرعاً ارتفاعِ نکاح کے بعد بھی عورت حلال رہے گی؟ مولا تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام لتفتروا علی اللّٰہ الکذب ان الذین یفترون علی اللّٰہ الکذب لا یفلحون متاع قلیل ولھم عذاب الیم (پ۱۴ ع ۲۱) یعنی نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا، تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

طلاق کا معاملہ تو اتنا نازک ہے کہ ہنسی اور ٹھٹھہ سے بھی کہہ دے تب بھی واقع

ہو جاتی ہے، حدیث شریف میں ہے ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ (بیہقی ج ۷ ص ۳۴۱)۔

(د) صرف ایک ہی نہیں بلکہ یقیناً تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور عورت فوراً حرام ہوجاتی ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کے بعد فرمایا فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ (پ۲ ع ۱۳) مطلقاً تین طلاقوں کا حکم فرمایا جو قطعی طور پر ایک نشست میں تین بار اعلانِ طلاق کو بھی ضرور شامل؛ اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی فتوےٰ ہے، ابنِ عمر نے سوال کیا ارأیت لو طلقتھا ثلاثا اکان یحل لی ان اراجعھا تو جواباً فرمایا لا کانت تبین منک (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۰۱، دار قطنی اور ابن ابی شیبہ سے) اور اسی پر جمہور صحابہ کرام اور ائمہ عظام کا اجماع ہے، شامی ج ۲ ص ۵۷۶ میں ہے ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الیٰ انہ یقع ثلث بلکہ ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دیدے، تب بھی واقع ہوتی ہیں دلائل کا یہی قطعی تقاضا ہے، ہمارے متقدمینِ ملت نے تو یہاں تک تصریح فرمادی کہ اگر اسلامی جج اس کے خلاف فیصلہ دیدے تو وہ فیصلہ باطل ہے۔ فتاوی عالمگیر ج ۳، ص ۱۶۵ میں ہے لو قضی ببطلان طلاق من طلقھا ثلاثا بکلمۃ واحدۃ او فی طھر جامعھا فیہ فقضاؤہ باطل۔

۵۔ جب اوپر ثابت ہوچکا کہ تعددِ ازدواج مرد کا جائز اور فطری حق ہے تو دوسری شادی کی مدافعت کا حق پہلی بیوی کو کیونکر ہوسکتا ہے اور ایسے ہی ثابت ہوچکا کہ مطالبۂ طلاق وافتراق کی اہل بھی نہیں اور شرعاً شوہر کے لئے بالادستی اور سیادت بھی ثابت ہے للرجال علیھن درجۃ (پ۲ ع ۱۲)، الرجال قوامون علی النساء (پ۵ ع ۳)، الفیا سیدھا لدی الباب (پ۱۲ ع ۱۳) اور بیوی اس کی رعیت ہے، حدیث

شریف میں ہے الرجل راع علی اھلہ (بخاری ج۲ ص ۷۷۹) اور شوہر کی قید بہ ہے حدیث شریف میں ہے انھن عوان فی اید یکم یعنی اسراء (احیاء ج۲ ص) حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص ۱۲۷ میں ہے السنۃ الفاشیۃ من قبل ضرورۃ جبلیۃ ان یکون الرجال قوامین علی النساء ویکون بید ھم الحل والعقد وعلیھم النفقات وانما النساء عوان بایدیھم بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے لوکنت اٰمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا (ترمذی ج۱ ص ۱۵۰ باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأہ)

تو ماہِ نیم ماہ اور مہر نیم روز کی طرح نمایاں ہوا کہ ایسے فائق حقوق والے شوہر پر بلا استحقاقِ شرعی ایسے مقدمات دائر ہی نہیں کر سکتی بلکہ اگر ایسی غلطی کا ارتکاب کرے تو یہ نشوز و نافرمانی بنے گی جس پر شوہر بلا مداخلتِ حکام تعزیر بھی لگا سکتا ہے مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن (پ۵ ع ۳۶)۔

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ کے ج۲ ص ۱۲۹ میں فرماتے ہیں ولا جائز ان یجعل امرھا الی القضاۃ۔ تو عورت کے ایسے مقدمات کے اخراجات کے متعلق شوہر کی ذمہ داری کا سوال ہی عائد نہیں ہوتا اور جہاں اسلام نے صنفِ نازک کو بہت سی سخت بندشوں سے رہائی عطا فرمائی وہاں چند پابندیاں بھی عائد فرمادی ہیں محض اس کی بہبودی کے لئے تو ان کا پاس اور بطیبِ خاطر برداشت کرنا از راہِ شکرانہ بھی اس پر ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ رحمۃ للعالمین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۳ جمادی الاخری ۷۴ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔ بعد از صد تکریم عرض خدمت ہے کہ بندہ کی لاعلمی اور والدین کے از حد اصرار سے طوعاً و کرہاً بندہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کر بیٹھا ہے جسے اگر بیوقوف نہیں کہہ سکتے تو عقلمند بھی نہیں، والدین کا خیال تھا کہ خود اچھی تربیت کر لیں گے مگر افسوس کہ ہر ممکن طریقے کے باوجود اصلاح نہ ہو سکی، سمجھانے کے باوجود اسے پاکی اور پلیدی کی تمیز تک نہیں، دینی واقفیت اور عمل تو بہت دور رہا علاوہ ازیں وہ گھریلو امور میں بھی کوری ہے، نہ روٹی تیار کر سکے، نہ آئے گئے مہمان کی دیکھ بھال اور نہ ہی گھریلو اشیاء بحفاظت رکھ سکے بلکہ وہ عرصہ دو سال سے بندہ کے پاس ہے اس عرصہ میں اس نے گھر کے اکثر کانسی اور سلور وغیرہ کے برتن بھی توڑ کر رکھ دیئے، بچوں کی طرح اپنا لباس مختصر ہونے کے باوجود پاک اور صاف نہیں رکھ سکتی، علاوہ ازیں وہ یتیم بھی ہے، والدہ اور بھائی اور دیگر رشتہ دار اس کے قریب تک نہیں جاتے، روٹی کپڑا تو بہت مشکل ہے۔ ان حالات میں اگر بندہ اسے طلاق دیدے تو اس کا کوئی ٹھکانہ اور دوسری شادی کیے بغیر گھریلو انتظام کا چلنا سخت مشکل ہے اور اگر دوسری شادی کر لوں اور اسے بھی اپنے پاس رکھوں تو دونوں کے ساتھ ایک سا سلوک ہونا مشکل ہے کیونکہ سمجھدار اور تعلیم یافتہ نے معمولی چیز پسند نہیں کرنی اور موجودہ اس چیز کے اہل نہیں، بعد ازیں دونوں کو اعلیٰ اشیاء مہیا کرنا بندہ کی ہمت نہیں۔ اب کیا کروں کہ جس میں گرفتِ خداوندی اور انسانی دونوں نہ ہوں اور کام بھی احسن طریقے سے چلتا رہے اور یکساں سلوک نہ ہونے کے خوف سے طلاق دیتا ہوں تو اس کا

وارث کوئی نہیں اور اگر نہ دوں تو روٹی ملنی بھی مشکل ہے، بندہ خود انسانی ذریعۂ معاش کا کام کرے یا گھر بیٹھ کر خود کھانا پکائے اور بیگم کو بھی کھلائے، کیا کرے؟
براہِ نوازش فتویٰ کی صورت میں اس مسئلہ کو حل فرما کر شریعت کے مطابق جواب باصواب مرحمت فرمادیں اور اس عریضہ کو پردہ میں رکھیں، فقط والسلام۔
آپ کا نیازمند: ماسٹر محمد اقبال ساکن منڈی ہیرا سنگھ

شرعاً خاوند پر لازم ہے کہ بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کرے پوشاک، خوراک، اخراجات، مکان، شب باشی میں کنڈے کے تول برابر برتاؤ کرے، کسی ایک کو بالکل ترجیح نہ دے اور اگر ایسا سلوک یقیناً نہ کرسکتا ہو یا نہ کرنے کا خطرہ دامنگیر ہو تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفا کرے، قرآن کریم میں ہے فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ پس اگر خطرہ ہو تمہیں کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک بیوی۔ تفسیراتِ احمدیہ وغیرہا میں ہے وذٰلک العدل فی الکسوۃ والنفقۃ والسکنی والبیتوتۃ معہا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویۃ بینہن فیما یملکہ والبیتوتۃ عندھا للصحبۃ والموانسۃ۔ نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا یجوز ان یجمع ضرتین او الضرائر فی مسکن واحد الا برضاھن یعنی دو یا زیادہ بیویوں کو ایک مکان میں بغیر ان کی رضا کے اکٹھا رکھنا جائز نہیں، ہاں دلی محبت اور مجامعت میں برابری لازم نہیں کہ محبت غیر اختیاری

ہے اور مجامعت بھی بنی بر محبت ہے، اس کا بیان بھی قرآنِ کریم میں ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ (ترجمہ) اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ متعدد عورتوں کو برابر رکھو (حتیٰ کہ محبت اور جماع میں بھی برابری رکھو) اگرچہ کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو آدھر میں لٹکتی چھوڑ دو۔

تفاسیر اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا فیما لا یملك وھو الحب والجماع بنائً علیہ آپ پر لازم کہ دوسری شادی ایسی صورت میں ہرگز نہ کریں اور اگر محبوبہً اور بیگم چاہئے تو پہلی کو طلاق دیکر فارغ کر دیں، باقی رہا یہ خدشہ کہ پہلی بیگم کا والد اور بھائی اور رشتہ دار اس کا خیال نہیں کریں گے اور روٹی کپڑا نہیں دیں گے تو اس کا جواب خود قرآنِ کریم نے دیا ہے وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ یعنی صورتِ اصلاح و موافقت نہ بننے پر میاں بیوی الگ الگ ہو جائیں (کہ خاوند طلاق دیدے) تو اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں کو اپنی کشائش سے ایک دوسرے سے بے نیاز بنا دے گا، تو طلاق کی صورت میں آپ اس گناہِ عظیم سے بچ جائیں گے جس کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ محبوبہً برابری نہیں کر سکتے اور بیگم کے لئے کوئی اور اچھی صورت مولیٰ تعالیٰ پیدا کر دے گا اور والد و رشتہ دار ضرورت کے وقت خیال نہ کریں گے تو وہ خود ماخوذ ہوں گے، آپ پر کیا نقصان عائد ہوگا؟ ہاں اگر اسی بیگم پر اس کی غریبی کی وجہ سے صابر رہو تو اجرِ عظیم حاصل کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

تاریخِ تحریر

۱۷ ربیع الثانی ۸۷ھ بروز جمعۃ المبارکہ

الاستفتاء

حضرت قبلہ مولانا محمد نور اللہ صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم: ملتمس ہوں کہ ایک لڑکی کے بیمار ہونے پر اس کی والدہ نے منت مانی تھی کہ لڑکی اگر تندرست ہوجائے تو وہ اسے حضور نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر چڑھا دیں گے، لڑکی تندرست ہوگئی، اب لڑکی سن بلوغت کو پہنچ چکی ہے، وہ میرے قبیلہ سے ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے لڑکے کے لیے اس کا رشتہ طلب کروں، لڑکی کے وارث اسے عرب شریف پہنچا کر اپنی منت پورا کرنا چاہتے ہیں، آپ سے استدعاء ہے کہ آپ فتوےٰ صادر فرمائیں آیا لڑکی کا رشتہ یہیں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس کا کفارہ ہوگا یا نہیں؟

ہاں اس لڑکی کا رشتہ یہیں ہوسکتا ہے کہ یہ منت ایسی منت نہیں جس کا پورا کرنا لازم ہو۔ ایسی منت کے لئے شرط ہے کہ وہ ایسی جنس سے ہو جس کا کرنا شرعًا واجب ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ عبادتِ وسیلہ نہ ہو، فتاویٰ عالمگیر ج ا ص ۲۰۷ میں ہے احدھا ان یکون الواجب من جنسہ شرعا فلذلک لم یصح النذر بعیادۃ المریض والثانی ان یکون مقصودا لا وسیلۃ فلم یصح النذر بالوضوء وسجدۃ التلاوۃ اور چونکہ روضۂ انور پر لڑکی کا چھوڑنا شرعًا واجب نہیں اور نہ یہ

جنسِ واجب سے ہے تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی اور یونہی روضۂ انور کی حاضری ہمارے لئے وسیلۂ نجات ہے اور وسیلہ کی منت نہیں لہٰذا یہ منت صحیح نہیں حتٰی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہونے کی منت مانے تب بھی منت لازم نہیں اسی وجہ سے کہ وہ وسیلہ ہے، شامی ج۳ ص ۹۲ اور در المختار میں ہے والنظم من الدر ولو مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الاقصی لانہ لیس من جنسہا فرض مقصود وھذا ھو الضابط اور نذر کے لازم نہ ہونے کے اور بھی کئی دلائل ہیں۔ بہرحال یہ منت لازم نہیں تو اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں، ہاں یہ نہایت بہتر اور مناسب ہے کہ شرائط شرعیہ کی رعایت کے ساتھ اس لڑکی کو روضۂ انور کی زیارت کرائی جائے اور درود شریف زیادہ پڑھا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱-۵-۶۳

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد گذارش:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نکاح ۱۹۵۷ء میں ہوا تھا اور ڈولی میں لڑکی کو نہیں پایا گیا، کیا آج ڈولی پانے

کے لئے دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں حالانکہ طلاق یا اور کوئی چیز نکاح کو نقصان پہنچانے والی نہیں پائی گئی، تحریر فرمادیں۔

سائل: محمد سرور بقلم خود حصہ دار وجھلانا ۶۸-۷-۶

جب پہلے باقاعدہ نکاح ہوچکا ہے تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، پہلا ہی نکاح کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

بانی ومہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور بقلم خود

۹ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ ۶ $\frac{۷}{۶۸}$

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ جو کہ آدمی گونگا بہرہ ہو مگر اشاروں کو خوب سمجھ سکتا ہے نیز عرصہ پانچ سال تک گونگا بہرہ سکول میں تعلیم حاصل کرتا رہا ہے لکھ سکتا ہے، اب اس کی شادی کرنا ہے نکاح کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے ذرا وضاحت فرمادیں (یونہی

لکھا ہے)۔

عرضے : میاں قاسم سکنہ جند لکیا والدنیا نا احمد گونگا بہرا۔

اس کو اشارہ سے سمجھا دیا جائے کہ تیرا نکاح اس لڑکی کے ساتھ کیا ہے کیا تجھے قبول ہے؟ پھر اگر وہ اشارہ کر دے کہ قبول ہے تو نکاح ہو گیا، یونہی لکھ کر اس کے سامنے کر دیا جائے اور وہ قبول کا اشارہ کر دے یا لکھ دے تو جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۰۰ میں ہے ایماء الاخرس وکتابتہ کالبیان فی الوصیۃ والنکاح والطلاق نیز اسی میں ہے یجوز نکاح الاخرس وطلاقہ (الی ان قالوا) اذا کان یکتب او یومی ایماء یعرف بہ۔ اور یونہی اکثر کتب مذہب میں ہے اور اس کا لکھنا اشارہ سے بھی اچھا ہے جبکہ باقاعدہ صحیح لکھ سکتا ہو مثلاً یہ کہ من کہ فلاں بن فلاں ہوں اس لڑکی فلانہ بنت فلاں کا نکاح قبول کرتا ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید نا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ر صفر المظفر ۱۳۹۲ھ $\frac{3}{2}$ ۷۲

ے تکملۃ البحر ص ۴۷۸ ویعلم من اشارۃ روایۃ الاصل ان الاشارۃ من الاخرس لا تعتبر مع القدرۃ علی الکتابۃ الخ ۱۲ منہ غفرلہ ۱۱ر صفر الخیر ۱۳۹۲ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی گونگے کے ساتھ کسی عورت کا نکاح کیا جاوے تو کس طریقہ سے کیا جاوے؟ کیا اس کے ولی یا وکیل کی زبانی ایجاب وقبول ہوگا یا کسی اور صورت میں نکاح کیا جاوے گا، عرض دیگر آنکہ اگر وہی گونگا اپنی عورت کو طلاق دینا چاہے تو کس صورت میں عورت کو طلاق واقع ہوگی؟

السائل: عبدالغنی از روہیلا

گونگے کا اشارہ اور تحریر زبانی بیان کے حکم میں ہے تو اشارے سے اس کا نکاح وطلاق ہوسکتی ہے، تنویر الابصار وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے ایماء الاخرس وکتابتہ کالبیان بخلاف معتقل اللسان فی وصیۃ ونکاح وطلاق وبیع وشراء وقود۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ البصیرپوری

۸؍ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب محترم ومکرم جناب مولانا مولوی نوراللہ صاحب دامت ظلالکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : بعد سلام مسنونہ، میں بفضلِ خدا خیریت سے ہوں تمہاری خیریت خداوندِ قدوس سے نیک مطلوب ہے۔ آپ اور میری ملاقات مسجدِ نبوی اعتکاف کے وقت ہوتی رہتی تھی اور آپ سے مسئلہ[1] بھی دریافت کیا تھا جو دوسرے کاغذ پر لکھا ہے، یہ دوسرا مسئلہ ایک اور ساتھی کو درپیش ہے اس لئے لکھ رہا ہوں کہ :۔

اگر خاوند وعورت کے درمیان مشورہ ہو کہ یہاں نکاح کر کے تو مجھے کراچی چھوڑے گا اگر تمہاری مرضی ہو لیکن بوقتِ نکاح کوئی شرط نہیں تھی، عورت سے بھی ناکح نے پوچھا اس نے کہا شرط نہیں، کیا یہ ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی : محمد علی مقیم مدینہ منورہ سعودی عرب

یہ دونوں پرچے میری طرف سے آرہے ہیں اور دونوں ہی میرے ساتھی ہیں ان کا خاص خیال فرما کر جلدی جواب ارسال کرنا آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اور ایک ہی لفافہ میں ان کے پتہ پر ارسال فرما دینا دونوں کے جواب کو۔

آپ کا دوست : حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مدینہ منورہ

ایسا نکاح صحیح ہے فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۲۸۳ میں تبیین الحقائق سے ہے

---

[1] یہ مسئلہ کتاب الطلاق میں آئے گا ۱۲ مرتب

ولو تزوجها مطلقا وفی نیتہ ان یقعد معہا مدۃ نواھا فالنکاح صحیح اور یہ نکاح نکاحِ متعہ یا نکاحِ موقت نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں، شامی ج ۲ ص ۳۰۴ میں ہے (قولہ وبطل نکاح متعۃ وموقت) قال فی الفتح قال شیخ الاسلام فی الفرق بینہما ان یذکر الوقت بلفظ النکاح والتزویج وفی المتعۃ اتمتع او استمتع بلکہ ان کے مشورے میں لفظ چھوڑے گا، اگر بمعنی طلاق ہو یعنی کراچی پہنچکر طلاق دے دے گا تو ایسی شرط ایجاب و قبول کے ساتھ بھی ہو تب بھی نکاح صحیح ہے، فتاوےٰ عالمگیر ج ۱ ص ۲۸۳ میں ہی ہے ولو تزوجها علی ان یطلق بعد شہر فانہ جائز کذا فی البحر الرائق درالمختار میں ہے ولیس منہ (ای من الموقت) ما لو نکحہا علی ان یطلقہا بعد شہر او نوی مکثہ معہا مدۃ معینۃ۔ شامی ج ۲ ص ۴۰۴ میں ہے (قولہ ولیس منہ الخ) لان اشتراط القاطع یدل علی انعقادہ مؤبدا وبطل الشرط، بحر (قولہ او نوی الخ) لان التوقیت یکون باللفظ، بحر۔

بہرحال ایسا نکاح صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ ہندہ کا نکاح مسمّٰی زید کے ساتھ مؤرخہ ۲۱/۱۲/۶۴ (چار برس تین ماہ قبل ازیں) کو درج ذیل شرائط کے ساتھ منعقد ہوا کہ :

۱۔ زید اپنی بیوی کے حقوقِ زوجیت باقاعدگی سے ادا کرے گا۔

۲۔ زید کی عدم موجودگی میں ہندہ اپنے والدین کے پاس رہے گی اور وہ زید سے مبلغ پچیس ۲۵ روپے ماہوار نان ونفقہ کے لئے لیتی رہے گی۔

۳۔ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو اختیار دیا کہ اگر وہ مندرجہ بالا دونوں شرطیں پوری نہ کرسکے تو ہندہ ثبوت مہیا کرکے عند الشرع وعند العدالت علیحدگی حاصل کرسکتی ہے۔

مندرجہ بالا شرط ۳ کے تحت اگر زید شرائطِ بالا ۱، ۲ کو پورا کرنے سے انکاری ہے تو کیا مساۃ ہندہ کا نکاح عند الشرع باقی رہ سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا بدلائل الکتاب وتوجروا بالصواب۔

اگر ہندہ مندرجہ بالا دونوں شرطوں کے پورا نہ کرنے کا ثبوت مہیّا کرکے علیحدہ ہونا اختیار کرے تو کرسکتی ہے پھر نکاح باقی نہیں رہے گا مگر جب تک ثبوت مہیا نہ کرے

یا مہیا کر کے علیحدگی اختیار نہ کرے تو نکاح باقی رہے گا جب تک کہ طلاق یا فسخ نکاح کا کوئی اور سبب نہ پایا جائے کیونکہ شرط نمبر ۳ میں ثبوت مہیا کرنا اور علیحدگی اختیار کر سکنے کی تصریح ہے اور یہ نہیں کہ پہلی یا دوسری شرط پوری نہ کرے تو طلاق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

۱۲۴۹

سائل زبانی مظہر کہ ماہ ذی الحجۃ المبارکہ میں عید کے دنوں سے آگے پیچھے شادی خانہ آبادی کے متعلق ہمارے بعض بزرگ کہتے ہیں جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

بلاشک وشبہ جائز ہے قرآن کریم میں ہے وانکحوا الایامیٰ منکم

یہ مطلق ہے اور اطلاقِ مطلق دلیلِ شرعی نہایت قوی ہے تو جواز ثابت ہو گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و اصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ر ذی القعدۃ المبارکۃ ۷۵ھ

تعارف باب المہر

نکاح کے باب میں ایک اہم چیز مہر ہے۔ مہر' شرعاً اس مالی منفعت کا نام ہے' جو عورت مرد سے نکاح کے عوض حاصل کرنے کی مستحق ہوتی ہے۔ شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ بہ غرض اکرام و اعزاز بیوی کو مال کی صورت میں مہر ادا کرے۔ شریعت مطہرہ نے مہر کو عورت کا ایسا اہم حق قرار دیا ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر کا تعین نہ بھی کیا جائے یا اس کی بالکل ہی نفی کر دی جائے تب بھی مہر ادا کرنا شوہر پر واجب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

فآتوهن اجورهن فريضة-----(النساء' ۴ : ۲۴)

"سو (جن عورتوں سے تم نکاح کرو) انہیں ان کے مقرر شدہ مہر ادا کر دو"-----

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مہر راضی خوشی ادا کیا جائے:

و آتوا النساء صدقٰتهن نحلة-----(النساء' ۴ : ۴)

"تم بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو"-----

مہر شرعی

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شادی کے موقع پر فضول رسموں میں بے دریغ دولت خرچ کی

جاتی ہے مگر جب مہر کی باری آتی ہے تو انتہائی تنگ دلی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت افسوس ناک رویہ ہے' ایسے موقع پر کوشش یہ ہوتی ہے کہ بتیس روپے یا پچاس روپے مہر رکھا جائے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے شرعی حق مہر کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جتنا مہر بھی متعین کر لیا جائے' وہ شرعی ٹھہرے گا-----

شریعت اسلامیہ میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱⅕ رتی کے برابر ہے' اس لحاظ سے دس درہم کا وزن دو تولے سات ماشے اور چار رتی (۳۰.۶۱۷ گرام) چاندی بنتا ہے' لہٰذا اتنی مقدار چاندی یا اس کی مالیت کے برابر دینا ضروری ہے۔ آج مورخہ ۵ / جون ۲۰۰۰ء کو چاندی کی قیمت ایک سو روپے تولہ ہے' اس لحاظ سے دس درہم چاندی کی قیمت دو سو باسٹھ روپے پچاس پیسے (۲۶۲.۵۰ روپے) بنتے ہیں۔ یہ کم از کم مہر ہے-----

مہر کی زیادہ مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں' چاہے تو عورت کو ڈھیروں مال دے دے' وہ شرعی حق مہر ہی قرار پائے گا۔ قرآن کریم میں ہے :

و ان اردتم استبدال زوج مکان زوج و آتیتم احدٰھن قنطارا فلا تأخذوا منه شیئا-----(النساء' ۴ :۲۰)

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور اس بیوی کو مال کا انبار دے چکے ہو تو تم اس مال میں سے کچھ واپس نہ لو''-----

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حق مہر میں زرہ دی' جس کی مالیت چار سو اسی درہم تھی' جو آج کے حساب سے بارہ ہزار چھ سو روپے (=/۱۲۶۰۰ روپے) کی تھی-----

خود نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا مہر پانچ سو درہم (=/۱۳۰۰۰ روپے) سے کم نہ تھا-----

چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے :

کان صداقه لازواجه ثنتی عشرة اوقیة و نشا قالت اتدری

ما النش قال قلت لا قالت نصف اوقية فتلك خمس مائة درهم فهذا صداق رسول اللهﷺ لازواجه----(صحیح مسلم' جلدا' صفحہ ۴۵۸ / مسند امام احمد' جلد ۶' صفحہ ۹۴)

"رسول اللہ ﷺ کی ازواج (مطہرات) کا مہر بارہ اوقیہ اور نش تھا۔ پوچھا' جانتے ہو نش کیا ہے ؟ عرض کیا' نہیں۔ فرمایا: نصف اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) تو یہ پانچ سو درہم بنے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کا مہر تھا"-----

خلاصہ یہ کہ مہر میں زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں مگر اسلام چونکہ میانہ روی کا حکم دیتا ہے' اس لئے مہر میں بھی اس پہلو کا لحاظ رکھا جائے تاکہ اسے بآسانی ادا کرنا ممکن ہو۔ بہتر یہ ہے کہ فریقین کی حیثیت اور عورت کی علمی حیثیت' سلیقہ مندی' سیرت و صورت کے محاسن اور خاندانی پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے مہر کا تعین کیا جائے-----

اقسام مہر

مہر کی اقسام حسب ذیل ہیں :

(۱)......مہر مثل (۲)......مہر مسمی

مہر مثل

عورت کے باپ کی رشتہ دار عورتوں (مثلاً پھوپھیوں' بہنوں) میں جو عورت عمر' شکل و صورت' حسن و جمال اور سیرت و کردار میں اس عورت کی مانند ہو' اس کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا۔ نکاح کے وقت مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو مہر مثل (طلاق' خلوت صحیحہ یا وفات احد الزوجین کی صورت میں) واجب ہو گا' اسی طرح اگر اس شرط کے ساتھ نکاح کیا جائے کہ کوئی مہر نہ ہو گا (جیسے نکاح شغار میں) تو شرط ساقط ہو گی اور مہر مثل لازم ہو گا-----

مہر مسمی

وہ مہر جو بوقت نکاح یا بعد از نکاح زوجین میں طے پایا ہو۔ مہر مسمی کی تین قسمیں ہیں :

(۱)...... مہر معجّل (۲)...... مہر مؤجل (۳)...... مہر مؤخر

مہر معجّل

جو بوقت نکاح فوری ادا کرنا پڑے' عورت کو اختیار ہے کہ وہ جب تک یہ مہر وصول نہ کر لے' خاوند کے ساتھ رہنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کر سکتی ہے -----

مہر مؤجل

وہ مہر جس کی ادائیگی کی کوئی میعاد قرار پائی ہو' مثلاً مہینہ' سال یا دس سال بعد کی مدت طے ہو جائے' میعاد پوری ہونے کے بعد عورت مطالبہ کر سکتی ہے' میعاد گزرنے سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں -----

مہر مطلق / مؤخر

وہ مہر جس میں معجّل یا مؤجل کی تصریح نہ کی گئی ہو بلکہ اسے مطلق و مبہم رکھا گیا ہو' ایسا مہر طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کی صورت میں قابل ادا ہو گا' خاوند فوت ہو جائے تو حق مہر اس کے ترکہ سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر بیوی فوت ہو جائے تب بھی حق مہر ساقط نہیں ہو گا بلکہ حسبِ قواعدِ شرعیہ اس کے ورثاء کو ادا کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر عاقل' بالغ ورثاء پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ معاف کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں بصورت دیگر شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی واجب رہے گی -----

مہر کی کمی بیشی یا معافی

عورت کو اختیار ہے کہ چاہے تو پورے کا پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ خاوند کو معاف کر دے' اسی طرح مرد جب اور جس قدر مہر میں اضافہ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ہزار روپے حق مہر مقرر ہوا' خاوند چاہے تو ایک ہزار روپے مزید اضافہ کر دے۔ مہر میں اضافہ کے لئے تجدید نکاح ضروری نہیں ہے -----

خلوت صحیحہ سے پہلے مہر

خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق واقع ہو جائے اور بوقت نکاح مہر معین کیا گیا ہو تو مرد کے ذمہ

اس مہر (مسمی) کا نصف ادا کرنا لازم ہے۔ اگر مہر مقرر نہ ہو تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا ہدیہ کرے۔ اگر خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق کی نوبت پیش آئے اور فسخ نکاح کی ذمہ دار عورت ہو تو عورت کچھ بھی مہر کی مستحق نہیں ہوگی-----

فتاویٰ نوریہ جلد دوم کی پہلی دو اشاعتوں میں باب المہر الگ سے نہیں تھا' البتہ اس بارے میں ایک فتویٰ باب الخطبہ میں شامل تھا۔ اب کے علیحدہ باب کے طور پر اس کا عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔ مہر سے متعلق دو فتوے جلد ششم سے لئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ باب تین فتاویٰ پر مشتمل ہے-----

واضح رہے کہ جلد ششم کے یہ فتوے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ نوریہ کی اشاعت اول کے بعد تحریر فرمائے تھے-----

باب المہر کی اہمیت کے پیش نظر اس کا باب الگ باندھا گیا اور اس کی توضیح کے لئے تعارفی کلمات تحریر کیے گئے-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

بگرامی خدمت حضرت العلام قبلہ فقیہ اعظم مفتی اعظم استاذ العلماء

ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے بعد مؤدبانہ گذارش ہے کہ:

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ حق مہر شرعی کتنا ہونا چاہیئے؟ جو ساڑھے بیس روپے مشہور ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ واضح فرمائیں۔ ثواب دارین حاصل کریں۔

السائل: سید غلام رسول چک 80/12-L ڈاکخانہ 75/12-L ضلع ساہیوال

شرعاً کم از کم حقِ مہر دس درہم ضروری ہیں، اس لحاظ سے جتنی چاندی بنے اتنا حق مہر ہونا چاہئے خواہ سو روپے یا دو تین صد روپے بنیں، غالباً ساڑھے بیس روپے بھی اسی لحاظ سے تھے کیونکہ چاندی سستی تھی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

۸۰-۳-۲۴

سائل کا بیان کہ زید کہتا ہے کہ لڑکی والے جس کو نکاح کر دیں اس سے اپنے واسطے روپیہ بعوض لڑکی لے سکتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو زرہ بیچ کر دراہم دئے تھے ان سے کچھ تھوڑا سا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خرچ کیا اور باقی اپنے گھر رکھے تھے، آیا یہ زید کا قول اور دلیل صحیح یا غلط؟

زید کا یہ قول محض غلط و بے بنیان، اس کی دلیل نہایت ہی پریشان، قول تو یوں کہ لڑکی آزاد اور آزاد کی بیع شرعاً محض باطل و حرام، چنانچہ اسفارِ اطہارِ شرعِ مطہر صراحۃً اس مضمون کی تصریحاتِ بیّنہ سے گونج رہے ہیں، یہ تو ہے اگر بعوض لڑکی کا حقیقی معنیٰ مراد ہے اگر اس سے مراد یہ ہو کہ روپیہ بعوض نکاح لڑکی کے لے سکتے ہیں اور ظاہر بھی یہی ہے، تب بھی یہی ہے کہ اس کا قول محض غلط کہ لڑکی کا نکاح کر دینا اللہ تعالیٰ کے حکم وانکحوا الایامیٰ منکم کی تعمیل ہے اور تعمیل حکم الٰہی کے عوض روپیہ لینا شرعاً ناجائز بلکہ عقلاً بھی ایسا ہی ہے اور رشوت ہے، بحر الرائق، منحۃ الخالق، فتاویٰ ہندیہ میں ہے والنظم من البحر لوخطب امرأۃ فی بیت اخیھا فابی الاخ الا ان یدفع الیہ دراھم فدفع ثم تزوجھا کان للزوج ان یسترد ما دفع لہ۔ منحۃ الخالق میں ہے لانہ رشوۃ کذا فی البزازیۃ اقول ھکذا فی قضاء البحر۔

اور اس کی دلیل سراسر غلط کہ نعوذ باللہ من ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے لئے بعوض نکاحِ کریم زرہ مانگی اور نہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعوض نکاح حضور کے ملک کی بلکہ زرہ مہر میں دی گئی تھی، اس پر احادیثِ طیبہ صراحۃً دال ہیں۔ ابو داؤد اپنی سنن اور نسائی مجتبیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی واللفظ من المجتبی ج۲ ص ۹۲ (مصریہ) لما تزوج علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطھا شیئاً قال ما عندی قال فاین درعک الحطمیۃ۔ تو اعطھا کی ضمیر سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف راجع ہے نہ کہ حدیث شریف میں اعطنی آیا ہے کہ مستدل کی دلیلِ فاسد

بن سکے تو پھر اپنے گھر رکھنا یعنی آپ مالک بننا کہاں یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ سید الزاہدین نفسی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لختِ جگر کو وہ زرہ دلوا کر اپنے دولت خانہ پر رکھیں، اپنا ملک بنائیں جو شرعاً حرام اور سخت حرام ہے بلکہ تحقیقِ انیق یہ کہ زرہ دینے کا حکم بعد نکاح بطورِ مہر معجل ہوا تھا نہ قبل نکاح، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۰ (مجیدی) و نسائی ج ۲ ص ۹۲ میں ہے واللفظ لابی داؤد ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما تزوج فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اراد ان یدخل بہا فمنعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی یعطیہا شیئاً فقال یارسول اللہ لیس لی شیئ فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعطہا درعک فاعطاھا درعہ ثم دخل بہا واستدل بھذا الحدیث علیٰ کون الدرع مہرا معجلا فی فتح القدیر۔

افسوس کہ مستدل کو قبض و تملک کا فرق معلوم نہیں، افسوس کہ اپنے لئے روپیہ مانگنا اور لینا رذیلوں کا پیشہ ہے، شرفاء اسے سخت ازسخت ناگوار جانتے ہیں مگر زید اس عیب کو بارگاہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ زید پر فرض اہم کہ اس سے توبہ کرے اور اس کے وبال ونکال سے ڈرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ نورہ اللہ ربہ وقواہ

۱۰ ار رجب المرجب ۱۳۵۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ متین درایں مسئلہ کہ مسمٰی زید نے اپنی

سالی حقیقی کو اپنی بیوی کی موجودگی میں زنا کر کے حاملہ کر دیا۔ ورثاءِ زانیہ نے عرصہ پانچ ماہ حاملہ ہونے کے بعد اس کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا۔

۱۔ کیا از روئے شریعت یہ نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟ نکاح خوان وگواہانِ نکاح کا نکاح قائم رہے گا کہ نہیں؟

۲۔ منکوحہ زانیہ کا نکاح قائم رہے گا یا نہیں؟

۳۔ منکوحہ زانیہ کے حمل کا علم ہونے کی صورت میں طلاق دے کر اس کو فارغ کر دیا گیا ہے۔

۴۔ کیا زانیہ حاملہ کو طلاق کے بعد اپنے حقِ مہر کی وصول کرنے کی از روئے شریعت حق دار ہے یا نہیں؟

۵۔ تاریخِ نکاح ۱۲ فروری ۱۹۷۷ء، وضعِ حمل ۶ جولائی ۱۹۷۷ء کو ہوا اس کے خاوند نے طلاق دے کر فارغ کر دیا۔

اب مسئلہ حقِ مہر کا ہے کیا از روئے شریعت زانیہ مطلقہ حقِ مہر وصول کر سکتی ہے کہ نہیں؟ یہ فتوےٰ مفصل مدلل عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مکمل پتہ حسبِ ذیل ہے:۔

غلام سرور خاں ولد سردار محمد خاں قوم کتھران سکنہ دسوا محلہ حضرت سلطان لوزنگ رحمۃ اللہ علیہ تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں

غلام سرور بقلم خود ۷-۱-۷۸

۱۔ ہاں ایسی عورت جو کسی کے نکاح میں نہ ہو اور اس کو زنا کا حمل ہو جائے تو حضرت

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک اس کا نکاح شرعی جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذلکم۔ فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۷
وقال ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی یجوز ان یتزوج امراۃ حاملا من الزنا ولا یطأھا حتی تضع۔

۲۔ نکاح خوان و گواہان کے نکاح رہیں گے کیونکہ انہوں نے جائز نکاح کیا ہے اور گواہ بنے ہیں۔

۳۔ ہاں منکوحہ زانیہ کا نکاح بھی طلاق سے قبل قائم رہے گا اور طلاق کی صورت میں مطلقہ ہوجائے گی اور حسب الحکم نکاح ختم ہوجائے گا۔

۴۔ اگر خاوند کے پاس اکیلے مکان میں کچھ وقت کے لئے ٹھہری ہے کہ وہ جماع کرسکتا تھا اگرچہ کیا نہ ہو تو پورا حقِ مہر وصول کرسکتی ہے ورنہ نصف، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۲۱ میں ہے تجب العدۃ فی الخلوۃ سواء کانت الخلوۃ صحیحۃ او فاسدۃ (الی ان قالوا) فاقاموھا مقام فی حق تاکد المھر، نیز اسی صفحہ میں ہے واذا تاکد المھر لم یسقط الخ لہٰذا وہ عورت خلوت یا دخول کی صورت میں شرعًا پورا حقِ مہر وصول کرسکتی ہے ورنہ نصف تو ضرور وصول کرسکتی ہے کہ اس کا شرعًا حق ہے اسی لئے تو اس کو حقِ مہر کہا جاتا ہے جو قرآنِ کریم کے دوسرے پارے میں وضاحت سے بیان ہوچکا ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ ۸۔۱۔۱۶

شغار

بابُ الشّغار

" درج ذیل سوال وجواب کے تعاقب میں حضرت فقیہ اعظم قدس سرہٗ العزیز کا فتویٰ ۱؍صـ۳۸۵ تا صـ۳۹۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔" (مجیب)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو ہر دو نے اپنی اولاد کا نکاح بطور شغار یعنی بٹہ کے کیا ہے، زید کی دختر کی عمر بوقتِ عقدِ شرعی صرف چھ ماہ کی تھی اور عمرو کی دختر جوان تھی چنانچہ وہ اس وقت سے اپنے خاوند کے ہاں آباد ہوگئی، زید کی دختر عرصہ ایک دو برس سے جوان ہوگئی ہے لیکن وہ کسی صورت میں بھی اپنے خاوند یعنی پسرِ عمرو کے ہاں جانے اور آباد ہونے پر تیار نہیں، اسے از حد سمجھایا گیا ہے کہ تیرا خاوند فلاں ہے۔ اس کے ساتھ زندگی بسر کرو، وہ کہتی ہے میں ہرگز نہ جاؤں گی، میری طبیعت اسے بالکل نہیں چاہتی خواہ کیسے بھی ہو مجھے اس کے پاس جانا مطلقاً منظور نہیں۔ نیز واضح ہو کہ والدین قسم کھاتے ہیں کہ ہماری اس میں کوئی شرارت نہیں دوسری

طرف سے خاوند کہتا ہے کہ میں اسے ضرور لوں گا اور اسے ہرگز آزاد نہ کروں گا حتّٰی کہ اس کی موت آجائے۔ عورت جوان اور خاوند سے پورے طور پر متنفر ہے، خاوند بھی خواہ ایک اور عورت منکوحہ رکھتا ہے اس ضد پر مصر ہے کہ اسے موت تو آزاد کردے تو میں مجبور ہوں ورنہ میں آزاد نہ کروں گا۔ اندریں صورت زوجہ مذکورہ کے والدین کیا صورت اختیار کر سکتے ہیں؟ جو حکم شرع شریف ہو ارشاد فرمادیں۔ بینوا توجروا

سائل: مولوی ثناء اللہ صاحب بنگوی

الجواب بعون الملك الوهاب

بشرطِ صحتِ سوال عرض ہے کہ خواہ زنِ مذکورہ کو کسی امام کے نزدیک اختیارِ فسخ نہیں ہے کیونکہ جب نابالغہ اور کنواری لڑکی کا عقدِ شرعی باپ یا دادا کرے تو بعد از بلوغت عورت کو متفق طور پر اختیارِ فسخ حاصل نہیں ہے جیسا کہ تمام کتبِ فقہ میں مذکور ہے لیکن جب عورت بسنا نہیں چاہتی اور پورے طور پر خاوند کے ہاں جانے سے انکاری ہے اور خاوند بھی پورے عناد سے بسنے پر مصر ہے تو یہ ایک بڑی مصیبت ہے کیونکہ حالاتِ زمانہ از حد خطرناک ہیں، ایسے گورکھ دھندا میں ایک تو عورت کا فواحش میں مبتلا ہونا لازمی ہے، دوسرا جو مقاصد عقدِ شرعی سے وابستہ ہوتے ہیں، تمام فوت ہو جائیں گے مثلاً توالد اور تناسل نیز خاندانِ زنِ مذکورہ اور اس کے خاوند کے مابین ہمیشہ کے لئے فتنہ برپا رہے گا والفتنة اشد من القتل لہٰذا اس کا حل معززانہ و معقول تلاش کرنا چاہیئے سو واضح ہو کہ اس گورکھ دھندا کا بہترین حل خلع ہے چنانچہ ثابت بن قیس کا فیصلہ اس طور پر سرورِ کائنات نے فرمایا تھا یعنی ثابت بن قیس کی عورت ایک روز علی الصباح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہوئی، جب آپ نے اسے دیکھا، دیکھ کر آنے کی وجہ

دریافت کی تو اس نے عرض کی کہ سرکار خواہ میرا خاوند ثابت بن قیس پورا دیندار ہے لیکن مجھے اس سے پوری نفرت ہے اور میری اس سے گزر ناممکن ہے۔ سرکار نے ثابت کو بلا کر حکم دیا کہ تم اپنا حق اپنی عورت سے واپس لے لو اور اسے آزاد کر دو۔ اس نے عرض کی کیا حضور یونہی درست ہے؟ آپ سرکار نے فرمایا کہ ہاں! چنانچہ ثابت نے اپنی زوجہ کو آزاد کر دیا اور اس نے ثابت کو اس کے ہر دو باغ جو کہ مہر میں دیئے گئے تھے، واپس کر دیئے جیسا کہ سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۰۴ میں یوں مذکور ہے

عن عمرة بنت عبد الرحمٰن بن سعد بن زرارة عن حبيبة بنت سهل انها كانت تحت ثابت بن قيس وان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج الى الصبح فوجد حبيبة بنت سهل عند بابه فى الغلس فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من هٰذه قالت انا حبيبة بنت سهل قال ماشانكِ قالت لا انا و لا ثابت بن قيس لزوجها فلما جاء ثابت بن قيس قال له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هٰذه حبيبة بنت سهل فذكرت ماشاء الله ان تذكر فقالت كلما اعطانى عندى فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لثابت بن قيس خذ منها فاخذ منها وجلست فى اهلها وفى رواية عائشة رضى الله عنها فضربها نكسر بعضها فاتت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد الصبح فدعا النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثابتا فقال خذ بعض مالها وفارقها فقال ويصلح ذلك فقال نعم قال اصدقها حديقتين وهما بيدها فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خذها فارقها ففعل۔[ع]

ع یونہی لکھا ہوا تھا ۱۲

بخاری شریف باب الخلع میں ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ ثابت بن قیس کی عورت نے یوں عرض کی تھی کہ حضورؐ میری ثابت سے نبھ نہیں سکتی چنانچہ آپ نے خاوند کو بلا کر اسے حق واپس دلوا دیا اور عورت کو آزاد کروا لیا۔ اگر خاوند کے ہاں نہ جانے والی عورت کو مجبور کر کے خاوند کے پاس روانہ کرنا لازم ہوتا تو سرور دوعالم ثابت کو بلا کر بھی اس کی زوجہ کو آزاد نہ کرواتے بلکہ اسے یعنی عورت کو مجبور کر کے اس کے ہاں روانہ کرتے نیز اگر یہ پیچیدگی حل کرنی مقدم نہ ہوتی تو نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اس تنازع میں دلچسپی فوری نہ لیتے بلکہ آپ نے ناچاکی ناقابل اصلاح کے آئندہ خطرات سے متاثر ہو کر فوراً تفریق کرادی جس سے صاف روشن ہے کہ تنازع ناقابلِ درستی کی صورت میں بجائے عورت کو مجبور کرنے کے خلع ازحد بہتر ہے اور مقدم امر ہے تاکہ عورت آزاد ہو کر حسبِ منشا آباد ہو سکے، زنا جیسی بلا سے بچ کر اطمینان سے زندگی بسر کرے، ادھر خاوند کو بھی حق مل جائے اور فتنہ دب جائے، مرد کو چاہیے کہ سرکار کے اس عمل کے مطابق عمل کر عورت کو آزاد کر دے اور ضد نہ کرے عورتوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے، خداوند کوئی بہتر انتظام کر دے گا اسی طرح عورت کو بھی اس سے بہتر کوئی خاوند نصیب ہو جائے گا، اگر خاوند ضد کرے تو چونکہ قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے جیسا فقہ کی تمام کتب میں مذکور ہے مثلاً شرح الوقایہ باب استدانۃ الزوجۃ علی الزوج ج ۲ ص ۴، اقام القاضی مقامہ لکونہ ذا ولایۃ فیفرق بینہما. میں مذکور ہے (ترجمہ) قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے لہذا قاضی تفریق کر دے اور فتنہ فساد کو ختم کر دے جیسا کہ قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے، خاوند عنین اور اس کی ضد کی صورت میں فتنہ و فساد کے پیشِ نظر قاضی کو پورا حق ہے کہ وہ عورت اور مرد کے درمیان خود تفریق کر کے معاملہ طے کر سکتا ہے، یہ تفریق احناف کے نزدیک طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے۔ دوسری صورت خلاصی کی یہ ہے جا فی الدر المختار لا باس بتقلید المذهب الشافعی عند الضرورۃ یعنی حنفی مقلد بوقتِ ضرورت بلا خوف و خطر امام شافعی کی تقلید کر سکتا ہے جبکہ خاوند کے مفلس ہونے کی صورت میں اور نفقہ نہ دینے

کی حالت میں احناف امام شافعی کے مذہب پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ شرح الوقایہ ج ۲ ص اور ہدایہ شریف اولین میں مذکور ہے چونکہ صورتِ مذکورہ میں نکاح بٹہ کا ہے اور جھگڑا ختم ہونے کی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ اپنی ضد سے باز نہیں آتا اور نہ ہی عورت نرم ہونے کو تیار ہے سوائے تقلید امام شافعی رضی اللہ عنہ کے کوئی چارہ نہیں لہٰذا ورثا امام شافعی کے مذہب پر عمل کر کے معاملہ ختم کریں، جاء فی الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج۲ ص ۱۸۸ نکاح الشغار مفسوخ ولا یحل وان جعل لهما صداقا وهو قول الشافعی واحمد واسحٰق یعنی بٹہ کا نکاح امام شافعی کے نزدیک فسخ اور حرام ہے گویا ہوا ہی نہیں، جاء فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب النکاح ان العباس بن عبد الله بن عباس انکح عبد الرحمٰن بن الحکم ابنته وانکحه عبد الرحمٰن ابنته وکانا جعلا صداقا فکتب امیر معاویة الی مروان یأمره بالتفریق بینهما وقال فی کتابه هذا الشغار الذی نهی عنه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔ (ترجمہ) دو شخصوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں بٹہ کا نکاح آپس میں کیا تو حضرت امیر معاویہ نے اپنے گورنر مروان کو حکم لکھا کہ نکاح مذکور میں تفریق کرا دے، الغرض حنفی مقلد صورتِ مذکورہ میں بوجہ مجبوری امام شافعی کے مسلک شغار پر عمل کر کے پیش آمدہ مصیبت سے خلاصی حاصل کر سکتا ہے هذا ما عندی والله اعلم بالصواب۔

حررہ کفش بردار علماء الدین ثناء اللہ خالدی الہاشمی مہاجر فیروزپوری بقلم خود مدرس مدرسہ نور الاسلام بنگہ صالح ڈاکخانہ خاص تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری - ۲۹۔۴۔۱۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے

اپنی اولاد کے نکاح باہمی پچاس پچاس روپیہ حق مہر مقرر کر کے کئے۔ زید کی لڑکی بوقت عقدِ شرعی صرف چھ ماہ کی تھی اور عمرو کی لڑکی جوان تھی، جوان لڑکی اسی وقت سے زوج کے گھر آباد ہو گئی، زید کی لڑکی جب جوان ہوئی تو اس نے خاوند کے گھر نہیں بھیجی، وہ بیچارے کوشش کرتے رہے ہیں مگر زید نہیں مانتا بلکہ کہتا ہے کہ جوان لڑکی کو طلاق دیدو اور دوسری بالکل چھوٹی لڑکی کا نکاح کر لو مگر فریقِ عمرو یہ تسلیم نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ انتظار میں اتنا وقت گزرا کہ چھ ماہ کی لڑکی کئی سالوں سے جوان ہے اور اب طلاق دے کر پھر چھوٹی لڑکی کا نکاح کریں تو زوج بیچارے کا وقت ختم ہو جائے گا، اب فریق زید نے ایک مولوی صاحب کے پیش یہ استفتار کیا اور کہا کہ ہماری لڑکی اس خاوند کو پسند نہیں کرتی اور اس کے گھر آباد ہونا مطلقاً پسند نہیں کرتی اور خاوند بھی طلاق نہیں دیتا اور اصرار کرتا ہے کہ میری بیوی میرے گھر آباد ہو، تو مولوی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ نکاح زنِ مذکورہ کسی امام کے نزدیک فسخ نہیں کر سکتے کہ نابالغہ اور کنواری لڑکی کا عقدِ شرعی باپ یا دادا کرے تو بعد از بلوغت عورت کو متفق طور پر اختیارِ فسخ نہیں ہے جیسا کہ تمام کتبِ فقہ میں مذکور ہے لیکن جب عورت بسنا نہیں چاہتی اور خاوند کے ہاں جانے سے انکاری ہے اور خاوند لینے پر مصر ہے تو یہ ایک بڑی مصیبت ہے، اس کا حل ہے اور اگر خاوند نہ ملنے تو قاضی خود تفریق کر دے۔ اور دوسری صورت یہ کہ امام شافعی کی تقلید کر لیں اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ امام شافعی کے مذہب میں نکاحِ شغار یعنی بٹہ فسخ اور حرام ہے گویا ہوا ہی نہیں۔

مولوی صاحب کے فتوے کی نقل بھی حاضر ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ :

۱۔ کیا واقعی مرد پر لازم ہے کہ خلع کر لے اور عورت کی ضد پوری کر دے ؟

۲۔ اگر مرد خلع نہ کرے کیا قاضی خود تفریق کر سکتا ہے ؟

۳۔ طرفین کا مہر مقرر کرکے بعد ذکر معاوضۃ مدالبعضین بالآخر آپس میں کر لئے جائیں کیا وہ شغار فسخ و حرام ہیں کہ سرے سے ہوئے ہی نہیں ہیں؟ اگر واقعی شغار ہے کیا اس لڑکی کا نکاح باطل ہے اور دوسری کا جو آباد ہے اور صاحبِ اولاد ہے جائز ہے یا باطل؟

فتویٰ مذکورہ مولوی صاحب نے پچاس روپیہ لے کر دیا ہے۔

سائل: نادر از بونگہ صالح ضلع منٹگمری

استفتائے فریقین کی رو سے ہندہ کا نکاح صحیح و لازم ہے اور واقعی اسے حقِ فسخ کسی امام کے نزدیک نہیں اور زوج کا مطالبہ کہ ہندہ میرے گھر آباد ہو بالکل صحیح اور جائز مطالبہ ہے، شرعاً عقلاً عرفاً نکاح کا مقتضیٰ یہی ہے ھن لباس لکم، نساؤکم حرث لکم، عاشروھن بالمعروف، ازواجا لتسکنوا الیھا، الرجال قوامون علی النساء وغیرہا ارشاداتِ قرآن کریم اور احادیث تو اس باب میں بحرِ ناپید کنار ہیں کما لا یخفیٰ علیٰ من لہ ادنیٰ ملابسۃ بہا لہٰذا ایک جملہ پر اقتصاراً اختصار ہے الرجل راع علیٰ اھلہ تو اہلِ رعیت ہوا، اور فقہائے کرام نے نکاح کی تعریف ہی بالفاظِ متقاربہ یہ فرمائی ہے عقد یفید ملک المتعۃ بلکہ صاف تصریح فرمادی کہ زوج حبس و قید و منع من الخروج کا مالک ہے، بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۱، بحر الرائق ج ۳ ص ۸۷، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲ میں ہے والنظم من البحر و منہا ملک الحبس والقید وصیرورتہا ممنوعۃ من الخروج والبروز۔ میزان شعرانی ج ۲

ص ۱۲۴، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ج ۲ ص ۷۷ میں ائمہ اربعہ کا فیصلہ بالاجماع نقل فرماتے ہیں والنظم من المیزان یجب علی الزوجۃ طاعۃ زوجہا وملازمۃ المسکن بلکہ معتدہ پر لازم کہ انقضائے عدت تک زوج کے گھر رہے حالانکہ عدت اثرِ نکاح ہے، سورۃ الطلاق میں ہے لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن، اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم، تو ہندہ کا اس کے گھر نہ جانا اور آباد نہ ہونا بایں عذر کہ میری طبیعت اسے بالکل نہیں چاہتی خواہ کیسا بھی ہو مجھے اس کے ہاں جانا مطلقاً منظور نہیں، صریح ظلم اور نافرمانی ہے جس کا نام شرعاً نشوز ہے، فتاوٰی قاضیخان ج ۱ ص ۱۹۹، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۹۶، مبسوط ج ۵ ص ۱۸۶، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۷۳، عنایہ ج ۴ ص ۱۹۶، کفایہ ج ۴ ص ۱۹۶، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۷۹ میں ہے والنظم للامام الفخر لو امتنعت المرأۃ عن السکنی معہ تصیر ناشزۃ۔

فتح القدیر اور بحرالرائق میں یہ بھی افادہ فرمایا کہ خروج سے مراد زوج کے گھر آنے پر موافق نہ ہونا ہے اگرچہ شروع ہی میں ہو والنظم من الفتح والتحریر ان الماخوذ فیہ عدم الموافقۃ علی المجیئ الی المنزل سواء کان بعد خروجہا او امتنعت عن ان تجئ الی منزلہ ابتداء، تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۰، تفسیر نیشاپوری ج ۵ ص ۴۲، بیضاوی ج ۱ ص ۱۸۲، مدارک ج ۱ ص ۱۷۴، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۱۶، ابوالسعود ج ۳ ص ۴۲، تفسیراتِ احمدیہ ص ۱۸۱، تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۲۰۲، جلالین ص ۷۶، جمل علی الجلالین ج ۱ ص ۳۷۹، صاوی ج ۱ ص ۱۹۱، معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۳۳، خازن ج ۱ ص ۳۴۳ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من الخازن نشوز المرأۃ ھو بغضہا لزوجہا ورفع نفسہا عن طاعتہ۔
یعنی عورت کا نشوز یہ ہے کہ خاوند کو برا جانے اور اس کا حکم نہ ماننے، تو اس میں یہ صورت بوجہ اتم داخل ہے اور جب ثابت ہوا کہ ہندہ ناشزہ ہے تو اس کا معززانہ معقول حل وہ ہے جو قرآنِ

ـه کما فی استفتاء اھلہا منہا ۱۲

کریم نے بہ صیغۂ امر بیان فرمایا واللاتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن تو اگر بندہ کے وارث نیک نیت اور سچے ہیں تو جبرا اسے زوج کے گھر بھیجیں تاکہ حسبِ ہدایت رب العالمین وہ نصیحت و تادیب کر سکے، ہدایاتِ ربّانیہ پر عمل پیرا ہونے سے مومن کا دل انوار سے پُر ہو جاتا ہے اور عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم کا جلوہ ظہور پذیر ہوتا ہے بلکہ کریمہ فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا سے بطریق دلالۃ النص صریح جزئیہ مستفاد اور گو بحکم لاجناح علیھما فیما افتدت بہ خلع کی اجازت ہے مگر بہترین وہی صورتِ صلاح ہے کہ طلاق ابغض الحلال ہے، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۲، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۶، مستدرک ج ۲ ص ۱۹۶ میں باسانید متعددہ وکلماتِ متقاربہ حضرت عبداللہ بن عمر سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابغض الحلال الی اللہ الطلاق، حاکم نے فرمایا ھذا حدیث صحیح الاسناد اور ذہبی نے تسلیم کرتے ہوئے فرمایا قلت علی شرط (م)، نیز حاکم نے فرمایا ومن حکم ھذا الحدیث ان یبدأ بہ فی کتاب الطلاق. سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۰۳، سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۵۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۶ میں بالفاظ متقاربہ حضرتِ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایما امرأۃ سألت زوجھا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ. سنن نسائی ج ۲ ص ۱۰۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۶ میں بہ ترتیب متقارب حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المنتزعات والمختلعات ھن المنافقات ومثلہ فی المختلعات عند الترمذی عن ثوبان مرفوعا، یہی وجہ ہے کہ بعد از طلاق رجعت کو جائز فرمایا بلکہ ترغیب فرمائی وبعولتھن احق بردھن. فامسکوھن بمعروف، فامسکوھن بمعروف اور مرد کو قوام بنایا اور طلاق اسی کے اختیار میں رکھی کہ عورت بوجہ نقصانِ عقل و دین بلا وجہ تفریق نہ کر دے اور یہاں تو زوج طالبِ صلح ہے

اگر ظالم اور ناشزہ بھی ہو تب بھی عورت کو ہدایت فرمائی کہ مصالحت کی کوشش کرے اور صلح کو خیر فرمایا وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلاجناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر اور حدیث حبیبہ بنت سہل سے خلع ہی ثابت ہے وجوب یا جبر زوج علی الخلع ثابت نہیں۔ عینی شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۱۷۵ میں قولہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقھا الامر فیہ للارشاد والاستصلاح لا للایجاب والالزام ومثلہ فی حاشیۃ البخاری عن الفتح اور بصورت انکارِ زوج قاضی تفریق نہیں کر سکتا کہ تفریق حکماً طلاق ہے کہ گرہِ نکاح زوج کے ہاتھ میں ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح۔

تفسیر مدارک ج ۱ ص ۹۵ تفسیرات احمدیہ ص ۱۰۲ خازن ج ۱ ص ۲۰۵ میں ہے کہ حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کا مختار یہ ہے

کہ اس سے مراد زوج ہے والنظم من الخازن وھو قول ابی حنیفۃ والشافعی فی الجدید واحمد وجمھور الفقھاء۔ روح البیان ج ۱ ص ۳۷۱ جمل علی الجلالین ج ۱ ص ۱۹۴ میں یہ تفسیر اختیار فرمائی ہے۔ تفسیر طبری ج ۲ ص ۳۳۹ میں اسے ترجیح دی ہے، میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۱۲۳، رحمۃ الامہ ج ۲ ص ۵۷ میں ہے والنظم من الرحمۃ قال ابوحنیفۃ ھو الزوج وھو الجدید الراجح من مذھب الشافعی سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۲ میں اسے ترجیح اور امام شافعی کا قولِ جدید بتایا ہے سنن ابن ماجہ ص ۱۵۲، سنن بیہقی ص ۳۶۰ میں بالفاظِ متقاربہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر فرمایا انما الطلاق لمن اخذ بالساق یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو جماع کر سکتا ہے۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۸، ابن ماجہ ص ۱۴۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۸، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۰۵ حضرت عبداللہ بن عمرو سے بالفاظِ متقاربہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا طلاق لہ فیما لا یملک

ابوداؤد نے سکوت فرمایا جو دلیل قبول ہے اور ترمذی نے حسن صحیح اور احسن شیئ روی فی هذا الباب فرمایا ۔ مستدرک ج ۲ ص ۲۰۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۹ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا طلاق لمن لم یملک یعنی طلاق اس کے لئے نہیں جو مالک نہیں، حاکم نے فرمایا حدیث صحیح علی شرط الشیخین اور ذہبی نے تقریر فرمائی اور روایت قاضی کا یہ معنی نہیں کہ صرف عورتوں کو خوش کرتے ہوئے تفریق کرتا رہے، شرح الوقایہ میں باب ستدانۃ الزوج نہیں اور نہ ہی اس میں یہ عبارت ہے بلکہ باب النفقہ کے مسئلہ استدانہ میں دلیل امام شافعی ذکر فرمائی اور اس کے حاشیہ پر مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اس دلیل کی تفصیل میں یہ لفظ ذکر کئے، فقہ حنفی کی کسی مستند کتاب میں یہ مذکور نہیں بلکہ صاف صاف تصریح فرمادی کہ ہمارے مذہب میں زوج کے نفقہ سے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی تفریق نہیں کرسکتا، وقایہ شرح الوقایہ ص ۱۷۴، تنویر الابصار، درالمختار ج ۲ ص ۹۰۳، شامی ج ۲ ص ۹۰۳، ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۶، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۰۱، کفایہ ج ۴ ص ۲۰۱، عنایہ ج ۴ ص ۲۰۱، مبسوط ج ۵ ص ۱۹۰، عالمگیر ج ۲ ص ۵۴۵، خلاصہ ج ۲ ص ۵۴، قاضیخان ج ۱ ص ۱۹۸، کنز الدقائق ص ۱۴۲، قدوری ص ۱۹۱، رمز الحقائق ص ۱۴۲، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۸۴ میں ہے والنظم من البحر لا یفرق بعجزہ عن کلها او بعضها اور عنین پر عاجز عن النفقہ کا قیاس شوافع قیاس مع الفارق ہے کما بین فی المبسوط ج ۵ ص ۱۹۱ و البحر ج ۴ ص ۱۸۴ وغیرها، البتہ شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۷۴، ۱۷۵، درالمختار ج ۲ ص ۹۰۳، شامی ج ۲ ص ۹۰۳، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۸۴ میں ہے کہ مشائخ نے مستحسن فرمایا کہ قاضی حنفی ضرورت کے وقت شافعی المذہب کو نائب بنائے اور وہ شافعی المذہب تفریق کرے والنظم من شرح الوقایۃ استحسنوا ان ینصب القاضی نائبا شافعی المذهب یفرق بینهما۔ اور رعایت شروط ضروری ہے کہ نافذ ہو کما فی ردالمحتار وغیرہ

اور ان شروط سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ رشوت نہ لیں۔ درالمختار وغیرہ میں ہے اذا لم یرتش الاٰمر والمامور اور اگر خود قاضی حنفی تفریق کرے تو نافذ نہیں۔ درالمختار ج ۲ ص ۹۰۳، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۸۴ میں ہے والنظم من الدر ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ مگر مسئولہ کا قیاس اس پر صحیح نہیں کہ یہاں تو زوج کی طرف سے عورت کو کوئی تکلیف نہیں سوائے خیالات فاسدہ کے اور دلائل سے ثابت ہو چکا کہ مرد مختار ہے، نصوص کے مقابلہ میں تو قیاس مجتہدین بھی مضمحل ہوتا ہے اور اب ہمارے زمانہ تو مجتہد کہاں مجتہدین کا کلام سمجھ لیں تو غنیمت ہے اور اگر قیاس ہی کرنا ہے تو ان مسائل پر کیوں نہیں قیاس کرتے جن میں تفریق نہیں مثلاً اگر زوج باوجود قدرت عورت کو خرچ نہ دے تو قاضی بالاتفاق تفریق نہیں کر سکتا بلکہ قید کر لے حالانکہ طاقت ہوتے ہوئے خرچ نہ دینا صریح ظلم ہے اور عورت کو اس میں سخت تکلیف ہے۔ درالمختار ج ۲ ص ۸۹۴، شامی ج ۲ ص ۸۹۴۔ مبسوط ج ۲ ص ۱۸۸، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۸۶، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۰۳ و النظم منہ ولاخلاف ان الموسراذ الم یطعم لا یجبر علی الفراق بل یحبس بلکہ مخالفتِ زوجین کے وقت جو حکم طرفین قرآنِ کریم کے حکم سے بھیجے جاتے ہیں وہ بھی ہمارے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک تفریق نہیں کر سکتے اگرچہ زوج کا ظالم ہونا بھی ثابت ہو جائے، مدارک ج ۱ ص ۱۷۴، معالم التنزیل ص ۲۳۵، تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۹، نیشاپوری ج ۵ ص ۵۴ والنظم من النیشاپوری فیہ للشافعی قولان اصحھما وبہ قال ابو حنیفۃ واحمد انھما وکیلان لان البضع حق الزوج الخ شامی ج ۳ ص ۵۳۶ میں ہے ان باب القیاس مسدود فی زماننا وانما للعلماء النقل من الکتب المعتمدۃ کما صرحوا بہ۔ یعنی قیاس کا دروازہ ہمارے زمانے میں بند ہے، علماء صرف کتب معتمدہ سے نقل کر سکتے ہیں، شرح عقود رسم المفتی ص ۴۳ میں ہے فعلی من لم یجد

نقلا صريحا ان يتوقف فی الجواب او یسئل من هو اعلم منہ یعنی جو صریح نقل نہ پائے اس پر لازم ہے کہ جواب میں توقف کرے یا زیادہ علم والے سے سوال کرے فوائد زینیہ سے نقل فرمایا کہ قواعد وضوابط کی رو سے فتویٰ دینا حلال نہیں، مفتی پر صریح نقل کا بیان ضروری ہے لا یحل الافتاء من القواعد والضوابط وانما علی المفتی حکایۃ النقل الصریح کما صرحوا بہ۔ اور صرف حادثے کی ایسی نظیر میں فرق ہو سکتا ہے جسے یہ نہیں سمجھ سکتا و لا یکتفی بوجود نظیرھا مما یقاربھا فانہ لا یأمن ان یکون بین حادثتہ و ما وجدہ فرق لایصل الیہ فھمہ۔ بلکہ درالمختار ج۲ ص ۲۲۸ میں خلاصہ سے ہے لوقیل لحنفی ما مذھب الامام الشافعی فی کذا وجب ان یقول قال ابو حنیفۃ کذا یعنی اگر حنفی سے دریافت کیا جائے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے تو واجب ہے کہ کہے کہ حضرت ابو حنیفہ نے یوں فرمایا و مقاربہ فی ج ۴ ص ۳۴۳ ۵ بلکہ ج ۳ ص ۲۶۳ میں ہے کہ اگر امام شافعی کے مذہب کی طرف انتقال کرے تو تعزیر لگایا جائے ارتحل الی مذھب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یعزر اور ص ۵۲۹ میں ہے کہ ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں ولا من انتقل من مذھب ابی حنیفۃ الی مذھب الشافعی یہ ہیں درالمختار کی تصریحات، اور مفتی صاحب درالمختار سے اجازت نقل فرما رہے ہیں بلکہ درالمختار ج ۴ ص ۴۲۰ میں ہے کہ اگر قاضی اپنے مذہب کے معتمد کی مخالفت کرے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوتا، یہی مختار للفتویٰ ہے بل المقلد متی خالف معتمد مذھبہ لا ینفذ حکمہ و ینقض ھو المختار للفتوی کما بسطہ المصنف فی فتاواہ وغیرہ وقدمناہ فی اول الکتاب وسیجئ۔

صرف درالمختار کے چند ارشادات پر اختصاراً اقتصار ہے کہ مسئلہ متنازع فیہا

ہیں تو تقلید امام شافعی کا دخل ہی نہیں کہ ان سے تفریق و فسخ و حرمت کی نقل ہی نہیں کما عرفت اور مفتی صاحب بھی بالاتفاق نفاذ نکاح تسلیم کر چکے ہیں کہ کسی امام کے نزدیک حق فسخ نہیں، اول جواب میں تحریر کیا تو اب شغار کا بہانہ بنا کر امام شافعی کے نزدیک کیوں فسخ قرار دیا جاتا ہے حالانکہ یہ صورت حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک قطعاً شغار نہیں، شغار کی تعریف صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۹، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۴، سنن ابو داؤد ج ا ص ۲۸۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۸۵، ابن ماجہ ص ۱۸۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۹ میں بالفاظ متقاربہ ہے کہ شغار یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی لڑکی کا نکاح کرے اور اپنی لڑکی کا نکاح اسے کر دے سوائے مہر کے اور ایسے ہی دوسرے کی بہن کا نکاح کرے اور اپنی بہن کا نکاح اسے کر دے سوائے مہر کے والنظم من البخاری قلت لنافع ما الشغار قال ینکح بنت الرجل و ینکحہ بنتہ بغیر صداق و ینکح اخت الرجل و ینکحہ اختہ بغیر صداق اور سنن ترمذی ج ا ص ۱۴۵ میں عامۃ اہل العلم کی طرف منسوب فرما کر یہی تعریف فرمائی، فرماتے ہیں والعمل علی ھذا عند عامۃ اھل العلم لایرون نکاح الشغار والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الاخر ابنتہ او اختہ ولا صداق بینہما۔

غرضیکہ ان کتب معتمدۂ حدیث شریف میں یہ تفسیر بالاتفاق ہے کہ اس میں یہ شرط ہے کہ مہر مالی نہ ہو، باقی بعض روایات حضرت ابوہریرہ کے آخر میں لا صداق بینہما کا نہ آنا مضر نہیں کہ ایک ہی حادثہ میں مطلق بالاتفاق مقید پر محمول ہوتا ہے اور زیادۃ الثقۃ قاعدۂ مقررہ ہے۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۰ میں حضرت جابر کی مرفوع حدیث ہے، اس کے آخر میں ہے والشغار ان ینکح ھذہ بھذہ بغیر صداق بضع ھذہ صداق

ـــہ اور فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۳ میں اور مرفوع حدیثیں بھی ذکر کی ہیں ۱۲۔ ابوالخیر النعیمی غفرلہ

هذه وبضع هذه صداق هذه یعنی شغار یہ ہے کہ عورت کا نکاح کرے اس عورت کے عوض میں بغیر مہر کے، بضع اس عورت کا مہر اس کا ہے اور بضع اس کا مہر اس کا ہے۔

اس تفسیر میں ایک اور زیادتی آگئی جس سے ثابت ہوا کہ شغار میں مہر مالی نہیں ہوتا بلکہ بضع کو مہر قرار دیا جاتا ہے اور یہی تفسیر شغار لغت حدیث و شروح حدیث میں بلا ذکر اختلاف ہے۔ نہایہ ج ۲ ص ۲۴۵، در النثیر ج ۲ ص ۲۴۵، مجمع البحار ج ۲ ص ۱۹۹ میں ہے والنظم من النهاية هو نكاح معروف في الجاهلية كان يقول الرجل للرجل شاغرني اى زوجني اختك او بنتك او من تلى امرها حتى ازوجك اختى او بنتى او من الى امرها ولا يكون بينهما مهر ويكون بضع كل واحدة منهما في مقابلة بضع الاخرى وكذا في العينى شرح البخارى ج ۹ ص ۱۰۴ واشعة اللمعات ج ۳ ص ۵۸ وص ۱۱۸۔

لغت فقہ میں بھی یہی ہے، مغرب ج ۱ ص ۲۸۴۔ دستور العلماء فن اول ص ۲۷ ۲۱۹ میں ہے والنظم من المغرب هو ان يزوج كريمته على ان يزوجه الآخر كريمته ولا مهر الا هذا، اور ایسا ہی لغت عرب میں ہے۔ صراح ص ۱۸۸، منتہی الارب ج ۲ ص ۶۷۴، منتخب اللغات ص ۲۴۶ میں ہے والنظم من الصراح نكاح جاهلية وهو ان يقول الرجل لآخر زوجني بنتك ازوجك اختى على ان صداق كل واحدة منهما بضع الاخرى اور فقہائے کرام نے بھی یہی فرمایا اور اسی کو محل خلاف امام شافعی قرار دیا، مبسوط ج ۵ ص ۱۰۵، ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۶، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۲، عنایہ ج ۳ ص ۲۲۲، کفایہ ج ۳ ص ۲۲۲، بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۸، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۶، در المختار ج ۲ ص ۴۵۷، شامی ج ۲ ص ۴۵۷ میں ہے والنظم من المبسوط والشغار ان يقول الرجل للرجل ازوجك اختى على ان تزوجنى اختك على ان

یکون مہر کل واحدۃ منہما نکاح الاخری او قال اذ لک فی ابنتیہما او امتیہما ثم النکاح بہذہ الصفۃ یجوز عندنا ولکل واحدۃ منہما مہر مثلہا وعند الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ النکاح باطل۔ اور اگر یہ صورت نہ رہے مثلاً مہر مالی مقرر کیا جائے یا احد البضعین کو دوسرے کا مہر بنایا جائے تو بحکم مفہوم معتبر فی الکتب ان معتبرات کے حکم سے بالاتفاق جائز ہوگا وقد نصوا علیہ ایضا۔

مبسوط۔ فتح القدیر۔ کفایہ۔ بحر الرائق، منحۃ الخالق ص ۱۵۶۔ شامی میں ہے والنظم من الکفایۃ واجمعوا علیٰ انہ لو قال زوجتک ابنتی علیٰ ان تزوجنی ابنتک ولم یقل ان یکون بضع کل واحدۃ منہما صداقا للاخریٰ جاز النکاح ولا یکون شغارا علامہ ابن ترکمانی جوہر النقی میں علامہ محی السنہ نووی جو ائمۂ شوافع سے ہیں، اس کو برقرار رکھتے ہیں اور وجہ تسمیہ مہر سے خالی ہونا ذکر فرمایا، شرح صحیح مسلم ج۱ ص ۴۵۴ میں ہے قال العلماء (الیٰ ان قال) لخلوہ عن الصداق اور ایسے ہی وجہ تسمیہ نہایہ، مجمع، فتح، عنایہ، در، شامی، بحر، مبسوط وغیرہا میں ہے اور پھر علامہ نووی نے شرح مسلم ج۱ ص ۴۵۵ میں فرمایا وصورتہ الواضحۃ زوجتک بنتی علیٰ ان تزوجنی بنتک وبضع کل واحدۃ صداق للاخریٰ فیقول قبلت اور امام ترمذی جو شافعی المذہب ہیں، ان سے بھی یہی تفسیر گزر چکی تو ثابت ہوا کہ یہ صورت حضرت امام شافعی کے نزدیک بھی شغار نہیں، باقی ترمذی کی وہ عبارت جس سے مفتی صاحب کو اشتباہ ہوا تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ابتداء مہر مالی بنایا جائے کہ یہ صریح تناقض ما سبق اور تمام معتبرات کا خلاف ہے بلکہ وہ تو مفسوخ ولا یحل وان جعل لہما صداقا مقابلہ یقران علیٰ نکاحہما ویجعل لہما صداق المثل میں فرما رہے ہیں جس کا یہ مطلب کہ نکاح بلا مہر مالی ہو جانے کے بعد جائز نہیں ہو سکتا اگرچہ بعد

میں مہر بھی مقرر کیا جائے ور اسی پر راوی ابی داؤد کا جملہ وکانا جعلاصداقا محمول، بوجہ عدم ذکر محتمل الوجہین ہے یا جعلا کا مفعول اول بضع مقدر کیا جائے کہ بضع و مال دو احتمال ہیں تاکہ راوی کے جملہ پر احتمالات سے جمہور ثقات کی مخالفت نہ ہو غیر مقلدین حضرات اس معاملہ میں زیادہ شور و غوغا کرتے ہیں مگر ان کے امام مسلم ابن قیم نے بھی ہماری اور جمہور کی موافقت کی ہے۔

زاد المعاد ج ۷ ص ۵ میں ہے فقال الامام احمد الشغار باطل ان یزوج ولیتہ علی ان یزوجہ الآخر ولیتہ ولا مھر بینھما علی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما فان سموا معہ ذلک مھرا صح العقد بالمسمی عندہ پھر ص ۶ میں فرماتے ہیں فاذا سموا مھرا معہ ذلک زال المحذور ولم یبق الا اشتراط کل واحد علی الآخر شرطا لا یؤثر فی فساد العقد فھذا منصوص احمد پھر فرمایا فان سمی لکل واحدۃ مھر مثلھا صح وبھذا یظھر حکمۃ النھی واتفاق الاحادیث فی ھذا الباب۔

خلاصہ یہ کہ اگر مہر مقرر نہ کریں تو شغار ہے اور اگر کریں شغار نہیں نکاح صحیح ہے اگرچہ ایک دوسرے کو رشتہ دینا شرط کریں کہ صرف یہ شرط نکاح فاسد نہیں کر سکتی اور اس سے حکمت نہی اور احادیث شغار کا اتفاق ظاہر ہو جاتا ہے ای بحمل المطلق علی المقید کما قلنا اور اگر فی الواقع شغار ہوتا تو دونوں کا نکاح امام شافعی کے نزدیک باطل ہوتا نہ ایک کا۔

الحاصل ہندہ کا نکاح نافذ و لازم ہے، ہندہ یا قاضی فسخ نہیں کر سکتے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی شغار نہیں اور نہ ہی حکم فسخ و حرمت ہے اور زنا کت

ے اس "کانا جعلاصداقا" کا ترجمہ وحید الزمان غیر مقلد نے ترجمۂ ابو داؤد میں یہ کیا ہے" اور اسی کو مہر سمجھا" ۱۲ ابوالخیر النعیمی غفرلہ

زمان وغیرہا کا تقاضا یہ نہیں کہ فسخ نکاح کے لئے حیلے بہانے کئے جائیں کہ اس میں بجائے اصلاح ایک سخت طوفان برپا کرنا ہے، عورتیں ناقصات العقل والدین تو ہیں ہی اور پھر زنا کت زماں نے ان کی اکثریت کو گستاخ بنا رکھا ہے، اگر مردان کے اشاروں پر چلتے رہیں اور نہایت نرمی و چاپلوسی سے رہیں تو شاید یہ صنفِ نازک موافقت رکھے ورنہ کوئی چارہ کارگر نہ ہوگا، ایسے حیلے بہانے تو بن ہی سکتے ہیں، آخر علیم بذات الصدور کے حضور تو ضرور پیش ہونا ہے، عاقل وہ ہے جو دنیا میں ذخائر اخرویہ اور خزائن ابدیہ پر کرے نہ یہ کہ وبال ابدی اٹھاتے ہوئے جیفۂ دنیائے دنیہ پر گرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳۰ رجمادی الاخری ۱۳۶۸ھ

(نوٹ) ذیل کے سوال وجواب کے تعاقب میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کا تحریر کردہ فتویٰ ص۴۰۱ تا ص۴۰۶ پر ملاحظہ کریں۔ (محب)

یا فتاح   ۱۵ ۸/۹۲   یا فتاح   نشان انگوٹھا سائلہ   یا فتاح یا فتاح

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں ایک لڑکی عاقلہ بالغہ حنفیہ بنت نور محمد قوم ماچھی سکنہ چک گاما خاں تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری ہوں میں عمر ۱۱ سال کی تھی جب میرا نکاح میرے والد نے کر دیا بیٹے برادر میرے بڑے والی عطا بیگم بنت قادر بخش عرف قادا تحصیل منچن سکنہ جو بار یاست بہاولپور میں ہے نکاح کے وقت وہ میرے بیٹے والی جوان تھی اور میں نابالغہ تھی۔ جب ہمارے نکاح ہو گئے تو دوسری طرف والے لوگوں نے عطا بیگم کے دینے سے انکار کر دیا وہ تو پہلے بھی جوان ہو رہی تھی بلکہ سخت

جوانی میں تھی، اب وہ تیس سال سے بھی اوپر ہے، وہ شادی نہیں کر دیتے۔ میرے والد نے بہت کوشش کی کہ عطا بیگم ہم کو مل جاوے یعنی ہمارا بھائی جو ہے میرے والد کی اولاد ہے مگر وہ ہرگز نہیں دیتے، میں جب بالغہ ہوئی ہوں اور مجھ کو علم نکاح کا ہوا تو میں نے شروع بلوغت میں اس نکاح سے انکار کر دیا ہے اور میں بھی اس نکاح سے شروع بلوغت میں سخت منکرہ ہوئی ہوں اور اب عمر میری ۱۷ سال کی ہوگئی ہے یہی واقعہ پیش ہے، دونوں جانبین سے انکار ہے۔ اب علمائے کرام سے سوال ہے کہ میرے نکاح کے متعلق جواب دیں، کیا میرا انکار مسلّم ہے یا نہیں؟

جواب از مطولات مع صفحہ

تین شقوں سے یہ نکاح فسخ ہے، ایک تو بٹے والا نکاح شروع ہی سے ناجائز ہے، امیر معاویہ نے مروان کو خط لکھا کہ بٹے والا نکاح فسخ کر دیا جائے۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۷ کتب معاویۃ وکان فی امرہ ان یفرق الی مروان بینھما وکان بینھما صداقا، کیونکہ بٹے والا نکاح مشروط ہوتا ہے، یہ دوسری شق فسخ کی ہے، مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱، ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۷، صحیح مسلم ص ۵۵ ہیں نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج یعنی شرائط نکاح کے تم وفا کرو جن کے سبب تم نے عورتوں کی شرمگاہیں حلال کی ہیں، نکاح کی شرائط میں یہ ہے کہ اگر تم ہمارے بیٹے کو دو گے تو ہم بھی تمہارے بیٹے کو نکاح دیں گے، ورنہ جواب ہے ہدایہ شریف ج ۲ ص ۳۱۴ میں ہے لا یستحق الاستیفاء قبل الایفاء حق لینے کا مالک نہیں، جب اپنی طرف سے حق ادا نہ کرے، یہ بیٹہ کا حکم ہے۔ اگر ایک طرف سے جواب دوسری طرف سے بھی جواب ہے لہذا یہ لڑکی مذکورہ کا خیار بلوغ ثابت ہے جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۲۷۱ عن ابن عباس قال ان

جارية بكرا اتت النبي صلی اللہ علیہ وسلم فذكرت ان اباہا زوجها وهي كارهة فخيرها النبي صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے ابن عباس سے کہ ایک لڑکی بالغہ حاضر ہوئی دربار نبوی میں اور کہنے لگی کہ میرا نکاح میرے والد نے کردیا ہے اور میں مکروہ جانتی ہوں اس نکاح کو پس نبی علیہ السلام نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا اور نکاح کو فسخ کردیا، بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۱ میں ہے من زوجها الاب او الجد فخيرها النبي صلی اللہ علیہ وسلم، ابن عباس سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کرے اور یہ لڑکی اس کو مکروہ جانے پس وہ نکاح رد کردیا جاوے گا، فتاوی نذیریہ میں سید نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں ص ۲۱۶، ۲۱۷ کہ والد خواہ نابالغہ کا نکاح کردیوے خواہ بالغہ کا ہر صورت میں لڑکی مختارہ ہے خواہ نکاح رکھے خواہ نہ رکھے اور نووی شرح صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۶ میں ہے قال الاوزاعی وابو حنیفة وآخرون من السلف يجوز لجميع الاولياء ان ينكحوا الصغيرة ولها الخيار اذا بلغت کہا ہے اوزاعی اور ابو حنیفہ نے اور دوسرے اصحاب سلف نے کہ جائز ہے تمام ولیوں کو کہ صغیرہ لڑکی کا نکاح کردیں لیکن وہ بالغہ ہونے کے بعد اختیار رکھتی ہے کہ خواہ نکاح رکھے خواہ نہ رکھے، فتاوی شامی ج ۲ ص ۳۲۴ لانقطاع الولاية بعد البلوغ بلوغت کے بعد ولی کی ولایت منقطع ہوجاتی ہے، لڑکی مختارہ ہوجاتی ہے فقط حاصل کلام کا یہ ہے کہ اگر ایک لڑکی کے وارث لڑکی دینے سے انکار کرتے ہیں تو دوسری طرف والے بھی جواب شرعاً دے سکتے ہیں کیونکہ بٹے والا نکاح شرط کے ساتھ وابستہ ہے، جب ایک طرف سے مایوسی ہے تو دوسری طرف سے بھی مایوسی ہے، یہ سوال کا جواب ہے اور باحوالہ ہے فقط

حررہ علامہ بحر العلوم مولوی عبد الجبار مدرس کتب عربی مفتی تحصیل تام سن یافتہ دہلی شریف علامہ فاضل باہری بونگوی یعنی بونگہ صالح حال وارد لنگرمہمان تحصیل پاکپتن شریف ضلع منٹگمری بقلم خود

یہ فتویٰ لاجواب ہے باطن کا اللہ اعلم بالصواب ہے۔

مہر و دستخط ادارۂ مفتیٔ اعظم مولوی عبدالجبار
سنار یافتہ دہلی شریف

ش ۲۳
۶۲

مکرم محترم جناب حاجی الحرمین الشریفین حضرت جناب میاں غلام محمد احمد خاں صاحب رئیس اعظم سلامت باد
زندہ باد نجم سعادت بر اوج باد بادشاہی پائندہ باد

السلام علیکم، عرض ہے کہ فتوے پر سوال کا جواب دیا جاتا ہے اور صحیح جواب با حوالہ دیا جاتا ہے، کوئی ضد اور مخالفت سے نہیں لکھا جاتا ہے اور کوئی شخص قسم اور حلف کھا کر سوال مفتی صاحب کے پاس کرتا ہے تو مفتی جواب دیتا ہے اور وہ بر خلاف ظاہر ہو تو مفتی کا کوئی جرم نہیں ہے اُس سائل پر گناہ ہے۔ اگر کوئی میری تحریر میں جناب کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو تو اصلاح فرما دیں، بندہ جناب کا مولوی ہے" لہٰذا بندہ ہر فتوے میں ضد کتاب میں نظر کر کے فتوے لکھتا ہے بعدہ اللہ اعلم بالصواب ہے۔ آپ جناب میرا فتویٰ منگا کر نظر فرما دیں اور اپنی نظر مبارک سے مشرف فرما دیں اور اصلاح کریں، میرے بزرگ میاں بشیر احمد صاحب کو میرا سلام و دعا۔ بندہ بیر غنی حاضر ہوا تھا لیکن جناب کی زیارت نہ ہوتی تھی، میاں بشیر احمد صاحب کے پاس حاضر ہوا تھا فقط۔

آپ کا تابعدار خاکسار عبدالجبار از بونگہ حیات بقلم خود

۷۸۶
۹۲

بخدمت جناب حاجی میاں غلام محمد احمد خاں صاحب رئیس اعظم بیر غنی یونین کونسل ۱۵۲ دام اقبالہ

جناب عالی

نہایت ادب سے گزارش ہے کہ سائل مسمی محمد رمضان ولد جلا ماچھی موضع ملکے تارڑ حاضر خدمت ہے لہٰذا اس کی حالِ حقیقت درج کی جاتی ہے:

آپ کے مولوی صاحب مولانا عبدالجبار موضع بونگہ حیات نے مسمّٰی مذکور کے ایک طلاق نامہ کے فیصلہ میں سخت نااہلیت اور غلط فہمی سے کام لیا ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

سائل مذکور مولوی صاحب کے سامنے نہ حاضر ہوتے اور نہ ایسا سوال پیش کیا گیا، مولوی صاحب نے بغیر سوچے سمجھے اور بغیر تدبر و تدبیر کے ایسا فتویٰ لگایا کہ طلاق ثابت کردی اور فتویٰ دے دیا کہ طلاق آجائے گی اور لکھ دیا لہٰذا ہم معذور ہیں کہ مالک گھر بیٹھے رہیں اور طلاق نامہ آگیا، کیا شریعت ایسی خام خبط ہے کہ بغیر مالک کے ہی طلاق ثابت ہوگئی؟ لہٰذا اس امر کا غور فرماویں، عین نوازش اور غریب پروری ہوگی لہٰذا آپ طرفین کو حاضر کر کے اور شاہدین موقع طرفین کو نکاح خواں کو بلا کر اس امر کا مکمل ثبوت لیویں کہ کیا وجہ ہے اس فتویٰ کی اور لڑکی کے والدین کو بلا کر اس امر کا ثبوت لیویں، سائل آپ کے بچوں کو ہمیشہ دعائیں دیتا رہے گا۔ لڑکی کے والد کا نام نورا ولد محرم قوم ماچھی موضع چک گامے خاں کا باشندہ ہے۔

عرضی: رمضان ولد جلّا قوم ماچھی سکنہ بلیکے تار دکے، صادق محمد بقلم خود
نشان انگوٹھا

از دفتر یونین کونسل ۱۵۲ پیر غنی تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

مہتمم صاحب دارالعلوم بصیرپور سے اس فتویٰ کے متعلق رائے اور تصدیق حاصل کی جائے۔

غلام محمد احمد مانیکا ۲ ۹/۶۲

جانب: جناب عالی

حضرت فیض گنجور قبلہ مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

عنوان: فتویٰ نکاح

نہایت ادب سے التماس ہے کہ مسمّٰی رمضان ولد جلّا قوم ماچھی کی طرف سے

ایک درخواست موصول ہوئی ہے، اس کا فیصلہ چیئرمین جناب حاجی میاں غلام محمد احمد خان صاحب مانیکا نے کرنا ہے، ان کے حکم سے ہی آپ کے پاس درخواست فتوے نکاح ارسالِ خدمت کئے جا رہے ہیں، مہربانی فرماکر درخواست اور فتوے کو بغور پڑھیں اور صحیح فیصلہ اور حالات سے ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ فریقین کی حق رسی ہو سکے، جواب ایک ہفتہ کے اندر اندر آنا چاہیئے، امید ہے کہ گستاخی کو معاف فرمائیں گے، اس ضمن آپ کی رہنمائی شفقت نہایت ضروری ہے۔ فقط والسلام

آپکا خادم مسکین: عبدالحمید خاں یونین کونسل ۱۵۲ پیر غنی ڈاکخانہ خاص تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع اہل متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے اور خاوند کے ساتھ کسی طرح ناراضگی ہے اور مولوی عبدالجبار ساکن بنگہ حیات فتوے لکھتے ہیں کہ اس کو طلاق ہو چکی، کیا بغیر خاوند کے طلاق ہو سکتی ہے؟ از روئے شریعت جلد از جلد حکم فتوے ارسال فرماویں۔ بینوا توجروا فقط والسلام

الراقم مسکین سید محمد قاسم علی شاہ عفی اللہ عنہ امام مسجد پیر غنی ۹/۹/۶۲

مرسلہ کاغذات کل کی ڈاک سے موصول ہوئے۔ بغور دیکھنے سے واضح ہوا کہ یہ فتویٰ شرعاً فتویٰ نہیں بلکہ محض فتنہ ہے، ہمارے علاقہ میں مروجہ نکاح بٹہ میں بوقتِ عقد

یہ بات کوئی فریق بھی نہیں کہتا کہ ایک لڑکی کی شرمگاہ دوسری کی شرمگاہ یا دوسری کا عوض اور مہر ہے بلکہ باقاعدہ مبلغات مقرر کرکے حسب دستور شرع حق مہر نامزد کیا جاتا ہے اور ایسا نکاح بلاشک و شبہ صحیح ہے بلکہ اگر بوقت نکاح حق مہر کا تقرر نہ بھی ہو تب بھی نکاح صحیح ہے اور مہر مثل دینا پڑتا ہے، شامی ج ۲ ص ۵۴۲ میں ہے لم یکن شغارا بل نکاحا صحیحا اتفاقا وان وجب مھر المثل، بلکہ ہدایہ ج ۲ ص ۳۰۷ میں ہے العقدان جائزان اور یونہی مذہب حنفیہ کی بکثرت مستند کتابوں میں ہے بلکہ قرآن کریم نے صراحۃً فرما دیا واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم کہ ان محرمات کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں کہ اپنے مالوں کے ساتھ طلب کرو حالانکہ کسی آیت یا حدیث سے اس نکاح کی ممانعت ہرگز نہیں آئی تو اس آیت سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ ایسے نکاح جائز ہیں، ہاں حدیث پاک میں اس نکاح کی ممانعت آئی ہے جس میں حق مہر کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ ایک لڑکی کی شرمگاہ کو دوسری کا عوض بنایا جاتا ہے مگر وہ صورت یہاں نہیں تو ممانعت بھی نہیں۔

مولوی عبدالجبار صاحب نے ابوداؤد کی حدیث بطور سند ذکر کی ہے مگر بڑی غلطی کی ہے، حدیث کے لفظ بالکل غلط لکھ دئے ہیں اور یونہی معنی بھی صحیح نہیں سمجھے، اس حدیث میں جو کانا جعلا صداقا ہے وہ راوی کے لفظ ہیں اور حدیث مرفوع کے لفظ نہیں، پھر راوی یہ بھی بیان نہیں کرتا کہ صحابی کو اس کی اطلاع ہوئی یا نہیں اور نہ ہی یہ واضح کیا کہ کس چیز کو صداق بنایا اور کب بنایا تو اس کا کوئی متعین معنی ہی نہیں جس سے استدلال کیا جائے بلکہ مولوی صاحب کے مسلم نذیر حسین دہلوی کے ہم مذہب مولوی وحید الزمان نے تو ترجمۂ ابوداؤد میں اس استدلال کو بالکل ہی اڑا دیا کہ اس کا ترجمہ کیا "اور راسی کو مہر سمجھا" تو یہ وہی صورت ممنوعہ بنی جو ہمارے مسئلہ سے غیر متعلق ہے، پھر مولوی صاحب نے مشکوٰۃ شریف وغیرہ سے شرائط نکاح کے

متعلق حدیث ذکر کی حالانکہ ان شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جو نکاح کے موافق ہوں کما صرح بہ العینی والنووی وغیرھما من الشراح و یدل علیہ نفس الحدیث وذا ظاھر جدا۔

تو واضح ہوا کہ اس شرط کا یہ حکم نہیں کیونکہ یہ مخالفِ نکاح ہے، اس میں تو یہ ہے " ورنہ جواب ہے" بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسی شرطیں خود باطل ہو جاتی ہیں اور نکاح کو باطل نہیں کر سکتیں، صحیح بخاری شریف ج ا ص ۳۷۷ و صحیح مسلم ج ا ص ۴۹۴ وغیرہ میں حدیث مرفوع میں ہے ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل و ان کان مائۃ شرط (ترجمہ) جو شرط بھی ایسی ہو کہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرط ہو" تو واضح ہوا کہ مولوی صاحب کا یہ استدلال بھی غلط ہے اور یونہی عبارتِ ہدایہ ج ۲ ص ۳۱۴ سے بھی استدلال صحیح نہیں، وہ عبارت تو حقِ مہرِ معجل کے متعلق ہے کہ جب تک پورا ادا نہ کرے عورت کو اپنے گھر کا پابند نہیں بنا سکتا، ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہے ولیس للزوج ان یمنعہا من السفر والخروج من منزلہ وزیارۃ اھلھا حتی یوفیہا المھر کلہ ای المعجل لان حق الحبس لاستیفاء المستحق ولیس لہ حق الاستیفاء قبل الایفاء اور نکاح بڑھ کے ساتھ اس عبارت کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ہدایہ ص ۲۹۳ وغیرہا میں ہے ان النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدۃ کہ نکاح شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

پھر مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ خیارِ بلوغ ثابت ہے اور حدیث مشکوٰۃ شریف سے استدلال کرنا بھی غلط در غلط ہے کہ حدیثِ مشکوٰۃ میں تو اس لڑکی کے خیار کا ذکر ہے جو بوقتِ نکاح بالغہ تھی اور اس نکاح کو پسند نہیں کرتی تھی جیسا کہ خود مولوی صاحب بھی ترجمہ میں اقرار کرتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ حاضر ہوئی حالانکہ مسئلہ زیرِ بحث میں لڑکی بوقتِ نکاح بالغہ نہیں تھی اور بعد میں بالغہ ہوئی تو یہ کیا دلیل بنی اور ترجمہ حدیثِ مشکوٰۃ میں

یہ لکھا" اور نکاح کو فسخ کر دیا" بالکل غلط ہے ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو اور یونہی بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۱ کی حدیث سے بھی استدلال غلط ہے، بخاری کے صفحہ مذکورہ میں یہ لفظ قطعاً ہیں ہی نہیں اور نہ ہی اس میں حضرت ابن عباس کی کوئی ایسی حدیث ہے۔ ہاں حضرت خنساء کی حدیث ہے اور وہ بھی بیوہ بالغہ کے متعلق ہے تو اس سے بھی استدلال نہیں ہو سکتا اور ترجمہ میں" پس وہ رد کیا جاوے گا" لکھنا بھی غلط ہے مولوی صاحب کی اپنی بنائی ہوئی عبارت میں بھی کوئی عربی جملہ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو سکے محض اپنی بات بنانے کے لئے یہ ٹھوکریں کھائیں۔

پھر فتاوے نذیریہ سے سند لانا بھی غلط ہے کہ نذیر حسین صاحب غیر مقلد تھے ان کا فتوے ہم مقلدین حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے لئے دلیل نہیں بن سکتا پھر شرح صحیح مسلم سے نووی علیہ الرحمہ کی عبارت جو نقل کی ہے اس میں بھی غلطی کی ہے ان ینکحوا الصغیرۃ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اور" بصحۃ" چھوڑ دیا اور یہ عبارت بھی دوسرے تمام دلیلوں کے لئے ہے کہ باپ کا حکم اس عبارت سے اوپر ہے جس میں تصریح ہے کہ لڑکی کو جوان ہونے پر فسخ کا کوئی اختیار نہیں فرماتے اجمع المسلمون علیٰ جواز تزویج بنتہ البکر الصغیرۃ لھذا الحدیث واذا ھی بلغت فلاخیار لھا فی فسخھا عند مالک والشافعی وسائر فقہاء الحجاز اور نووی علیہ الرحمۃ ہیں بھی شافعی المذہب، تعجب ہے مولوی صاحب غیر مقلدوں کا فتوے ذکر کرتے ہیں اور کبھی شافعی المذہب کی نقل، بعد ازاں شامی سے انقطاع ولایت کی عبارت نقل کی حالانکہ یہ عبارت درالمختار کی ہے اور اس کا تعلق بھی خیار بلوغ سے نہیں بلکہ یہ تو اس کی دلیل ہے کہ کنواری بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ بلوغ کے سبب ولایت اولیاء منقطع ہو گئی، پوری عبارت یہ ہے جو درالمختار ج ۲ ص ۱۰۴ میں ہے ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ

بہرحال یہ عبارت نابالغہ کے نکاح سے متعلق ہی نہیں مسئلہ زیرِ بحث کی دلیل کیسے بنی ؟
مولوی صاحب نے اس عبارت میں ' بعد ' کا لفظ بڑھا دیا ہے۔

الحاصل مولوی صاحب کی پیش کردہ کوئی عبارت بھی اس نکاح کا فسخ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتی اور شرعًا وہ نکاح ثابت وقائم ولازم ہے اور لڑکی کے لئے خیارِ بلوغ بھی نہیں شامی ج ۲ ص ۴۱۲ میں ہے (قوله لزم النکاح) ای بلا توقف علیٰ اجازة احد وبلا ثبوت خیار فی تزویج الاب و الجد، ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۷ میں ہے، فان زوجہما الاب او الجد یعنی الصغیر و الصغیرة فلا خیار لہما بعد بلوغہما اور یونہی سب مستند کتبِ فقہیہ میں مصرح ہے۔

مخدومی سید محمد قاسم علی شاہ صاحب سوال کرتے ہیں کہ بغیر خاوند کے طلاق ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رب العالمین جل مجدہ نے قرآنِ کریم میں فرمایا الذی بیدہ عقدة النکاح (ترجمہ) وہ شخص جو اس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اس سے مراد جمہور مفسرین اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نزدیک خاوند ہی ہے اور یہی حدیث مرفوع حسن الاسناد بیہقی وغیرہ سے ثابت ہے تو جب نکاح کی گرہ خاوند کے ہاتھ میں ہے تو کسی مولوی صاحب کو اختیار نہیں پہنچتا کہ اپنی طرف سے طلاق دے سکے، ہاں بعض خاص خاص صورتوں میں حاکم شرع کے لئے مخصوص شرائط کے ساتھ تفریق بین الزوجین کا حق حاصل ہے جن میں یہ صورت سوال داخل نہیں ہاں یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ مولوی صاحب اپنی اس چٹھی میں جو الحاج میاں غلام محمد احمد خاں صاحب کے نام لکھتے ہیں اس میں میاں صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ "اگر کوئی میری تحریر میں جناب کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو تو اصلاح فرمادیں، بندہ جناب کا مولوی ہے" اور پھر دوبارہ لکھا کہ 'اصلاح کر دیں' تعجب ہے کہ سو کتاب سے فتویٰ دیتے ہیں مگر ساتھ ہی میاں صاحب کو اختیار دیتے ہیں کہ اگر ان کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو

تو اصلاح فرمالیں، اس سے اپنے فتووں کی حقیقت بے نقاب کر دی مگر بفضلہ تعالیٰ میاں صاحب حقیقت شناسی اور خدا ترسی سے کام لیتے ہوئے اصلاح کی اس پیشکش کو قبول نہیں کرتے اور یہ شرعی معاملہ علماءِ شرع کے ہی سپرد کرتے ہیں۔ دعا ہے حضرت رب العالمین جل مجدہ الکریم ان کے حسنِ تدبیر میں اور اضافہ فرمائے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الانور وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ ۱۶/۹/۶۲

الاستفتاء

بخدمت شریف مولانا محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم: بعد از سلامِ مسنون کے واضح ہو کہ اس ناچیز کے نام رسالہ سوادِ اعظم جاری ہے اس لئے ایڈیٹر رسالہ ہذا سے ایک سوال کیا تھا کہ اس کا جواب سوادِ اعظم میں شائع کر دیں لیکن انہوں نے بذریعہ کارڈ ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے پاس مفتی کتابیں نہیں، آپ لوگ محمد نور اللہ بصیر پوری سے رجوع کریں جبکہ وہاں سے آپ کے سوال کا جواب ملے تو اسے ہمارے ہاں تحریر کر کے روانہ کریں، ہم فوراً رسالہ سوادِ اعظم میں شائع کر دیں گے، اس طرح اوروں کو بھی فائدہ ہوگا لہذا دست بستہ عرض ہے کہ حسبِ ذیل سوال کا جواب عطا فرما دیں، نوازش ہوگی:

ناچیز عبدالرشید خاں کارخانہ بی سی جی منڈی بورےوالہ ضلع ملتان

سوال یہ ہے: یہاں پر ہم لوگ عام طور پر اپنی لڑکی کی شادی بیٹے سے کرتے

ہیں اور مہر بھی باقاعدہ شرع محمدی مقرر کیا جاتا ہے لیکن ایک شخص کہتا ہے کہ اس طرح ادلا بدلا کرنا ناجائز ہے لہٰذا عرض ہے کہ شخص مذکور سچ کہتا ہے یا ادلے بدلے کا رواج ٹھیک ہے جوابِ باصواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں، نوازش ہوگی، فقط

عبدالرشید خاں منڈی بورے والا اندرون کارخانہ بی سی، جی منڈی بورے والا

ضلع ملتان شریف

بس جواب اس پتہ پر مرحمت فرمائیں۔

فریقین کا باہمی یوں نکاح کرنا کہ نکاح کرنے سے پہلے فریقین اپنی لڑکیوں لڑکوں کی نسبتِ تبادلہ تجویز کر لیتے ہیں بعد ازاں مجلسِ نکاح میں ایجاب و قبول کرتے وقت باہمی تبادلے کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک لڑکی کا نکاح باقاعدہ مہر، حسبِ دستور نقدی مال مقرر کر کے کیا جاتا ہے تو ایسے نکاح شرعاً جائز ہیں جن کے جواز میں کسی شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء (ترجمہ) پس نکاح کرو ان عورتوں کا جو پسند آئیں تمہیں، اور چونکہ ایسے رشتے بھی پسند کر کے کئے جاتے ہیں لہٰذا اس آیتِ پاک سے روزِ روشن کی طرح جائز ہوئے، نیز قرآنِ کریم فرماتا ہے واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم (ترجمہ) اور حلال کی گئی ہیں واسطے تمہارے ماسوا ان عورتوں کے (جن کا حرام ہونا پہلے بیان کیا گیا ہے، ماں، بہن وغیرہا) یہ کہ طلب کرو تم اپنے مالوں کے بدلے" تو اس آیت سے اس وشمس کی طرح واضح ہوتا ہے کہ ایسے نکاح جائز ہیں اور کسی آیت یا

حدیث میں قطعاً ممانعت نہیں آئی تو جو شخص ناجائز بتاتا ہے وہ بالکل غلط کہتا ہے اسے دھوکا لگا ہے کہ نکاحِ شغار میں حق مہر مالی مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ ایک لڑکی کا بضع دوسری لڑکی کا مہر ہوتا ہے جو مال نہیں بلکہ لڑکی کے جسم کا ٹکڑا ہوتا ہے لہٰذا اس سے ممانعت آئی ہے کہ یہ فرمانِ قرآنِ کریم ان تبتغوا باموالکم کے خلاف ہے چنانچہ آیتِ مندرجہ بالا کے لفظی ترجمہ سے ہی واضح ہے اور نکاحِ شغار کی یہ تفسیر کہ اس میں مہر مقرر نہیں کیا جاتا اور اس میں ایک کا بضع دوسری کا عوض بنایا جاتا ہے، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۹، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۴، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۳، سننِ نسائی ج ۲ ص ۸۵، ابنِ ماجہ ص ۱۸۷، سننِ بیہقی ج ص ۱۹۹، سننِ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم لہا والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علیٰ ان یزوجہ الآخر ابنتہ او اختہ ولا صداق بینہما، اور فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۰ وغیرہا کی احادیثِ مرفوعہ کے آخر میں ہے والشغار ان ینکح ھٰذہ بھٰذہ بغیر صداق بضع ھٰذہ صداق ھٰذہ وبضع ھٰذہ صداق ھٰذہ اور یہی تفسیر کتبِ تفاسیر اور لغاتِ حدیث اور شروحِ حدیث اور لغاتِ فقہ اور لغاتِ عرب اور کتبِ فقہیہ میں ہے تفسیر احکام القرآن رازی ج ۲ ص ۱۷۳، نہایہ ج ۲ ص ۲۴۵، درالنثیر ج ۲ ص ۲۴۵، مجمع البحار ج ۲ ص ۱۹۹، عینی شرح بخاری ج ۹ ص ۱۰۴، شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۵۵، اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۶، ص ۱۱۸، مغرب ج ۱ ص ۲۸۴، دستور العلماء ج ۲ ص ۲۱۹، صراح ص ۱۸۸، منتہی الارب ج ۲ ص ۶۷۴، مبسوط ج ۵ ص ۱۰۵، ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۶، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۲، عنایہ ج ۳ ص ۲۲۲، کفایہ ج ۳ ص ۲۲۲، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۷۸، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۶، درالمختار ج ۲ ص ۴۵۷، شامی ج ۲ ص ۴۵۷۔

ان سب کتابوں میں وہی تفسیر ہے کہ شغار میں مہر نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک لڑکی

سہ گوشت کا ٹکڑا اور مراد شرمگاہ ہے ۱۲

کا نکاح یا بضع ہی دوسری کا مہر مقرر کیا جاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ایسے نکاح جن کا سائل نے سوال کیا ہے، بالاتفاق جائز ہیں اور شغار نہیں اور اس کی تصریح مبسوط، فتح القدیر، کفایہ، بحر الرائق، شامی کے صفحات مذکورہ اور منحۃ الخالق ج ۳ ص ۱۵۶ میں ہے والنظم من الکفایۃ واجمعوا علی انہ لو قال زوجتک ابنتی علی ان تزوجنی ابنتک ولم یقل ان یکون بضع کل واحدۃ منھما صداقا للاخری جاز النکاح ولا یکون شغارا۔ زاد المعاد ج ۲ ص ۵ میں ہے فان سموا مع ذلک مہرا صح العقد بالمسمی عندہ (الامام احمد) پھر ص ۶ میں فرمایا فھذا منصوص احمد۔

ان عبارات میں تصریح ہے کہ اگر چہ ایجاب و قبول میں تبادلے کا ذکر کیا جائے مگر جبکہ لڑکیوں کو ایک دوسری کا مہر نہ بنایا جائے تو نکاح جائز ہے اور ایسا نکاح نکاحِ شغار نہیں جس سے ممانعت آئی ہے اور یہی قرآنِ کریم سے ثابت ہو چکا تو ماہِ نیم ماہ اور مہر نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہوا کہ یہ مروجہ نکاح جن میں بوقتِ ایجاب و قبول تبادلے کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا اور باقاعدہ مالی مہر مقرر کیا جاتا ہے، بطریقِ اولی بلاشبہ جائز ہیں۔ واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۷ ذی القعدہ ۱۳۸۲ھ ۱۲ $\frac{۴}{۶۳}$

محرمات

سگی۔ لڑکی ———— لڑکا۔

بیوی ———— لڑکی۔

بابُ المُحَرَّمات

علمائے دین و شرعِ متین اس باب میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً میں نے اپنی لڑکی جس کی والدہ فوت ہو چکی ہے، اس لڑکی کی شادی کسی آدمی سے کر دی، اس آدمی نے جو کہ میرا داماد ہوا، اپنی ہمشیرہ کی شادی کر کے مجھے دیدی، عوض بعوض ہو گیا، اب میری لڑکی سے لڑکا پیدا ہوا اور میری عورت سے لڑکی پیدا ہوئی جو لڑکے کی پھوپھی زاد ہمشیرہ ہوئی، میری لڑکی کا اس لڑکے کا باپ یعنی میرا داماد اور سالا بھی لگا، یہ میری لڑکی کا ماماں ہوا تو یہ دونوں بچی بچہ ماماں زاد ہوئے، میں اس لڑکے کا اپنی لڑکی کی طرف سے نانا ہوا اور میری بیوی اس لڑکے کی پھوپھی ہوئی بایں وجہ میں اس لڑکے کا پھوپھڑ ہوا اور میری عورت کی طرف سے میرا بھی بھتیجہ لگا کیونکہ میری بیوی کا بھتیجہ لگا حقیقی تو علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: نور محمد قادری امام مسجد موضع سعد اللہ پور تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

بلاشک وشبہ وریب وہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں نہیں آسکتی کہ اس کی خالہ ہے، قرآنِ کریم نے صاف صاف فرمایا وخٰلتکم کہ تمہاری خالائیں یعنی ماسیاں تمہارے اوپر حرام کردی گئی ہیں، باقی وہ سارے ایرپھیر کہ ماماں نادہوئے اور تمہارا پھوپھڑ، چچا بننا یہ سب بناوٹ اور جاہلانہ خیالاتِ واہیہ ہیں کہ تمہارا داماد جو تمہاری بیوی کا بھائی ہے وہ تمہارا بھائی بن گیا ہے تو تمہاری لڑکی کا نکاح چچا کے ساتھ کیسے ہوا؟ دوسرے معنی میں تمہاری لڑکی جو تمہارے بھائی کے نکاح میں آکر تمہاری بھاوجہ بن گئی اگر طلاق مل جائے یا بیوہ ہوجائے تو تم نکاح کرسکتے ہو؟ ہرگز ہرگز نہیں، ایسے جوڑ توڑ کا شرعًا کوئی اعتبار نہیں اور وہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں قطعًا نہیں آسکتی قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک اور فقہ حنفی اور اجماعِ امت سے حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ شوال المکرم ۸۷ھ بروز جمعرات

زید کے نکاح میں ہندہ تھی اور ان دونوں میں تعلقات زن وشوہری وابستہ

رہے اور اب اس نے ہند مذکورہ کو طلاق دے کر اس کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لے لیا ہے، آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟

یہ نکاح جائز نہیں کہ ہند مذکورہ کی لڑکی اس پر (زید مذکور پر) حرام ہے چنانچہ منصوص قرآن شریف اور احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم و رجمیع کتب مذہب اور اسفار فقہ میں صراحۃً مذکور و مزبور ہے، ہدایہ میں منصوص ولا بنت امرأت التی دخل بہا الثبوت قید الدخول بالنص سواء کانت فی حجرہ او فی غیر حجرہ لان ذکر الحجر خرج مخرج العادۃ لا مخرج الشرط الخ لہذا زید پر ضروری اور سخت ضروری کہ اس لڑکی کو چھوڑ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ بکر نے زینب صغیرہ سے نکاح کیا اور زینب صغر سنی میں فوت ہو گئی، دخول وغیرہ کچھ نہیں

ہوا تو کیا زینب متوفیہ کی والدہ سے بکر مذکورہ نکاح کر سکتا ہے؟ برتقدیر عدم جواز نکاح اور گواہ اور نکاح خواں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: مولوی غلام حسین از چک ۱۸/۱۵ سنگو کا تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

قطعاً یقیناً بکر زینب کی والدہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ قرآنِ کریم میں محرمات کے بیان میں ارشاد ہوا وامہات نسائکم یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام کی گئی ہیں، یہ ارشاد مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر ہی رہتا ہے، اس پر ائمہ اربعہ کا اطباق ہے سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۶۰ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا نکح الرجل المرأۃ ثم طلقہا قبل ان یدخل بہا فلہ ان یتزوج ابنتہا ولیس لہ ان یتزوج امہا، اور ایک روایت میں ہے ایما رجل نکح امرأۃ فدخل بہا اولم یدخل بہا فلا یحل لہ نکاح امہا الحدیث یعنی جو مرد کسی عورت سے نکاح کرے، اس کے ساتھ دخول کرے یا نہ کرے۔ اس کی ماں کسی حال میں اس پر حلال نہیں رہتی۔ مبسوط ج ۴ ص ۱۹۹، فتح القدیر، ہدایہ ج ۳ ص ۱۱۸، درالمختار شامی ج ۲ ص ۲۸۳، فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۶۵، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴، بحرالرائق ج ۳ ص ۹۳ والنظم من المبسوط من تزوج امرأۃ حرمت علیہ امہا ثبت بقولہ تعالیٰ وامہات نسائکم وھذہ الحرمۃ تثبت بنفس العقد بحرالرائق ج ۳ ص ۹۳ وغیرہا میں ہے والنظم من البحر وھو مجمع علیہ

عند الائمۃ الاربعۃ۔

تو اس شمس کی طرح واضح ہوا کہ بکر مذکور زینب مذکورہ کی والدہ سے کسی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا اور اگر نکاح کریں تو اس پر لازم ہے کہ عورت منکوحہ کو چھوڑ دے اور اگر وہ نہ چھوڑے تو عورت پر لازم ہے کہ وہ چھوڑ دے اور جدا ہو جائے اور اگر وہ انکار کریں تو اہل اثر پر لازم ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دیں اور ناکح اور منکوحہ نکاح خواں گواہ سب پر لازم ہے کہ صدق دل سے سچی توبہ کریں ورنہ اہل اسلام پر لازم کہ ان سب سے مقاطعت کر دیں، کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا سلام کلام سب سے محروم کر دیں اور مجبور کریں کہ توبہ کی طرف رجوع کریں کہ محبوب خدا مالک دوسرا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان عظیم الشان ہے کہ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (رواہ مسلم) یعنی جو کوئی تم میں سے دیکھے برے کام کو تو بدل دے اس کو اپنے ہاتھ سے اگر یہ طاقت نہیں تو زبان سے اور اگر یہ بھی مقدور نہیں تو دل سے اور یہ سب سے کمزور درجہ ایمان کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ ربیع الثانی ۶۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ مستقیم کی شادی (نکاح) آج سے

پانچ برس پہلے مساۃ شہیداں بی بی عمر دس بارہ سال سے کیا گیا تھا مگر شہیداں بی بی کی رخصتی نہیں ہوئی تھی مگر اس سال عرصہ چھ ماہ کا ہوا ہے کہ شہیداں بی بی فوت ہوگئی ہے مساۃ شہیداں بی بی مستقیم کی چچازاد بہن تھی، اس لحاظ سے شہیداں بی بی کی والدہ مستقیم مذکور کی سگی چچی اور دوسرے معنوں میں اس کی ساس (خوش دامن) بن گئی مگر آج شہیداں کے فوت ہوجانے کے بعد دو چار آدمیوں نے شہیداں بی بی کی والدہ سے مستقیم کا نکاح کردیا ہے، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے؟ اگر درست نہیں ہے تو ان نکاح پڑھنے اور پڑھانے والوں کو شرعاً کیا تعزیر لگانی چاہیے؟ جواب سے مطلع فرمایا جاوے عین نوازش ہوگی۔

مستفتی: سید علی القلم خود ساکن چک ۱۲/۵۔ بی تحصیل پاکپتن شریف

مورخہ ۹ شوال ۵۸ء، ۲۳ محرم الحرام ۷۸ھ

اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو مستقیم کا نکاح شہیداں بی بی کی والدہ کے ساتھ نہیں ہوسکتا اگرچہ مستقیم اور شہیداں بی بی کی قربت بھی نہ واقع ہوئی ہو کہ ساس ہر حال میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام بن جاتی ہے، قرآنِ کریم میں ہے وامھات نسائکم ہدایہ شریف میں ہے ولا بام امرأتہ التی دخل بابنتھا او لم یدخل لقولہ تعالیٰ وامھات نسائکم من غیر قید الدخول۔ اور ایسے تمام معتبراتِ کتبِ فقہ و تفسیر میں ہے اور یہی ہر چہار اماماں دین رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا مذہب ہے تو وہ نکاح شرعاً

درست نہیں ہے، اہلِ اسلام پر حسبِ استطاعت فرض ہے کہ مستقیم اور اس کی عورت کو بالکل الگ الگ کر دیں، نکاح پڑھنے اور پڑھانے والوں پر شرعاً لازم کہ سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ ایسے کام سے بچیں، باقی رہی تعزیر تو وہ حاکمِ اسلام کا کام ہے،

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ محرم الحرام ۷۸ھ

الاستفتاء

بحضور فیض گنجور جناب مولوی نور اللہ صاحب

السلام علیکم کے بعد عرض ہے، حاضر خدمت پہلے بھی دو دفعہ ہوا ہے اور درحقیقت تو بالکل درست تھی مگر جناب کو کسی وجہ سے شبہ پڑا اس لئے میں تصدیق کرتا ہوں کہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے، درست ہے، مسمّی ایمنہ کے نکاح کی بابت جائز ہے یا کہ نہیں؟

ملک دارا { ۱ بیوی چوہڑ (چچا نانی) انکی لڑکی ستاں کی لڑکی سیداں (ان ہے) کا لڑکا حنیف ہے۔
۲ بیوی روشن کی لڑکی ایمنہ سوتیلی نانی ہے، اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا کہ نہیں؟ (سوتیلی پڑنانی ہے)

۱ ایمنہ بیوہ مسمّی حنیف کی چچی ہے اور سوتیلی نانی ہے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا کہ نہیں؟

مورخہ ۵۳/۷/۲۶ کو تصدیق کیا۔

۱۔ ملا ولد صادق قوم رہان ساکن چک ۱۹ ون آر تحصیل اوکاڑہ (نشان انگوٹھا)

۲۔ نور رنگ ولد حاجی حسن چک ۱۹/ ون آر تحصیل اوکاڑہ (دستخط)

۳۔ ملک جلال خاں نمبردار چک ۱۹/ ون آر تحصیل اوکاڑہ

نوٹ: مسماۃ ستاں و مسماۃ امینہ دونوں مسمّٰی ملک دارا کی حقیقی لڑکیاں ہیں۔

حاجی محمد حنیف بقلم خود ۲۶/۷

مسماۃ امینہ مسماۃ سیداں والدہ حنیف کی خالہ ہے کہ مسماۃ ستاں والدہ مسماۃ سیداں کی مسماۃ امینہ کی بہن ہے کہ مسمّٰی دارا کی لڑکیاں ہیں بناء علیہ حنیف و امینہ کا نکاح جائز نہیں، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۴ میں ہے وخالات آبائہ و امھاتہ یعنی باپوں اور ماؤں کی خالائیں حرام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع منٹگمری۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی واجد علی قوم راجپوت گوت چوہان کی بیوی گوت جاٹو سے تھی، اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس لڑکی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو کہ واجد علی کا حقیقی نواسہ ہوا، واجد علی کی مذکورہ منکوحہ فوت ہوگئی تو واجد علی نے دوسری عورت گوت پنوار سے شادی کرلی، واجد علی سے دوسری بیوی کو ایک لڑکی پیدا ہوئی، واجد علی کے نواسہ اور دوسری لڑکی کا نکاح بعمر ۵ سال کو دیا گیا، عرصہ ۱۲ سال گزر جانے کے بعد اعتراض ہوا کہ یہ نکاح شرعًا جائز اور درست نہیں آیا یہ واقعی درست اور صحیح نہیں بینوا اماجورین من رب العالمین۔

السائل: واجد علی دفعدار موضع رانہ وہن جاہ ملکھی فی الاتحصیل وضلع ملتان۔

یہ نکاح ہرگز ہرگز درست نہیں اور نہ ہی صحیح ہے بلکہ ناجائز وحرام ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخوٰتکم وعمّٰتکم وخالٰتکم فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴ میں ہے اما الخالات فخالتہ لاب وام وخالتہ لاب وخالتہ لام تو جس طرح باپ کی دوسری بیوی سے لڑکی حرام ہے کہ بہن ہے اور دادے کی دوسری بیوی سے لڑکی حرام ہے کہ پھوپھی ہے یونہی نانے کی دوسری بیوی سے لڑکی

حرام ہے کہ خالہ ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ ۶/۱۰/۶۶

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ زید نے اپنی ہمشیرہ مسماۃ سلمیٰ کی شادی کر دی، اس کے بعد خالد سلمیٰ کو اغوا کر کے لے گیا، اس کے عوض میں زید نے خالد کی بیوی لیلیٰ کو اغوا کیا اور مغویہ عورتیں زید وخالد کے گھروں میں تقریباً پچیس سال بلا نکاح آباد رہیں اور اس دوران میں ان دونوں کے بیٹوں سے اولاد ہوتی رہی حالانکہ ان کے ازواج جن سے نکاح تھا، اب تک زندہ ہیں اور قریب قریب رہتے ہیں تو کیا سلمیٰ ولیلیٰ سے پیدا شدہ اولاد کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ شبہ پڑتا ہے کہ سلمیٰ اور لیلیٰ خالد کی مدخولہ ہیں تو شاید مدخولۃ الاب کی لڑکی یا لڑکا حرام ہو بینوا توجروا ماجورین من رب العالمین ۔

السائل : علی محمد لوہریوالہ

سلمیٰ و لیلیٰ سے جو اولاد ہوئی ان کی نسب ان کے خاندانوں سے ثابت ہے نہ زانیوں سے الولد للفراش وللعاھر الحجر بلکہ صورتِ نکاح بھی بنا لیتے تب بھی یہی حکم تھا حالانکہ نکاح فاسد بلکہ بعض باطل ہیں بھی نسب ثابت ہو جایا کرتی ہے کما بین فی مظانہ والحکم فی الخلاصۃ عن المنتقی والھندیۃ عن الوجیز تو تناکح جائز ہوگا بلکہ اگر کوئی جاہل محض ظاہر پہ نظر کرے تب بھی تناکح جائز رہے گا لاختلاف الزناۃ رہا یہ شبہ کہ دونوں خالد کی مدخولہ ہیں تو یہ معتبر نہیں، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۷، بحر الرائق ج ۳ ص ۹۸، خیریہ ج ۱ ص ۲۳، در المختار شامی ج ۲ ص ۳۸۳ میں ہے کہ زوجۃ الاب کی لڑکی حلال ہے و النظم من الدر و اما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال اقول والزوجۃ اعم من المدخولۃ وغیرھا والاطلاق حجۃ خصوصا اطلاق الکتب تو مزنیہ کی بطریقِ اولیٰ حلال ہوگی وکذا العکس لانعکاس احکام المحرمات۔

الحاصل از روئے شرعِ مطہر جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو، نکاح جائز ہے مگر پرہیز ضروری ہے، حدیث شریف میں ہے ایاکم وما یسوء الاذن اور کیف وقد قیل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی الاشرفی مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اندریں مسئلہ کہ اللہ بخش نے زینب سے نکاح کیا اور ایک سال تک اس کی بیوی رہی، پھر ایک سال کے بعد زینب کو طلاق دے دی پھر زینب نے دوسری جگہ نکاح کر لیا، اب اللہ بخش کی اولاد اور زینب کی اولاد جو دوسرے نکاح سے ہے آیا ان کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے؟

نوٹ: ایک مولوی صاحب نے ناجائز کہا ہے کیونکہ اللہ بخش کی مطلقہ اللہ بخش کی اولاد کے لئے بمنزلہ ماں کے ہے اور اللہ بخش اپنی مطلقہ کی اولاد کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے فقط۔

السائل: حافظ نذیر احمد

چک ۳۷/۴-بی نزد وہاڑی

اللہ بخش کی وہ اولاد جو دوسری بیوی سے ہے ان کا نکاح زینب کی اس اولاد کے ساتھ جو دوسرے نکاح سے ہے، بلا شک و شبہ و ریب یقیناً جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم، اس میں وہ سب اولادیں داخل ہیں، قرآنِ کریم کے حکم کے سامنے کسی نام نہاد مولوی کے "بمنزلہ" کی کوئی وقعت نہیں جبکہ ہمارے مشائخ کرام بھی تصریح فرما رہے ہیں کہ طلاق نہ ہونے کی صورت میں بھی جواز ہے، فتاویٰ خیریہ

ج۱ص ۲۲۳ میں ہے ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ (الیٰ ان قال)
ولا ام زوجۃ الاب ولا بنتہا، درالمختار اور اس کی شرح طحطاوی ج۲ص ۱۴،
شامی ج۲ص ۳۸۳ میں ہے والنظم للشامی قولہ واما بنت زوجۃ
ابیہ او ابنہ فحلال وکذا بنت ابنہا بحر قال الخیر الرملی
ولا تحرم بنت زوج الام الخ بحرالرائق ج۳ص ۹۴ میں ہے ولا تحرم بنت
زوجۃ الاب، فتاوےٰ عالمگیریہ ج۲ص ۶، بحرالرائق ج۳ص ۹۸ وغیرہا میں ہے
والنظم من الھندیۃ لا بأس ان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج
ابنہ ابنتہا او امہا کذا فی محیط السرخسی۔

اگر یہی بمنزلہ والا قاعدہ صحیح مانا جائے تو چچا زاد، ماموں اور خالہ اور پھوپھی زاد اولاد
کے نکاح بھی ناجائز ہو جائیں گے کہ وہ سب دادا دادی نانا نانی کی اولاد میں جو شرعاً اور عرفاً
ماں باپ ہیں، بلکہ کوئی نکاح بھی جائز نہ ہو کہ سب بابا آدم اور اماں حوا، کی اولاد میں جنکو
قرآنِ کریم نے ابویکم فرمایا، علیٰ ابینا وامنا الصلوٰۃ والسلام، تو ثابت ہوا کہ
یہ قاعدہ غلط ہے۔

بہر حال یہ جواز آفتابِ نیمروز و ماہِ نیم ماہ سے بھی روشن ہے۔ واللہ تعالیٰ
اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ
وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ر شوال المکرم ۱۳۹۱ھ ۷۱/۱۲/۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع اندریں صورت کہ زید کی دو بیویاں ہند

وزینب نخیں اور ان سے اس کی اولاد بھی تھی، بعد ازاں زید فوت ہوگیا اور زینب نے بکر سے نکاح کرلیا اور اس سے لڑکی ہوئی تو کیا اس لڑکی کا نکاح زینب کے خاوند سابقہ زید کے اس لڑکے سے جو ہند سے پیدا ہوا تھا، جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

السائل : محمد یار چک ۱۹/ون آر ڈاکخانہ سنگھرہ تحصیل اوکاڑہ

اگر سوال واقعی اور صحیح ہے تو نکاح جائز ہے، قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذلکم، بحرالرائق ج ۳ ص ۹۸ میں ہے ولا بأس ان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ امھا او بنتھا لانہ لا مانع وقد تزوج محمد بن الحنفیۃ امرأۃ وزوج ابنہ بنتھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

۱۲ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

سائل مظہر کہ ایک عورت منکوحہ کے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا، بعدازاں اس عورت کے ایک مرد سے ناجائز تعلقات پیدا ہونے کا گمان ہوا تو کیا وہ لڑکا اس مرد کی لڑکی سے جو اس کی اپنی بیوی کے پیٹ سے ہے، نکاح کر سکتا ہے؟

اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو نکاح جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم پھر یہ تو نرا گمانِ زنا ہے اور شرعًا تو لڑکا اپنی ماں کے خاوند کی لڑکی سے جبکہ دوسری بیوی سے ہو، نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ لڑکے کا باپ ماں کا پہلا یا پچھلا خاوند ہو۔ اسی ارشادِ قرآنِ کریم سے درالمختار شامی، فتاویٰ خیریہ میں ہے والنظم من الدر واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے اور زید کی دوسری بیوی کے ساتھ اس کی لڑکی بھی آئی ہے، کیا زید کے لڑکے کی شادی زید کی دوسری بیوی کی لڑکی سے جو اس کے پہلے خاوند سے ہے ہوسکتی ہے یا نہیں؟

مستفتی: عبداللطیف وارثی کلرک ڈاکخانہ عارفوالہ

ہاں ہوسکتی ہے کہ باپ کی بیوی کی وہ لڑکی جو باپ کی لڑکی نہ ہو محرماتِ منصوص علیہا سے خارج ہے اور قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ماوراء ذلکم اور حضرت محمد بن الحنفیہ ابن حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک عورت سے نکاح فرمایا اور اپنے صاحبزادے کو اس عورت کی لڑکی نکاح کر دی، بحرالرائق ج ۳ ص ۹۸ میں ہے و لا بأس ان يتزوج الرجل امرأة و يتزوج ابنه امها او بنتها لانه لامانع وقد تزوج محمد بن الحنفية امرأة و زوج ابنه بنتها۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶ میں محیطِ سرخسی سے ہے لابأس بان يتزوج الرجل امرأة و يتزوج ابنه بنتها او امها۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ ربیع الثانی ۸۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ زید کا لڑکا خالد اور زید کی مطلقہ ہند جو اس کے لڑکے کی ماں نہیں، اس سے ایک لڑکی سلمہ دوسرے خاوند کی ہے، آیا خالد اور سلمہ کا نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

السائل: نور احمد از سنگھرہ ضلع منٹگمری، نور احمد

بلاشک وشبہ وبے ریب خالد اور سلمہ کا نکاح صورتِ مسئولہ میں یقیناً جائز ہے، قرآنِ کریم میں فرمانِ والاشان ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم، فتح القدیر ج ۳

ص ۱۲۰، بحر الرائق ج ۳ ص ۹۴، منحۃ الخالق علی بحر الرائق ص ۹۵، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۳ میں ہے و النظم للکمال المحقق علیہ الرحمۃ جاز للابن التزوج بام زوجۃ الاب و بنتہا۔

و اللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ جمادی الاخریٰ ۶۵ھ

الاستفتاء

جناب قبلہ و کعبہ استاذی حضرت صاحب

سلام مسنون: براہِ کرم مندرجہ ذیل مسئلہ کا حل مرحمت فرمائیں:

یہ کہ ایک آدمی نے ایک عورت کیساتھ شادی کی، کچھ عرصہ کے بعد اس آدمی نے دوسری شادی کرالی، جب دوسری شادی کی گئی تو پہلی عورت سے لڑکی ہوئی اور دوسری عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ اپنی لڑکی میرے بھائی کو دے دو اور نکاح کر دو۔ کیا یہ آدمی عورت کا بھائی دوسری عورت کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ نظرِ کرم فرماتے ہوئے اس کو تحریر فرما دیں تاکہ ہماری پریشانی دور ہو سکے، والسلام

حضور کا خادم: غلام دستگیر قادری خطیب درگاہ حضرت داؤد بندگی کرمانی شیر گڑھ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال ۱۳/۷/۷۰

عزیزی مولوی غلام دستگیر صاحب قادری سلمہ بہ تعالےٰ

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ :۔ یہ نکاح جائز ہے کہ یہ لڑکی دوسری بیوی کے بھائی کی محرمات سے ہرگز ہرگز نہیں اور قرآنِ کریم میں واضح ارشاد ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم لہٰذا یقیناً شادی کر سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ ۱۴/۷/۷۰

حضرت قبلہ مفتی اعظم مہتمم صاحب دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور دام فیوضکم
السلام علیکم، مزاج گرامی! سوال درج ذیل کے متعلق حکمِ شریعت سے مطلع فرماویں:
مسمٰی سکندر ولد سراج ذات ڈولہ ارائیں سکنہ ڈولہ سلطان نے جب مسمات خدیجہ مطلقہ محمد امین سے نکاح ثانی کیا، اس وقت مسماۃ بشیراں دختر محمد امین اخلدیجہ مذکورہ کی عمر ۳/۴ سال تھی جو اپنی والدہ کے ہمراہ سکندر کے گھر آئی تھی اور آج تک اسی کے

گھر بطور دختر پرورش پا رہی ہے، اب سکندر اس پروردہ دختر زوجہ خود کا رشتہ اپنے حقیقی بھائی محمد امیر ولد سراج کے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے، محمد امیر کا یہ رشتہ دینے میں کوئی شرعی سقم تو نہیں ہے؟

اسمٰعیل ولد سراج ڈولہ ارائیں سکنہ ڈولہ سلطان تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

مؤرخہ ۹ اپریل ۱۹۷۴ء

ہاں شرعاً جائز ہے، قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بقلم خود
۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ ۹۴/۴/۹

بعد از سلام مسنون!

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع اندریں صورت کہ زید نے ایک بیوہ سے شادی کی اور اس بیوہ کی ایک لڑکی پہلے خاوند سے ہے جس کی عمر بوقتِ نکاح زید تین سال ہے، اب زید یہ چاہتا ہے کہ لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے سے جو کہ پہلی منکوحہ سے ہے کر دیا جائے لڑکی بالغ اور رضامند بھی ہے، قرآن و حدیث کے حوالہ جات سے تحریر فرمائیں کہ یہ نکاح

درست ہے یا کہ نہیں؟ تاکہ دل کو اطمینان ہو، بینوا توجروا۔
سائل: محمد شریف از پھلائی والا چک ۱۳ ڈاکخانہ خاص تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح کرنا یقیناً روا ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶ میں محیطِ سرخسی سے ہے اور بحر الرائق ج ۳ ص ۹۸، در المختار، شامی ج ۲ ص ۳۸۳ میں بحر الرائق اور فتاوےٰ خیریہ سے ہے والنظم من الدر واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال بحر الرائق میں اضافہ فرمایا وقد تزوج محمد بن الحنفیۃ امرأۃ وزوج ابنہ بنتہا،

ان سب عبارات کا حاصل یہ کہ یہ نکاح کرنا حلال ہے اور اہلِ بیتِ کرام میں بھی ہوا، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام محمد بن حنفیہ نے اپنی بیوی کی لڑکی اپنے صاحبزادے کو نکاح کر دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ ۲۶/۱۰/۶۰

الاستفتاء

محترم ومکرم جناب مہتمم صاحب بصیرپور

السلام علیکم : احوال آنکہ بندہ کو درج ذیل مسئلہ کے بارہ میں فتویٰ درکار ہے اس لئے آپ براہِ نوازش اس کا فیصلہ جلد از جلد واپس فرمائیں :۔

مسئلہ : ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اور دونوں زندہ ہیں، ان دونوں بیویوں سے ان کی اولاد لڑکے لڑکیاں بھی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک عورت اپنی لڑکی دوسری عورت (سوکن) کے بھائی کو رشتہ میں دے سکتی ہے یا کہ نہیں؟ جبکہ رشتہ لینے والی عورت کا بھائی بھی اس کا سگا بھائی نہ ہو۔

جنابِ! ہمارے ہاں اس کا جواب براہِ نوازش بذریعہ حوالہ اور ثبوت درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں، جواب جلدی ارسال کرنے کی کوشش کریں، آپ کی نہایت مہربانی ہو گی، والسلام۔

رانا احمد یار 9/99-L تحصیل وضلع ساہیوال

شرعاً جائز ہے جبکہ کوئی اور حرمت کا سبب نہ ہو کیونکہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور فقہ حنفی کی کسی کتاب کے محرمات میں اس کا ذکر نہیں اور قرآنِ کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذلکم یعنی جن حرام عورتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان کے علاوہ دوسری عورتیں

تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں لہٰذا ان عورتوں میں سے ہر ایک عورت اپنی سوکن کے بھائی کو رشتہ دے سکتی ہے اگرچہ بھائی حقیقی ہو جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۹۳ھ ۴/۲۷/ ۱۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ سائل زبانی مظہر کہ زید کی لڑکی بکر کے نکاح میں تھی اور زید نے اس لڑکی کی ماں کے سوا ایک اور عورت کے ساتھ نکاح کیا، اب بکر کی بیوی جو زید کی لڑکی تھی فوت ہو گئی ہے اور زید بھی فوت ہو گیا ہے تو کیا بکر زید کی اس دوسری بیوی کے ساتھ جو بکر کی متوفیہ بیوی کی ماں نہیں بلکہ صرف باپ کی بیوی تھی، نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ وہ بکر کی متریئی ساس ہے لہٰذا نکاح جائز نہیں، جواب دیں اور ثواب پائیں۔

سائل : رمضان ولد نامہ اوڈ از فرید پور جاگیر، ۷ شوال المکرم ۲،۷ھ

اگر سوال صحیح ہے تو یہ نکاح شرعاً درست اور صحیح ہے قرآن کریم میں ہے و

احل لکم ما وراء ذٰلکم، ساس وہی ہے جو پہلی بیوی کی ماں تھی، زید کی دوسری بیوی بکر کی شرعًا ساس نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہٖ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

سائل مظہر کہ اس نے ایک عورت کیساتھ نکاح کیا مگر اس عورت کے نزدیک بالکل نہیں گیا اور نہ ہی کسی اکیلے مکان میں اکٹھے ہوئے پھر وہ عورت مرگئی، اب اس عورت کی پوتی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا یہ شرعًا جائز ہے؟

سائل: جان محمد کھرل باشندہ ازموسٰی وال، ۹ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۴ھ

اگر سوال صحیح ہے تو جائز ہے، فتاوٰے عالمگیر ج۲ ص۴ میں ہے بشرط الدخول بالام۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید اپنے لڑکے اور لڑکی کی ساس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں جبکہ کوئی اور وجہِ حرمت نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: علم دین ولد الٰہی بخش مہار نزد جھگیاں رحموں والیاں

بلاشک و شبہ و ریب نکاح کر سکتا ہے کہ اولاد کی ساس محرماتِ شرعیہ سے یقیناً خارج ہے اور ارشادِ قرآنِ کریم ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء (پ۴ ع ۱۲) اور ارشادِ مبین ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم (پ۵ ع۱) فتاویٰ خیریہ ج۱ ص ۲۳ ۔ شامی میں ہے ولا تحرم بنت زوج الام (الی ان قال) ولا ام زوجۃ الابن۔ بحر الرائق ج۳ ص ۹۸ میں ہے ولا بأس ان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ امہا او بنتہا لانہ لا مانع وقد تزوج محمد بن الحنفیۃ امرأۃ و زوج ابنہ بنتہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۸ رجب المرجب ۷۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ ماموں بھانجہ کی بیوہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں جبکہ کوئی اور شرعی مانع نہ ہو؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد فاضل عدلیکا از دوناکھو کھرانوالہ ریاست بہاولپور

شرعاً صورتِ مذکورہ میں نکاح کر سکتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمیٰ حنیف کا اپنی چچی بیوہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں جس کا نام امینہ ہے حالانکہ امینہ کی ماں روشن حنیف کی سوتیلی نانی ہے، بینوا توجروا۔

السائل: حیدر علی موضع چک ۱۹/ون آر ضلع منٹگمری

اگر کوئی اور مانع نہیں تو یقیناً جائز ہے قرآنِ کریم کا فرمانِ مبین ہے واحل لکم ماوراء ذٰلکم، نانا تو نانا، باپ کی بیوی کی لڑکی بھی حلال ہے حالانکہ وہ سوتیلی ماں کی لڑکی ہے۔ درالمختار وغیرہ اسفار فقہیہ میں ہے۔ والنظم من الدر واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

بخدمت جناب حضرت قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ آیا بھتیجے کی منکوحہ کا نکاح بعد از طلاق چچا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العالمین۔

بعد از انقضائے عدت کر سکتا ہے بشرطیکہ کوئی اور مانع نہ ہو، قرآنِ کریم میں ہے
واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و
احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۱ صفر المظفر ۶۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ بھتیجے فوت ہو جانے کے بعد اس کی
بیوی کا نکاح چچا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: رحیم بخش مہر از بگیاں ٹبیاں ، ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۶۷ھ

جب اور کوئی مانع نہ ہو تو عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر سکتا ہے، قرآنِ

کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذلکم (پ۵ ع۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

سائل دریافت کرتا ہے کہ بھتیجا کی مطلقہ یا بیوہ بیوی چچا کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ شبہ کیا جاتا ہے کہ بھتیجا بیٹا ہی ہوتا ہے لہذا چچا نکاح نہیں کرسکتا، بینوا توجروا۔

سائل: مولابخش ساکن شاہ بکہ ضلع منٹگمری، ۲۵ محرم الحرام ۷۸ھ

قرآن کریم میں ہے وحلائل ابناءکم الذین من اصلابکم یعنے تمہارے ان لڑکوں کی بیویاں حرام ہیں جو تمہاری پشتوں سے ہیں، تو بھتیجا چونکہ چچے کی پشت سے نہیں ہے اور نہ ہی حقیقی بیٹا ہے لہٰذا اس کی مطلقہ یا بیوہ کے ساتھ چچا نکاح کرسکتا ہے کہ قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذلکم اور اگر بھتیجا بیٹا ہی ہے تو چچا کے لڑکے کے ساتھ وراثت کیوں نہیں پاتا اور چچے کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیوں کرسکتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ شبہ غلط ہے اور چچا نکاح کرسکتا ہے۔ واللہ

تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
تاریخِ تحریر ۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ بھتیجے نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور عدت پوری ہونے کے بعد چچا نے اس عورت کے ساتھ نکاح کرلیا حالانکہ کوئی شرعی مانع نہیں تھا، کیا نکاح جائز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھتیجے کی مطلقہ کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔

سائل: محمد حنیف موضع ڈھبی ۲۹/۵/۶۲

یہ نکاح شرعاً جائز ہے اور بھتیجے کی منکوحہ ہونا حرام نہیں کرسکتا جبکہ اس نے طلاق دے دی اور عدت بھی پوری ہوگئی، قرآنِ کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذٰلکم، ہاں قرآنِ کریم نے اپنے حقیقی لڑکے کی منکوحہ کو حرام قرار دیا ہے، ارشاد ہوا وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم اور یہ نہیں فرمایا وحلائل

ابناء اخوانکم، لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نکاح نہیں ہو سکتا، وہ جھوٹے ہیں اور شریعت پر بہتان باندھتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۶/۶/۶۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسمی الٰہی بخش کی زوجہ فیض الٰہی سے اس کا بیٹا محمد دین پیدا ہوا فیض الٰہی کی وفات کے بعد الٰہی بخش نے دوسری عورت نور بانوں سے شادی کر لی، اس سے احمد دین اور خورشید بیگم پیدا ہوئے، الٰہی بخش کی وفات کے بعد نور بانوں نے کسی اور سے نکاح کر لیا، اس دوسرے خاوند سے ایک لڑکی حمیدہ پیدا ہوئی، تو کیا حمیدہ بنت نور بانوں کا نکاح محمد دین ولد الٰہی بخش کے لڑکے سے ہو سکتا ہے؟

ہاں شرعاً جائز ہے قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم، فتاوٰے

عالمگیر ج ۲ ص ۶ میں ہے لا بأس بان یتزوج الرجل امرأۃ و یتزوج ابنہ ابنتہا او امہا کذا فی محیط السرخسی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ ۵/۵/۳۱

الاستفتاء

بگرامی خدمت حضرت العلام ناصر الاسلام فقیہ اعظم قبلہ الحاج مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی القادری دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔ معروض اینکہ نظر عنایت فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل مسئلہ کا مختصر جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی :

زید کی والدہ کے حقیقی ماموں بکر کی لڑکی ہندہ کا نکاح زید سے ہو سکتا ہے ؟ بینوا توجروا۔

السائل : آپ کا غلام محمد منشا تابش قصوری بمقام ہری ہر تحصیل قصور ضلع لاہور، ۲/ستمبر ۱۹۶۶ء

ہندہ کی والدہ کے حقیقی ماموں کے لڑکے سے ہو تو ہندہ کا نکاح

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :

ہاں ہو سکتا ہے کیونکہ محرماتِ خاصہ ہیں اس کا ذکر نہیں تو احل لکم ما وراء ذٰلکم سے حلال ہو گئی و ذا ظاھر جدا شامی علیہ الرحمہ نے محرمات کے اوائل ہیں کہا و فروع اجدادہ وجدات ببطن واحد فلھذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والاخوال (فتح) شامی ج ۲ ص ۳۸۰ یعنی حرام ہیں دادوں، نانوں اور دادیوں، نانیوں کی شاخیں ایک بطن کی (یعنی بلا واسطہ) تو اس لئے پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں اور حلال ہیں پھوپھیوں اور چچوں اور خالاؤں اور ماموؤں کی لڑکیاں کیونکہ یہ بالواسطہ لڑکیاں ہیں اور جیسے اپنے ماموں کی لڑکی اپنے نانا کی بالواسطہ لڑکی ہونے کے سبب حلال ہے یونہی ماں کے ماموں کی لڑکی بھی ماں کے نانا کی بالواسطہ لڑکی ہونے کی بنا پر حلال ہے جو نصِ قرآن کریم کے بالکل موافق ہے اور کتاب الفقہ ج ۴ ص ۶۱، ۶۲ میں بھی محرمات کا تیسرا نوع بایں الفاظ ہے فروع اجدادہ وجداتہ وھن عماتہ وخالاتہ سواء کن شقیقات اولا والیٰ ھنا ینتھی التحریم فلا تحرم علیہ بنات عماتہ ولا بنات خالاتہ ولا بنات عمہ فلا یحرم من فروع الاجداد والجدات الا البطن الاولیٰ، اس کا ترجمہ نہیں لکھا کہ ترجمہ اوپر سے واضح ہو رہا ہے۔ بہرحال صورتِ مسئول عنہا میں اگر کوئی اور سببِ حرمت نہیں تو حلال ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ $\frac{۹}{۶۶}$ء

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ۔ بعد از سلام مسنون کے دست بستہ خدمتِ اقدس میں عرض پرداز ہوں برائے کرم اس معمولی مسئلہ کو حل فرما کر مشکور فرمائیں، نوازش ہوگی، فقط والسلام۔

زید کی حقیقی خالہ کی نواسی حقیقی سے زید کا نکاح از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ یہ نکاح درست نہیں ہے لہذا برائے کرم جواب سے جلد مشکور فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔ فقط

سائل: عبدالرشید منڈی بوریوالہ ضلع ملتان شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں جائز ہے اللہ رب العالمین جل وعلا نے فرمایا واحل لکم ما وراء ذٰلکم (پ۵ ع۱) اور شامی ج۲ ص ۳۸۰ میں فتح القدیر سے ہے وفروع اجدادہ وجداتہ ببطن واحد فلھذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والاخوال اور یونہی کتاب الفقہ ج۴ ص ۶۱، ۶۲ میں بھی ہے لہذا بکر کا قول بالکل غلط اور خلافِ شرع شریف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ رجادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ ۲۷ 9/66

جمع بین المحارم

باب الجمع بين المحارم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اندریں مسئلہ کہ دو توأم لڑکیاں متحدۃ الجسم ہیں یعنی جس وقت پیدا ہوئیں ان کے کندھے پہلو کولہے کی ہڈی تک آپس میں جڑے ہوئے تھے اور کسی طرح سے ان کو جدا نہ کیا جا سکتا تھا، اپنی پیدائش سے اب جوان ہونے تک وہ ایک ساتھ چلتی پھرتی ہیں، ان کو بھوک ایک وقت لگتی ہے، پیشاب پاخانہ کی حاجت بھی ایک ہی وقت ہوتی ہے، اگر ان سے کسی ایک کو عارضہ لاحق ہو جائے تو دوسری بھی اسی عارضہ میں مبتلا ہو جاتی ہے، ان کا نکاح ایک مرد سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں آسکتی ہیں تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور اگر ان کو وان تجمعوا بین الاختین کے حکم کو بنیاد بنا کر دو مردوں کے نکاح میں دے دیا گیا تو مندرجہ ذیل دشواریاں پیدا ہوتی ہیں جن کا حل مشکل ہے:۔

ا۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ایک مرد اپنی منکوحہ نامزد بیوی سے ہی صنفی تعلقات کو محدود کر سکے گا۔

۲۔ یہ دوسری عورت جو اپنی بہن سے متحد الجسم ہونے کے ساتھ متحد المزاج بھی ہے زوجی تعلقات کے وقت متاثر نہ ہوگی۔

۳۔ نکاح کا ایک بڑا مقصد افزائشِ نسل ہے۔ دو مردوں کا یہ نکاح اس تعلق پر ضرب لگاتا ہے۔

۴۔ دو مردوں سے ایسا نکاح جس سے دو عورتیں صنفی تعلقات سے متاثر ہوتی ہوں ان کی حیا مجروح ہوتی ہو، ان میں رقیبانہ جذبات پیدا ہوتے ہوں کیا نکاح کی اس روح کے منافی نہیں جس میں فرمایا گیا ہے وجعل بینکم مودۃ۔ (روم)

براہِ کرم شریعت کی رو سے حل فرما کر اس فتنے کو دور فرمائیے جو جوان ہونے سے ان کو لاحق ہوا ہے اور ان کے والدین ان کا نکاح کر سکیں بینوا توجروا الی یوم القیامۃ۔

سائل: محمد شریف نوری خطیب جامع رائے ونڈ ضلع لاہور ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۷۴ھ

ایسے نادر الصورۃ بچوں کا زندہ پیدا ہونا ہی نہایت نادر ہے، پھر عرصہ تک بہ ہیئتِ کذائیہ زندہ رہنا غالباً تخیلاتِ شاعرانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ایسے سوالات اسکاتِ علمائے کرام کے لئے وضع کئے جاتے ہیں مگر بفضلہ وکرمہ تعالیٰ شریعتِ غرا کسی سوال کے جواب سے عاجز نہیں۔ شرعاً ایسی صورت میں نکاح حرام ہے، خواہ ایک مرد سے دونوں کا یا ایک معینہ یا غیر معینہ کا یا دو مردوں سے بالتعیین یا بالابہام ہو کہ ہر شق پر کئی حیا سوز حرکات کا لزوم ہوگا اور قرآنِ کریم فرماتا ہے لا تقربوا

الفواحش، نیز ارشاد ہوا قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن، رہے وہ فتنے جو جوانی سے لاحق ہوا کرتے ہیں تو ان کا علاج وہی ہے جو قرآنِ کریم نے تجویز اور حدیث شریف نے تشریح فرمائی، سورۂ نور کا نورانی ارشاد ہے و لیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ۔ اور حدیثِ متفق علیہ میں ہے ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء، تو ان لڑکیوں پر لازم کہ پرہیز اختیار کریں اور بوقتِ ضرورت روزے رکھا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۶ ربیع الاول شریف ۷۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ انقلاب حاضرہ میں زید وعمر اخوین بمع زوجتیں ہندوسلمی اختین ہیں سے مہاجرت کے وقت زید شہید ہو گیا اور سلمی گرفتارِ کفار ہو گئی عمر وہند پاکستان میں پناہ گزین ہونے کے بعد نکاح کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً یہ نکاح جائز ہے؟ ایک مولانا صاحب نے فتوے جوانہ کا دیدیا ہے کہ تباینِ دارین سے نکاح باطل ہو جاتا ہے تو عمر وسلمی کا نکاح باطل ہو گیا لھذا عمر سلمی کی ہمشیرہ ہند سے نکاح کر سکتا ہے، طلاق وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں تو کیا مولانا صاحب کا یہ فتوے اور استدلال درست ہے۔ بینوا توجروا۔

قرآنِ کریم کا ارشادِ مبین ہے وان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کا جمع کرنا حرام ہے والجمع یشمل الماسورۃ وغیرھا والاطلاق حجۃ قطعیۃ مقدم علیٰ خبر الواحد والقیاس، تو جب تک سلمیٰ کی طلاق اور انقضاءِ عدت یا موت متحقق نہ ہو تب تک عمر ہندہ سے نکاح نہیں کر سکتا والیقین بالحیاۃ لا یرتفع بالشك اور تباینِ دارین کا مسئلہ زوجین مسلمین میں قطعاً جاری نہیں ہو سکتا کہ تباینِ دارین سے مراد تباین حقیقۃً وحکماً ہے، در المختار، شامی ج ۲ ص ۵۳۷، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۱۳، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۱ نیز ج ۳ ص ۲۹۴ و ج ۵ ص ۲۶۶ و ہدایہ مع الفتح ج ۳ ص ۲۹۴ و ۲۶۶، عنایہ ج ۳ ص ۲۹۲، مبسوط ص ۵۰، ۵۱ میں ہے والنظم من المبسوط وتباین الدارین بھذہ الصفۃ موجب للفرقۃ عندنا، اور جن کتب میں مطلق تباین الدارین ہے تو اس مطلق سے بھی کامل تباین مراد ہے، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۱۳ میں ہے اطلق فی التباین فانصرف الیہ حقیقۃ وحکما، شامی ج ۱ ص ۲۹۷ میں شرح المنیہ سے ہے واذا صرح بعض الائمۃ بقید لم یرد عن غیرہ منھم تصریح بخلافہ یجب ان یعتبر، نیز ج ۱ ص ۲۰۴ میں ہے قال فی البحر وقصدھم بذلك ان لا یدعی علمھم الا من زاحمھم علیہ بالرکب ولیعلم انہ

؎ بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۳۸ میں ہے تفسیر اختلاف دارین میں بان خرج احد الزوجین الی دار الاسلام مسلما او ذمیا وترك الآخر کافرا فی دار الحرب ۱۲ ابو الخیر غفرلہ ۲۲ ربیع الثانی ۶۹ھ

لایحصل الا بکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتھم والاخذعن الاشیاخ
بحرالرائق ج ا ص ۳، ۴، میں ہے وان فھم المسائل علی وجہ التحقیق
یحتاج الی معرفۃ اصلین احدھما ان اطلاقات الفقہاء فی الغالب
مقیدۃ بقیود یعرفھا صاحب الفھم المستقیم الممارس للاصول و
الفروع وانما یسکتون عنھا اعتمادا علی صحۃ فھم الطالب والثانی
ان ھذہ المسائل اجتھادیۃ معقولۃ المعنی لایعرف الحکم فیھا علی الوجہ
التام الا بمعرفۃ وجہ الحکم الذی بنی علیہ وتفرع والا فتشتبہ المسائل
علی الطالب ویحار ذھنہ فیھا لعدم معرفۃ الوجہ والمبنی ومن اھمل
ماذکرناہ حار فی الخطأ والغلط۔ بلکہ جزئیات واحکام جمیع کتب مذہب سے
نمایاں طور پر یہی ثابت ہے مثلاً مسلم یا ذمی بغرض تجارت وغیرہا عارضی طور پر دارالحرب میں بلا زوجہ
جائے یا حربی اسی طرح دارالاسلام میں آئے تو ان کے ازواج کے نکاح بدستور رہیں گے
کہ حکماً تباین دارین نہیں یا مسلمان نے کتابیہ حربیہ سے دارالحرب میں نکاح کیا اور وہیں
چھوڑ کر دارالاسلام میں آجائے تو عورت بائن ہو جاتی ہے اور اگر عورت اس خاوند
مسلم سے پہلے دارالاسلام میں آجائے تو بائن نہیں ہوتی کہ اس صورت میں تباین فقط
حقیقۃً ہے اور حکماً نہیں وغیرھا من المسائل۔

بحرالرائق ج ۴ ص ۲۱۳، مبسوط ج ۵ ص ۵۱، ہدایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۳،
نیز ج ۵ ص ۲۶۶، کفایہ علی الہدایہ ج ۳ ص ۲۹۵، کفایہ ج ۳ ص ۲۹۳، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۳۹
میں ہے والنظم من الھندیۃ ولوخرج الحربی مستامنا او دخل
المسلم دارالحرب مستامنا لم تقع الفرقۃ بینہ وبین امرأتہ
کذا فی الکافی، درالمختار، ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۵۲۸، مبسوط ج ۵ ص ۵۳، بحرالرائق
ج ۳ ص ۲۱۴، منحۃ الخالق علی بحرالرائق والنظم من البحر لوتزوج مسلم کتابیۃ

حربية فی دار الحرب فخرج عنها الزوج بانت لوجوده ولو خرجت المرأة قبل الزوج لم تبن لان التباين وان وجد حقيقة لم یوجد حکما لانها صارت من اهل دار الاسلام لانها التزمت احکام المسلمین فالظاهر انها لا تعود الی دار الحرب والزوج من اهل دار الاسلام حکما، اور ایسا تباین اسلام زوجین کی صورت میں متصور ہی نہیں کہ مسلم اہل دار الاسلام ہی سے ہے اگرچہ دار الحرب میں تجارت یا گرفتاری وغیرہ کی صورت میں ہو کہ ایسی صورتوں میں گو حقیقۃً تباین ہے مگر حکماً نہیں، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۱۴، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۲، کفایہ ج ۳ ص ۲۹۵، عنایہ ج ۳ ص ۲۹۳، شامی ج ۲ ص ۵۳۸ نیز ج ۳ ص ۳۴۸ نیز ج ۵ ص ۶۷۲، فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۶، شریفیہ شرح سراجیہ ص ۱۴۲، شیخ الاسلام علی السراجیہ ص ۱۰۳، مبسوط ج ۵ ص ۵۳ نیز ج ۱۰ ص ۶۱ میں ہے والنظم من العاشر فالمسلم من اهل دار الاسلام حکما وان کان فی دار الحرب صورة۔ نیز اسیر کفار مفقود ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲۹۶، بحر الرائق ج ۵ ص ۱۶۳، در المختار، رد المحتار ج ۳ ص ۴۵۳ میں ہے والنظم من الهندية هو الذی غاب عن اهله وبلده او اسره العدو ولا یدری احی هو او میت اور بقاء نکاح مفقود، کتب مذہب میں مزبور و مشہور ہے والمرأة کالرجل فی الاحکام، بحر الرائق ج ۱ ص ۳۴ میں ہے من المعلوم ان کل حکم ثبت للرجال ثبت للنساء لانهن شقائق الرجال الا ما نص علیه قال فی المستصفی الاصل فی النساء ان لا یذکرن لان مبنی حالهن علی الستر ولهذا لم یذکرن فی القرآن حتی شکون فنزل الی آخره۔

شیخ الاسلام علی السراجی ص ۱۳، شریفیہ ص ۱۴۲ میں ہے والنظم للسید

الشریف فالاسر کما لا یؤثر فی قطع عصمۃ النکاح لا یؤثر فی المیراث
بلکہ بالصریح الاصرح ثابت کہ ماسورہ پر حق نکاح باقی رہتا ہے، مبسوط ج۱۰ص ۶۱، بحر الرائق ج ۵
ص ۹۹، درالمختار، ردالمحتار ج ۳ ص ۳۴۲، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲۷۰ میں ہے
والنظم من الھندیۃ اذا وجدت الماسورۃ (الی ان قال) فھن
باقیات علی ملکہ ۔شامی میں ہے سواء سبیت الزوجۃ قبل زوجھا
او بعدہ و ما فی فتاویٰ قاری الھدایۃ فمعارض ومدفوع بما فیھا
ایضا۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۲۶۶، مبسوط ج ۱۰ ص ۶۰، ۶۱ میں ہے والنظم من المبسوط
فان کان لھا زوج قبل ان توسر فالنکاح بحالہ لانہ لم تتباین بھما
الدار حکما فانھا مسلمۃ وان کانت ماسورۃ فی دار الحرب فالمسلم
من اھل دار الاسلام حکما وان کان فی دار الحرب صورۃ وتباین الدارین
حقیقۃ لا حکما لا یقطع عصمۃ النکاح۔

بفضلہ تعالیٰ ماہِ نیم ماہ و مہر نیمروز کی طرح واضح ہوا کہ تباین دارین کی وجہ سے زوجین
مسلمین کا نکاح بدستور باقی رہتا ہے تو جب تک سلمیٰ کی موت یا انقضاءِ عدت بعد از طلاق
ثابت نہ ہو جائے تو عمر نکاحِ ہند قطعاً نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ
جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد
وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الاشرفی القادری النعیمی

۲۶ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ

بصیر پور شریف

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ عورت کو طلاق دیکر اس کی بہن سے نکاح کرنا عدت گزرنے سے پہلے جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد اکبر ازنا بینائیں

زوجہ کو طلاق دے کر اس کی عدت پوری کر کے اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر سکتا ہے اور قبل از انقضائے عدت نکاح کرنا ناروا و حرام ہے، شامی ج ۲ ص ۳۹۰، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۲، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے والنظم من الھندیۃ ولا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ سواء کانت العدۃ عن طلاق رجعی و بائن او ثلاث او عن نکاح فاسد او عن شبھۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں دو مسئلہ:۔

۱۔ بھتیجا فوت ہوا تو اس کی بیوی کا نکاح بعد گزرنے عدت کے چچا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

۲۔ زید نے سلمیٰ کو طلاق دی تو کیا سلمیٰ کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے ؟ بینوا ماجورین۔

السائل : غوث محمد از سومیاں ضلع منٹگمری ، یکم شعبان ۱۳۶۱ھ

۱۔ کر سکتا ہے ، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے واحل لکم ما وراء ذلکم ، فتاوے عالمگیری ، شامی وغیرہما میں ہے والنظم من الھندیۃ والثالثۃ (ای من المحرمات بالصھریۃ) حلیلۃ الابن وابن الابن الخ تو بھتیجے کی بیوی لڑکے کی بیوی نہیں کہ حرام ہو جائے ، ہاں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی اور وجہ حرمت ہو تو حرام ہو گی کما لایخفی علیٰ اولی النہی۔

۲۔ کر سکتا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ سلمیٰ مطلقہ کی عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کیا جائے ، شامی ، بحر الرائق ، فتاوے ہندیہ میں ہے والنظم من البحر (قولہ وحرم تزوج اخت معتدتہ) لان اثر النکاح قائم فلو جاز تزوج اختہا لزم الجمع بین الاختین فلا یجوز۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی الغریدفوری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ زید نے اپنی مطلقہ کی عدت میں اس کی بہن کے ساتھ عقد کرلیا ہے، آیا یہ عقد شرعاً صحیح ہے۔ فقط والسلام بینوا توجروا۔

نیازمند: فقیر عبدالعزیز بقلم خود

عقدِ مذکور شرعاً جائز وصحیح نہیں کہ عدت آثارِ نکاح سے ہے تو حکماً جمع بین الاختین میں داخل بلکہ دلالۃ نص و ان تجمعوا بین الاختین سے ثابت وھی تفید القطع۔ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ ج ۳ ص ۱۳۲، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷، فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۶۷، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۲، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۰، خلاصۃ الفتاوےٰ ج ۲ ص ۷، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۲ والنظم منہ ولا تتزوج المرأۃ فی عدۃ اختہا منہ۔ نیز فتح القدیر ومبسوط میں ہے ما اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم علی شیئ

کا جتماعہم علی تحریم نکاح الاخت فی عدۃ الاخت ۔ مبسوط، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ میں ہے والنظم من الاخری فلو جاز نکاح الاخت فی عدۃ الاخت لزم الجمع بین الاختین، فتح القدیر میں ہے ویخص تزوج الاخت فی عدۃ الاخت دلالۃ النص المانع من الجمع بین الاختین الخ

نورِ روزِ روشن کی طرح واضح ومبین ہوا کہ نکاحِ مذکور صحیح نہیں ۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم وفخم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللّٰہ النعیمی غفرلہ

۲۱ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

بخدمت جناب مولانا بالفضل اولانا مولوی نوراللّٰہ صاحب دام برکاتہ

السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ خدمتِ عالیہ میں سوال پیش کرتا ہوں، جواب سے مشرف فرمادیں کہ :

ایک آدمی اپنی بیوی کے بھائی کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، کرسکتا ہے اگر طلاق شرط ہے یعنی طلاق دینے کے بعد کرسکتا ہو تو فورًا طلاق کے بعد کرلے یا عدت گزارے اگر عدت گزارے تو کتنی عدت ہو ؟

العبد : عطا محمد

طلاق سے قبل قطعاً نکاح نہیں کرسکتا اور بعد از طلاق مطلقہ کی عدت پوری کرنی بھی ضروری ہے، عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح نہیں کرسکتا، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۶ اور ہدایہ میں ہے والنظم من الهداية ج ۲ ص ۲۷۶ ولا يجمع بين المرأة وعمتها او خالتها او ابنة اخيها او ابنة اختها الخ نیز ہدایہ ج ۲ ص ۲۷۸ و عالمگیر ج ۲ ص میں ہے والنظم منها لا يجوز ان يتزوج واحدة من ذوات المحارم التي لا يجوز الجمع بين اثنتين منهن۔ اگر عورت کو حمل ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ بچہ جنے اگر ایک تو ایک، اگر زیادہ تو تمام اور اگر حمل نہیں تو عدت جوان عورت کی یعنی جسے حیض آتا ہو تین حیض ہیں، خواہ کتنی ہی مدت میں تمام ہوں، اور اگر چھوٹی ہو یا ایسی بڑھیا جسے حیض نہیں آتا تو تین ماہ عدت ہے قرآنِ کریم کا فرمان ہے واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن۔ والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء۔ واللائی يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر واللائی لم يحضن۔

والله تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۴ ذی الحجۃ المبارکہ ۶۵ھ

الاستفتاء

نعبدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم - السلام علیکم !

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص نے اپنی شادی کی اور اس میں سے ایک لڑکا ہو کر فوت ہو چکا ہے، وہ شخص اولاد کی بدولت پھر شادی کرانیکا خواہشمند ہوا اور پہلی عورت جس کے ساتھ نکاح کیا ہوا دوسری عورت اس کی بھتیجی ہے کیا پھوپھی اور بھتیجی ایک نکاح میں آسکتی ہیں یا نہیں ؟ یہ مسئلہ حدیث با سند کے ساتھ تحریر کر دیویں ۔

درویش محمد شریف
فرید پور سہاگ جاگیر

ایک شخص کے نکاح میں پھوپھی اور بھتیجی جمع نہیں ہو سکتیں، حدیث شریف میں ہے، لایجمع بین المرأۃ وعمتہا رواہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا لہٰذا اس دوسری عورت کے ساتھ نکاح کرنا بالکل حرام ہے، ہاں اگر پہلی بیوی کو طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی گزر جائے یا فوت ہو جائے تو دوسری سے نکاح کر سکتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی

اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ ر جمادی الاولیٰ ۷۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جو کہ اپنے خاوند کے گھر زندہ اور آباد ہے، اس عورت کی بھتیجی اس کی موجودگی میں اس کے خاوند کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ سگی پھوپھی بھتیجی ایک وقت میں ایک ہی خاوند کے نکاح میں آسکتی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: باقر خاں سکنہ کیڑ بانوالی ضلع منٹگمری ۲۴ ر صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

شرعِ مطہر میں اس کی اجازت قطعاً نہیں کہ ایک شخص کے نکاح میں پھوپھی اور بھتیجی جمع ہو سکیں، سگی ہوں یا سوتیلی، نسبی ہوں یا رضاعی، ہرگز ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں، فتاوےٰ عالمگیری ج ۲ ص ۶ میں ہے فلا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتھا نسبا ورضاعا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی

اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ و آلہٖ و اصحابہٖ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

سائلہ نے بیان کیا ایک شخص کے نکاح میں پہلے خالہ تھی بعد ازاں اس نے اس عورت کی بھانجی سے نکاح کر لیا ہے، کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟ وہ خالہ بھانجی کی ماں کی بہن ہے بایں معنی کہ دونوں کا باپ ایک ہے اور مائیں الگ الگ ہیں۔

شرعاً یہ نکاح بالاتفاق حرام اور باطل ہے، مرد پر لازم کہ دوسری بیوی کو کھڑے میں نے چھوڑا اور ایسے ہی دوسری عورت پر لازم ہے اور اگر نہ چھوڑیں تو الگ الگ جبراً کر دیئے جائیں، یہ خالص حرام ہے اور اگر دوسری عورت کے ساتھ جماع کر چکا ہے تو اس کی پہلی عورت بھی اس پر حرام ہو گی، اس وقت تک کہ دوسری عورت کو چھوڑ دے اور پھر اس کی عدت پوری ہو جائے یعنی حمل ہے تو بچہ پیدا ہو جائے ورنہ تین حیض پورے ہو جائیں، بعد ازاں پہلی عورت حلال ہو گی اور دوسری عورت

بھی بعد ازاں کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے فتاوے عالمگیر، شامی، میزان الشریعۃ الکبریٰ وغیرہا میں یہ مسائل ہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی البصیر پوری
یکم رجب المرجب ۰۷ھ

سائل مظہر کہ زید کے نکاح میں ایک عورت تھی بعد ازاں اس عورت کی بھانجی کی نابالغہ لڑکی سے نکاح کر لیا۔ خلوت و دخول نہیں ہوا، کیا یہ نکاح دوسرا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

سائل : محمد علی از واسو سالم کا

یہ نکاح محض ناجائز ہے، زید پر لازم ہے کہ اس دوسری لڑکی کو چھوڑ دے فتاوے خیریہ ج ۱ ص ۲۲ میں ہے سئل عن الجمع بین المرأۃ وبنت

بنت اختہا ھل یجوز ام لا آہ اجاب اما الجواز فلا قائل بہ الا عثمان البتی وداؤد الظاھری ومن لا یعبأ بہ من الخوارج، پھر اور عدت بھی نہیں لعدم صحۃ النکاح والدخول۔

والله تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲/ ربیع الاول شریف ۷۲ھ

الحمدللہ ونحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرعِ متین متعلق اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے اپنی منکوحہ بیوی کو طلاق دے دی اور عدت شرعیہ پوری ہونے سے پہلے اپنی سالی کی لڑکی کے ساتھ نکاح ثانی کرلیا ہے، آیا اس میں اس مرد پر عدت لازم آتی تھی یا نہیں؟ اور سالی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا بھی درست ہے یا کہ نہیں؟ کتاب وسنت کے مطابق مسئلہ کے جواب سے مستفید فرمائیں، جناب کی عین کرم نوازی ہوگی۔ فقط صد آداب۔

فدوی: حکیم عبدالوہاب موضع کنڈور ضلع میرپور ڈاک خانہ آزاد کشمیر

واقعی وہ شخص اپنی مطلقہ بیوی کی عدت کے اندر اس کی بھانجی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا کہ یہ مرد پر لازم ہے مطلقہ کی عدت گزرنے سے پہلے پہلے اس کی کسی محرم کے ساتھ نکاح نہ کرے، قرآنِ کریم میں ہے ان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اور حدیثِ پاک میں بھتیجی اور بھانجی کا بھی یہی حکم بیان فرمایا، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، ترمذی، نسائی کی حدیثِ پاک میں ہے لا تنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا ولا علی ابنۃ اخیھا ولا ابن اختھا اور عدت میں نکاح کرنا حکماً جمع کرنا ہے لہٰذا ناجائز ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے کما لا یجوز ان یتزوج اختھا فی عدتھا فکذا لا یجوز ان یتزوج واحدۃ من ذوات المحارم۔

بہر حال سالی کی لڑکی کے ساتھ اس مرد پر اپنی مطلقہ کی عدت میں نکاح کرنا حرام تھا تو وہ نکاح نہیں ہوا جبکہ وہ سالی اس مطلقہ کی بہن ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ مطلقہ اور وہ لڑکی خالہ اور بھانجی بنے گی اور مرد کے اس انتظارِ عدت کو مجازاً عدت کہا جاتا ہے۔

واللہ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

جناب مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب البصیر پور شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ : اس مسئلہ کا فیصلہ دیویں :-

ایک آدمی موضع لعلو گودڑ کا باشندہ ہے اور شادی شدہ ہے، اس آدمی کی بیوی کی بھانجی بیوہ جس کے خاوند کا انتقال ہوئے کو عرصہ $\frac{1}{2}$ ۱ سال گزر چکا ہے اس بیوی کی بھانجی کے ساتھ وہ آدمی عقد کرنا چاہتا ہے، آیا وہ بیوہ اس آدمی کی بیوی کی بھانجی عقد میں آسکتی ہے یا نہیں؟ بیوی زندہ اس آدمی کے گھر آباد ہے اور وہ بھانجی اس کی بیوی کی اس طرح ہے کہ ایک باپ کی لڑکی وہ ہے جو اس آدمی کی بیوی ہے اور دوسری عورت اس آدمی کی بیوی کی ہمشیرہ ہے، وہ اور باپ کی ہے لیکن ماں ان دونوں ہمشیرہ کی ایک ہے، باپ دو ہیں، وہ لڑکی بیوہ اس دوسرے باپ کی ہمشیرہ سے پیدا شدہ ہے اور اس طرح اس آدمی کی بیوی کی بھانجی ہے وہ بیوہ اس آدمی کے عقد میں آسکتی ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ تحریر فرما دیں۔

محمد عباس حصہ دار لعلو گودڑ

جب تک خالہ اس کے نکاح و عدت میں رہے اس وقت تک بھانجی سے نکاح نہیں کر سکتا، ان دونوں بہنوں کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہیں تب بھی

یہی حکم ہے بلکہ اگر مائیں بھی الگ الگ ہوں اور ان دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ خالہ اور بھانجی ایک شخص کے نکاح میں نہیں آسکتیں فتاوےٰ عالمگیری ج ۲ ص ۶ میں ہے لا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتہا نسبا او رضاعا وخالتہا کذلک۔ و اللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ شوال المکرم ۷۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک عورت ہے اور بعد ازاں اس اپنی بیوی کی خالہ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے حالانکہ وہ خالہ اس عورت کی ماں باپ سے بہن ہے تو کیا اس دوسری عورت خالہ کا نکاح صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: حاجی قاسم علی وحاجی محمد شفیع تارو ملیکا ۵۸/۴/۴

شرعاً ایک شخص کے نکاح میں بھانجی اور خالہ نہیں آسکتیں، خواہ اکٹھا نکاح کرے

یا آگے پیچھے تو پچھلی کا نکاح صحیح نہیں اور اس مرد پر لازم ہے کہ اس عورت کو الگ کر دے اور اگر وہ خود الگ نہ کرے تو حاکم وقت کا فرض ہے کہ الگ کرائے، فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۶ میں ہے فلا یجوز الجمع بین امرأة وعمتها نسبا او رضاعا وخالتها کذلک، نیز اسی میں ہے وان تزوجهما فی عقدتین فنکاح الاخیرة فاسد ویجب علیه ان یفارقها ولو علم القاضی بذلک یفرق بینهما، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یجمع بین المرأة وعمتها ولا بین المرأة وخالتها واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ بارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ / رمضان المبارک ۷۷ھ

باب حرمة نكاح المحصنات

باب حرمۃ نکاح المحصنات

الاستفتاء

مختصر یہ کہ ایک نابالغہ مہاجرہ جس کا کوئی ولی کہیں موجود معلوم نہیں سوائے ماموں زاد کے نواسں ماموں زاد نے لڑکی کا نکاح اپنے کسی رشتہ دار کے ساتھ کر دیا، کچھ مدت کے بعد اس نکاح پر دوسرا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا لڑکی کی نابالغی ہی میں تو وہ ولی اور گواہاں و نکاح خواں دوسرے نکاح کے کس کس تعذیر کے مستحق ہیں؟

مولانا عبد الغنی صاحب از روہیلا تیجے کا

جواب تفصیلی کی فرمائش ہے۔

حسب تصریحات فقہائے کرام ماموں زاد دور کے ذوی الارحام سے ہے

اگر انعدامِ حیات یا فقدانِ اثر بارِ رُکے وقت نابالغہ کا نکاح بلا کمی فاش مہرِ مثل بلحاظ جمیع اقسامِ کفایت ہم کفو سے کر دے تو ہمارے امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک مشہور ترین روایت کی بنا پر نافذ ہو جائے گا خلافاً للائمۃ الثلاثۃ والصاحبین والروایۃ الضعیفۃ عنہ ایضاً مگر لڑکی فسخ کر سکتی ہے بشرط القضاء اور اگر غیر کفو سے یا مہرِ مثل سے کم غبن فاش پر کر دے تو نہیں پس صورتِ مسؤلہ میں اگر نکاحِ اول شرائطِ نفاذ کے ساتھ ہوا ہے تو بوجہ نفاذ دوسرا نکاح لغو و فضول ہوا اور وہ ولی اور گواہاں و نکاح خواں نکاح پر نکاح کرنے سے گنہگار ہوئے اور مستحق تعزیر بھی ولکن لا یفتی بکفر احد منہم ولا بفسخ انکحتہم وان استحلوا لمکان اختلاف الائمۃ العظام والتعزیر اسم للتادیب الغیر المقرر فی الشرع بل مفوض الی رأی الامام بحسب کوائف الاثام من حیث الانزجار، اور اگر نکاح اول بوجہ فقدانِ شرائط کلاً او بعضاً نہیں ہوا تو دوسرا نکاح اگر شرائط موجود تھیں تو ہو گیا بحق الفسخ عند البلوغ ورنہ نہیں ولا اثم علی احد فی الصورتین الا من اقدم رائیا ان النکاح الاول نافذ او ان الثانی ایضا غیر مستجمع الشرائط فانما الاعمال بالنیات فیستوجبون التعزیر اور توبہ تائب کی صورتوں میں لازم ہے اور اگر نکاح ثانی بھی نہیں ہوا تو بالغہ ہونے پر اپنی رضا و رغبت سے خود انتخاب کر کے نکاح کر سکتی ہے اور حیض وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں پورے پندرہ سالہ ہو جانے سے بلوغ ہو جاتا ہے وجمیع الاحکام ماخوذۃ من الھدایۃ والفتح وبدائع الصنائع والکنز والبحر الرائق والدر المختار ورد المحتار وغیرھا من الاسفار۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ

وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ رشیدہ بی بی دختر ولی محمد کی عمر جب چار برس تھی تو والد کا انتقال ہو جاتا ہے بعد ازاں رشیدہ بی بی کے دادے مسمیٰ قائم دین جو دانا اور شریف ہے، نے جب لڑکی مذکورہ کی عمر ساڑھے پانچ سال تھی، ایک نابالغ لڑکے مسمیٰ یاسین ولد سلطان محمد سے نکاح کر دیا پھر ڈیڑھ سال بعد یعنی جب لڑکی مذکورہ کی عمر سات سال کی تھی تو قائم دین نے سلطان محمد سے بوجہ نااتفاقی طلاق حاصل کر لی حالانکہ لڑکا ابھی نابالغ تھا جس کی عمر سات سال کی تھی بعد ازاں رشیدہ بی بی کی والدہ جو اپنا نکاحِ ثانی کر چکی تھی، رشیدہ بی بی کو اس کے دادے سے مجبور کر کے لے گئی اور بلا اجازت و بلا رضا دادے کے مخالفانہ صورت میں اور جگہ نکاح کر دیا حالانکہ لڑکی اس وقت بھی نابالغہ آٹھ سالہ تھی، اس وقت خاوند کے ساتھ رخصتی کر دی، ایک دو دن کے بعد واپس آئی اور اب تک والدہ کے پاس ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ پہلا نکاح دادا کا کیا ہوا حال ہے کہ طلاق دہندہ سات سالہ تھا یا دوسرا ماں کا کیا ہوا؟ بینوا توجروا۔

السائل: قائم دین دادا لڑکی مذکورہ کا از پاکپتن شریف نانگ پال

اگر صورتِ مسؤلہ صحیح اور واقعی ہے تو رشیدہ بی بی کا پہلا نکاح بدستور قائم ہے، لڑکا غیر بالغ طلاق نہیں دے سکتا خصوصاً جبکہ بہت ہی چھوٹا ہو، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۴۸ میں ہے لا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل اور بالفرض اگر طلاق ہو بھی جاتی تب بھی دوسرا نکاح صحیح نہ ہوتا کہ دادا شرعی ولی ہے، اس کے ہوتے ہوئے اس کی رضا کے خلاف ماں کے نکاح کر دینے کا اعتبار نہیں، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۹ میں ہے وعند عدم العصبة کل قریب یرث الخ۔

بہر حال دوسرا نکاح شرعاً نکاح نہیں اور پہلا بدستور قائم ولازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی القادری الحنفی غفرلہ
۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ، ۲۷ر جنوری ۵۴ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین رحم کرے اللہ تعالیٰ ان پر دریں مسئلہ کہ مسمات فاطمہ خواہر دریام زوجہ غلام نبی، غلام اور اس کی زوجہ دونوں سے دریام

نے کہا کہ اپنی نابالغہ بیٹی مسماۃ فیضاں تمہارے نابالغ بیٹے مسمّٰی صادق کو شادی کے لئے دیدی ہے، یہ اقرار وعدہ کا نکاح ہوا، چند ماہ کے بعد زوجہ غلام (فاطمہ) فوت ہوگئی، اس کی فاتحہ خوانی پر تمام برادری اکھٹی ہوئی، ساتویں روز کے ختم پر مولوی سلیمان کو بھی بلایا اور برادری جمع تھی، ختم پڑھنے کے بعد سلیمان جو وریام کا بھائی تھا اس نے غلام سے کہا جو اقرار لڑکی دینے کا تم نے وریام سے کیا ہوا ہے وہ پورا کرنا ہے یا نہیں؟ تب غلام بولا اگر تمہارے دل میں شک ہے تو آج تمام برادری اتفاقاً جمع ہے اور جن کو نکاح کے لئے بلانا تھا وہ مجلس برادری بھی موجود ہے اور مولوی سلیمان بھی موجود ہے اور نابالغ اور نابالغہ کا ایجاب وقبول ہوتا ہے وہ مجھ سے کر لو، پھر تمام مجلس میں غلام نے اقرار کیا کہ میں نے اپنی نابالغہ بیٹی مسماۃ فیضاں وریام کے نابالغ بیٹے مسمّٰی صادق کو دی اور پھر وریام نے کہا کہ میں نے اپنے لڑکے کے لئے قبول کی، تمام مجلس اور ایک شاہ صاحب شریکِ محفل تھے، نے کہا کہ یہ نکاح مکمل ہوگیا، دعائے خیر کی گئی، شرینی تقسیم نہیں ہوئی اور حقِ مہر کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ایک اور گاؤں میں کچھ عرصہ کے بعد غلام نے ایک بیوہ عورت کو شادی کی دعوت دی، عورت نے کہا میں آپ سے شادی کر لوں گی مگر آپ اپنی نابالغہ لڑکی فیضاں کا نکاح میرے نابالغ لڑکے کے ساتھ کر دیں۔ غلام نے اپنی مذکورہ نابالغہ لڑکی کا نکاح عورت کے لڑکے کے ساتھ کر دیا، فریقِ اول کہتا ہے ہمارا نکاح ہے اور فریقِ ثانی کہتا ہے ہمارا نکاح ہے، گواہ ہر دو نکاحوں کے موجود ہیں اور لڑکی اب جوان ہے کیا پہلا نکاح جائز ہے یا دوسرا؟ بینوا توجروا۔

تحریر کنندہ: قمر الدین از ملکہ ہانس خاص

تحصیل پاکپتن شریف ضلع منٹگمری

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو فریقِ اول سچا ہے اور فیضان کا نکاح عاشق سے ہو گیا کہ نکاح ایجاب و قبول کا نام ہے جو صریح طور پر پائے گئے، شیرینی کی تقسیم پر نکاح موقوف نہیں اور نہ ہی حق مہر کا ذکر شرطِ نکاح ہے، قرآنِ کریم میں ہے لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ اس آیت سے صاف صاف ثابت ہو گیا کہ بلا ذکرِ مہر نکاح صحیح و درست ہو جاتا ہے اور فریقِ ثانی کا دعویٰ جھوٹا ہے، نکاح پر نکاح نہیں ہو سکتا، قرآنِ کریم میں ہے و المحصنات من النساء اور جب پہلا نکاح ثابت ہے تو دوسرے نکاح کے گواہ اس کو نقصان نہیں دے سکتے، اگر ان کو پہلے نکاح کا علم نہیں تو ان کو مطلع کر دیا جائے تو خود ہی گواہی سے باز آ جائیں گے اور اگر دیدہ و دانستہ نکاح پہ نکاح کے گواہ بنے ہیں تو وہ بھی غلام کی طرح سخت ظالم و بدکار اور مستحقِ غضبِ جبار و قہار اور حقدار عذابِ نار بنے تو ان کی گواہی کا کیا اعتبار؟ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ رمضان المبارک ۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں زید نے اپنی لڑکی کا بکر کے ساتھ نکاح کردیا، لڑکی چھ ماہ کا عرصہ اپنے خاوند کے پاس مقیم رہی، اس عرصہ میں زید نے ایک دفعہ بھی جماع نہیں کیا اور ایک ہی مکان میں کئی دفعہ اکیلے رہے لیکن جماع وغیرہ کچھ نہیں ہوا، تقریباً چھ ماہ رہے اور نہ ہی کسی قسم کا اظہارِ محبت ہی کیا گیا جس سے اس کی خواہشات کا علم ہو سکے۔ آخر لڑکی یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنے والدین کے پاس آگئی، اب اس لڑکی کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور اس کے حق مہر /۱۰۰۰ مقررہ کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: نعمت علی شاہ ساکن بصیرپور ضلع منٹگمری ۲۴/۹/۵۸

اگر صورتِ سوال صحیح اور درست ہے تو وہ نکاح حسبِ دستورِ سابق قائم ہے جب تک خاوند کے طلاق دینے یا مرنے کے بعد عدت نہ گزار لے کہیں اور نکاح نہیں کر سکتی اور از روئے مذہب حضرتِ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں صورتوں میں عورت پورے حقِ مہر کی مستحق ہے کہ ظاہر سوال یہی ہے کہ خلوتِ صحیحہ ضرور پائی گئی، فتاوے عالمگیری میں ہے و المھر یتاکد باحد معان ثلاثۃ الدخول و الخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین اور خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ

میاں بیوی ایک مکان میں اکٹھے ہوں اور جماع سے کوئی مانع حسّی یا شرعی یا طبعی نہ ہو فتاوےٰ عالمگیریہ میں ہے و الخلوة الصحيحة ان يجتمعا فى مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطئ حسا او شرعا او طبعا كذا فى فتاوىٰ قاضيخان۔ ہاں اگر خاوند یا بیوی میں سے کوئی بیمار ہو یا کوئی اور مانع جماع موجود رہا ہو اور خلوتِ صحیحہ نہ پائی گئی ہو تو پھر یہ حکم نہیں کہ عورت پورے مہر کی مستحق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ ربیع الاول شریف ۸۷ھ بروز جمعۃ المبارکہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی غیر عورت کو بھگا کر لے آئے اور بعد میں اس عورت کی رضامندی کے ساتھ اس سے نکاح کر لے حالانکہ اس عورت کا اپنا پہلا خاوند زندہ ہے۔ وہ اپنی اس عورت کو طلاق دینا نہیں چاہتا بلکہ وہ اسے اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے اور اس پر مقدمہ چلا رکھا ہے۔

۱۔ اب جس امام نے یہ نکاح پڑھایا ہے اس نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۲۔ اور یہ نکاح باقی رہا یا نہیں ؟

۳۔ کیا اس امام کے اپنے نکاح میں بھی اس سے کچھ فرق پڑ گیا یا نہیں ؟

جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں، نوازش ہوگی۔

آپکا خادم : چوہدری مختار احمد ساکن جاگو والا چک نمبر ۴۰

ڈاکخانہ برج مہالم چک ۳۵ براستہ پتوکی تحصیل چونیاں ضلع لاہور

۱۔ اگر واقعی دیدہ و دانستہ سابقہ نکاح کے ہوتے ہوئے، یہ نام نہاد نیا نکاح پڑھایا اور گناہ سمجھ کر پڑھایا تو وہ سخت فاجر و فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے، مکروہ تحریمی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اگر حلال جانتے ہوئے پڑھایا تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اس کے پیچھے نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں اور نہ ہی اس کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے اور نہ ہی اس کا اپنی عورت سے نکاح باقی رہا۔

۲۔ اس عورت کا پہلا نکاح پہلے خاوند سے برقرار اور باقی ہے اور دوسرا نام نہاد نکاح، نکاح نہیں اور دوسرے خاوند سے نزدیکی زنا ہے اور جو اولاد پیدا ہو وہ حرامی ہوگی۔

۳۔ پہلے جواب سے واضح ہوگیا کہ اگر اس نے گناہ اور حرام جان کر ایسا کیا تو اس کا اپنا نکاح باقی ہے اور اگر حلال جان کر کیا تو اس کا اپنا نکاح ٹوٹ گیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد و

آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال بقلم خود
۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۹۱ھ ، ۲۰/۵/۷۱

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ لاعلمی میں نکاح پر نکاح کیا گیا، اب نکاح پڑھانے والوں کے حق میں علمائے کرام کیا فیصلہ فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

مورخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ بروز بدھ وار

اگر واقعی لاعلمی میں یہ غلطی ہوگئی تو وہ معذور ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں جو دیدہ دانستہ نکاح پر نکاح پڑھائے وہ بڑا سخت گنہگار اور سزاوارِ عذابِ نار ہے اور اگر نکاح پر نکاح پڑھانا حلال جانتے ہوئے پڑھایا تو وہ اسلام و ایمان سے خارج ہوگئے، ان پر لازم کہ از سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہوں اور اپنے نکاح نئے

سرے سے پڑھائیں کہ مرتد کا اپنا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع دین کہ اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے ایک امام مسجد کو یہ کہا کہ میرا خاوند دس ماہ سے مر چکا ہے اور میری عدت گزر چکی ہے، اس عورت کے ہمراہ دو آدمی تھے انہوں نے بھی اس عورت کی تصدیق کی، اس بنا پر امام صاحب نے اس کا نکاح اپنے گاؤں میں کسی آدمی سے کر دیا نکاح ہو جانے کے کچھ دن بعد سراغ چلا ہے کہ اس عورت کا پہلا خاوند ابھی زندہ ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس امام مسجد پر شرعاً کوئی تعزیر ہے یا نہیں؟ امام مذکور بہت نیک اور دیانت دار آدمی ہے، اس سے قبل کوئی ایسا معاملہ اس سے وقوع میں نہیں آیا۔ بینوا توجروا۔

سائلین: مسلمانان خونی چک ضلع گجرات ۲۷-۸-۵۴

(بوساطت مولانا ابوالبیان غلام علی صاحب اوکاڑہ)

نکاح خواں تو صرف نکاح خواں ہی ہے، ایسی خبر کی بنا پر خود عورت بھی نکاح

کرسکتی ہے۔ عمر بھر کے لئے دوسرے خاوند کی بیوی بن سکتی ہے اور ایسے ہی مرد خاوند بن سکتا ہے، زندگی بھر زن و شو کے فرائض انجام دے سکتا ہے، پھر یہاں تو تین مخبر ہیں اور شرعاً صرف ایک کی خبر پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے اگرچہ عادل بھی نہ ہو، عقود الدریہ ج ا ص ۵۵ میں ہے وذکر فی العیون اذا اخبرت المرأۃ بموت زوجھا او ردتہ اوبتطلیقہ ایاھا حل لھا التزوج اھ ومثلہ فی جامع الفصولین والبزازیۃ والجوھرۃ والبحر۔ شامی ج ۲ ص ۴۸۷ میں (قولہ علی یدثقۃ) ھذا غیر قید کما فی الولوالجیۃ وفی جامع الفصولین اخبرھا واحد بموت زوجھا او بردتہ اوبتطلیقھا حل لھا التزوج۔ درالمختار میں فرمایا لوقالت امرأۃ لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لاباس ان ینکحھا۔ شامی علیہ الرحمۃ نے اس پر فرمایا فی الخانیۃ قالت ارتد زوجی بعد النکاح وسعہ ان یعتمد علی خبرھا وتزوجھا بلکہ صرف اقدام علی النکاح کو بھی ہمارے مشائخ عظام نے حکماً اقرار قرار دیا ہے۔ شامی ج ۲ ص ۴۸۷، والاقدام علی النکاح اقرار بمضی العدۃ۔ تو ثابت ہوا کہ صرف سائغ نہیں بلکہ اس کا پہلا خاوند خود آجائے اور صدہا گواہوں سے اس کا خاوند ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس امام مسجد پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کہ اس نے تین مجرموں کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے اور ان کے جھوٹ یا جس نے انہیں جھوٹی خبر دی ہے، اس کا بوجھ شرعاً صرف جھوٹوں پر ہی ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے علیھا ما اکتسبت۔ لاتزروا زرۃ

ــــہ کہ ایسی خبر ایک شخص سے سن کر دل مان جائے تو شہادت بھی دے سکتا ہے چہ جائیکہ خبر یا تصدیق خبر، شامی میں عبارت جامع الفصولین مذکورہ کا تتمہ ہے ولوسمع من ھذا الرجل اخرلہ ان یشھد لانہ من باب الدین فیثبت بخبر الواحد ۱۲ منہ غفرلہ

وزر اخریٰ. وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ۔ بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۱۲ میں ہے وحمل امور المسلمین علی الصلاح والسداد واجب ما امکن اور قرآنِ کریم نے تاکیداً فرمایا ان بعض الظن اثم، تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروز کی مانند نمایاں ہوا کہ تعزیر تو بہت بڑی چیز ہے، اس امام مسجد پر تو نری بد گمانی بھی حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ ذی الحجۃ المبارکہ ۷۳ھ

باب نکاح المعتدات والحوامل

باب نکاح المعتدات والحوامل

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ کا خاوند بتاریخ ۸/۵/۴۴ کو فوت ہوا اور بتاریخ ۱۱/۵/۴۶ کو اس کا نکاح کیا گیا، حالانکہ اس نے کوئی بچہ نہیں جنا بلکہ حمل ہی نہیں تھا تو کیا اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل : علاول از جمال کوٹ ٹھکرکا

اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہے اس کا حکم بعداز مجامعت (چنانچہ سائل نے زبانی بیان کیا) یہ ہے کہ مرد یا عورت

صرف زبان سے کہہ دے کہ میں نے چھوڑ دیا اس نکاح کو یا فلاں مرد کو یا عورت کو اور تین حیض اس کے بعد گزر جائیں تو نکاح ہو سکتا ہے علی ما فی الشامی عن البحر حیث قال ج ۲ ص ۲۸۴ اما فی الدیانۃ لو علمت انہا حاضت بعد اخر وطئ ثلاثا حل لہا التزوج بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۶ اور اگر نکاح فاسد میں مرد یا عورت الگ نہ ہوں تو اہل اسلام پر لازم کہ الگ الگ کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۳ ربیع الاول ۶۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا خاوند ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء مطابق ۲۷ ذیقعد ۱۳۶۵ھ کو فوت ہو جاتا ہے۔ ہندہ مذکورہ مؤرخہ ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء مطابق ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ کو (یعنی بحساب قمری ۴ ماہ ۴ دن اور بحساب شمسی ۴ ماہ ۱ دن بعد) نکاح ثانی کر لیتی ہے، آیا یہ نکاح از روئے شرع شریف درست اور جائز ہے؟ قرآن مجید اور معتبر کتب کا حوالہ دیکر فتوے دیا جائے، اگر از روئے شرع شریف نکاح جائز نہیں تو نکاح خواں کے متعلق بھی فیصلہ دیا جائے۔ بینوا توجروا۔

سائل: عاشق محمد برادر ہندہ مذکورہ

سائل مظہر کہ ہندہ کو حمل نہیں تھا تو عدت چار ماہ اور دس دن تھی، حضرتِ رب العالمین قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے و الذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا اور یہی حکم احادیثِ شریفہ اور کتبِ فقہیہ میں واضح طور پر مبین ہے تو یہ نکاح عدت میں ہوا یعنی سائل کے حساب سے چھ دن انصرامِ عدت سے پہلے ہوا اور عند التحقیق ممکن کہ بقیہ ایام بجائے ۶ کے سات یا آٹھ یا نو یا دس ہوں کہ یہ وفات اول ماہ میں نہیں بلکہ اثنا ءِ ماہ میں ہے اور جب اثنا ءِ ماہ میں وفات ہو تو چار ماہ دس دن بحساب ایام معتبر ہوتے ہیں یعنی ایک سو تیس دن تو اگر ماہہائے مذکورہ فی السوال کل یا بعض انتیس دن کے ہوں تو اسی حساب سے بقیہ ایام میں اضافہ ہوگا۔ شامی ج ۲ ص ۸۲۹، فتاوے ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے والنظم من الھندیۃ وفی الوفاۃ یعتبر مائۃ وثلاثون یوما کذا فی المحیط اور جب عدت میں ہوا تو صحیح اور درست نہیں ہو سکتا کہ حضرت رب العالمین نے دورانِ عدت میں نکاح سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ اور درحقیقت عدۃ کا تقاضا یہی ہے، اور کتبِ مذہبِ مہذب میں عدۃ کو محرماتِ نکاح میں شمار فرمایا ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذلک المعتدۃ کذا فی السراج الوھاج اور نکاح خواں نے اگر بقائے عدت کو جانتے ہوئے

نکاح کیا ہے تو اس کے متعلق نئے فیصلے کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن کریم کی صریح خلاف ورزی کرنے والوں میں شمار ہوگا اور ان کے فیصلہ میں شریک ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مہتمم دار العلوم ہذا غفر اللہ من ذنبہ من الجلی والخفی

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ نشاں بی بی دختر امام شاہ بیر کو کارا ساکن بھرت گڑھ کی شادی محمد امیر ولد حیدر شاہ بیر کو کارا ساکن ننہال مہار سے ہوئی تھی، چند سال گزرنے کے بعد محمد امیر مذکور بقضا الٰہی بروز بتاریخ ۲۸ مطابق جنوری ۱۹۵۲ء ۱۲ ر کو فوت ہو گیا ہے اور محمد امیر مذکور کا بڑا بھائی بنام محمد علی نے چیت کی ۲ تاریخ کو بمطابق مارچ ۱۳ / ۱۹۵۲ر کو محمد امیر کی زوجہ بیوہ نشاں بی بی کو حمل نہیں تھا، ان کا رواجی نکاح یعنی چاول پھینک کر کر لیا ہے اور نشاں بی بی نکاح ہذا میں راضی نہیں ہے، کیا یہ شرعاً یہ نکاح صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ جواب آیاتِ قرآنی سے دیں، اجر ملے گا۔

سائل: حقیر بندہ محمد علی امام مسجد بھرت گڑھ

یہ نکاح نکاح نہیں، بالکل لغو اور باطل ہے حسبِ ارشادِ قرآنِ کریم بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے اس مدت میں تو صراحۃً نکاح کا پیغام دینا بھی جائز نہیں یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا ۔ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحٰبہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرح متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت کا نکاح ایک مرد کے ساتھ ہوا اور چھ ماہ تک اس کے پاس بطورِ بیوی بستی رہی پھر ایک شخص اغوا کر کے لے گیا اور نو سال اس کے پاس رہی اور دو تین بچے بھی پیدا ہوئے اور اب اس نکاح والے مرد نے طلاق دی اور بعد از طلاق جلدی ہی آئندہ شب میں نکاح کر لیا ایک پیر صاحب کے کہنے اور زور دینے سے تو کیا یہ نکاح جائز ہو گیا یا نہ، اگر جائز نہیں تو نکاح خواں اور گواہوں کے نکاحوں کا کیا حکم ہے جبکہ وہ بیچارے دھوکا میں آگئے ہیں اور ارادۃً انہوں نے یہ کارِ بد نہیں کیا۔

بینوا توجروا۔

سائل : مولوی ولی محمد صاحب امام مسجد موضع ادھو باڑی
تحصیل دیپالپور ۱۹ رجمادی الاخری ۷۳ھ

نوٹ :۔ عورت مذکورہ بوقت طلاق غیر حاملہ تھی۔

اگر صورت مذکورہ مع نوٹ ٹھیک ہے تو یہ نکاح بالکل نہیں ہوا کہ عورت مدخول بہا پر عدت لازم ہے جو اس صورت میں تین حیض مکمل ہیں، قرآن کریم میں ہے والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء، تو اب تین حیض پورے ہو جانے کے بعد نکاح ہو سکے گا اور اگر تین حیض پورے ہونے سے پہلے حمل ہو جائے تو وضع حمل کے بعد نکاح جائز ہو گا، قرآن کریم میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے سواء کانت حاملا وقت وجوب العدۃ او حبلت بعد الوجوب کذا فی فتاویٰ قاضیخان اور نکاح خوان و گواہان کے نکاح نہیں ٹوٹے کہ وہ بیچارے دھوکے میں آگئے مگر توبہ و استغفار ضرور کریں کہ بے احتیاطی کیوں کی؟ ذرا ٹھہر جاتے اور علمائے کرام اہل السنت والجماعت سے باقاعدہ تسلی کر لیتے، ایسے جاہلوں اور گمراہوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۹ رجمادی الاخری ۷۳ھ بوقت عصر

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بمعاوضہ مال اپنی عورتِ مدخولہ بہا جوان غیر حامل کو طلاق دی، عورت نے صرف ایک ماہ سات دن گزار کر عمرو کے ساتھ نکاح کر لیا، کسی مفتی بننے والے نے لکھ دیا کہ یہ خلع ہے صرف ایک حیض ہی کافی ہے اور حدیثِ ربیع بنت معاذ کا اجمالاً حوالہ دیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

السائل: غلام یٰسین عفی عنہ چک ۲۲۳، ۱۸ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ

نکاحِ مذکور درست نہیں کہ عدت کے اندر واقع ہوا، شرعاً ایسی مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، رہا مولوی مدعی منصب افتاء کا دعویٰ خلع اور اس کے لئے صرف ایک حیض پر اکتفاء تو اولاً یہ صورت خلع کی نہیں کہ اس میں لفظِ خلع شرط ہے کما صرح بہ العلماء الاعلام والائمۃ الکرام بلکہ طلاق بالمال ہے اور ثانیاً اگر بالفرض خلع بن بھی جائے تو وہ بھی طلاق ہی ہے کما صرح بہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسب روایت سید المحدثین البخاری فی صحیحہ اور عدت

طلاق قرآنِ کریم نے بیان فرمادی جو حامل جوان کے حق حیضِ ثلاثہ ہے اور حدیث محولہ بالا خبرِ واحد ہے، قرآنِ کریم کا مقابلہ نہیں کرسکتی بلکہ وہ بھی قرآنِ کریم کے موافق احتمال رکھتی ہے یعنی حیضۃ کی تا، تائے وحدت نہ مانی جائے اور تاءِ جنسیت قرار دی جائے تو موافقِ قرآنِ کریم ہوجائے گی حالانکہ توفیق ضروری ہے، اگر نہ ہوسکے تو معارضہ وغیرہ کی نوبت آتی ہے تو یہ احتمال معین ہوا لہذا اکثر اہلِ علم صحابہ وغیرہم کا یہی مذہب ہے کما صرح بہ الترمذی فی سننہ، فتاویٰ عالمگیری میں ہے وحکمہ وقوع الطلاق البائن۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۸ر شوال المکرم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عمر ۴۵ سال اس کو اس کے خاوند نے طلاق دیدی ہے بعدہٗ اس کے وارثوں سے پوچھا گیا ہے کہ اس کو تین حیض آئے ہیں یا نہیں؟ (اس لئے کہ وہ حاملہ نہیں تھی) انہوں نے کہا تین حیض آگئے ہیں اور وہ عورت بدمعاش ہے اور دو ماہ کے بعد استفسار کے بعد اس کا نکاح پڑھا گیا ہے کہ اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیں، ثواب پائیں۔

السائل: علم الدین ولد حاجی غلام فرید قوم رنگریز منڈی اسٹیشن فساوالا ضلع منٹگمری

ہمارے امامِ عالی مقام امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک دو ماہ اقلِ مدتِ عدت بحیضِ ثلاثہ ہے، درالمختار طبع مع الشامی ج ۲ ص ۷۴۸ میں ہے و اقل مدۃ عدۃ عندہ بحیض شہران، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے لا تصدق فی اقل من ستین یو ما الخ اور جب دو ماہ کے بعد وہ کہتی ہیں کہ تین حیض آ گئے ہیں اور عورت نے نکاح کر لیا ہے تو یہ نکاح بلاشبہ جائز ہے، درالمختار ج ۲ ص ۷۴۷ میں ہے ان اقدامھا علی التزوج دلیل الحل۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ جنت دختر صادق محمد کو مورخہ ۳۱/۸/۵ کو طلاق حاصل ہوئی جس سے مورخہ ۲۹/۱۱/۵۸ کو جان محمد ولد صوبہ امام مسجد پاکپتن نے نکاح کر لیا، مسماۃ جنت کو اس کے حقیقی چچا مولوی اللہ بخش ولد اللہ دین نے نکاح پڑھایا اور جان محمد کو مولوی سید محمد ولد سردار محمد نے نکاح پڑھایا

جان محمد بیان کرتا ہے کہ اس کو آج سے زائد از ایک ماہ قبل معلوم ہوا کہ مسماۃ جنت اس کی منکوحہ بیوی کو حمل ہے مگر مؤرخہ ۸/۳/۵۹ کو اس کا لڑکا بھی پیدا ہو چکا ہے اور مؤرخہ ۲۰/۳/۵۹ سے ایک ماہ تیرہ دن قبل تک یعنی کہ بچہ پیدا ہونے سے ایک ماہ قبل تک وہ مسماۃ جنت سے مباشرت بھی کرتا رہا ہے، اس سے قبل اس کو شبہ پڑتا تھا کہ مسماۃ جنت کا پیٹ کیوں بڑھا ہوا ہے اور مسماۃ جنت سے اس کی وجہ دریافت کی، وہ کہتی تھی کہ اس کو تپ طلا ہے، بچہ پیدا ہونے کی تاریخ سے قبل مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ جنت حاملہ ہے کہ اس کے پیٹ سے بچہ ہلتا جلتا معلوم ہوا، میں نے اس کو کہا کہ یہ تو بچہ ہے، تم مجھے پہلے کیوں جھوٹ بولتی رہی ہو؟ مسماۃ جنت نے جواب دیا کہ پہلے اگر سچ بتا دیتی تو تم مجھ سے نکاح نہ کرتے۔ جب سے مجھے اس حمل کا علم ہوا میں نے مسماۃ جنت سے قطع تعلق ہر قسم کر لیا یعنی کہ اس کے ہاتھ کا روٹی پانی نہیں کھایا پیا مگر مسماۃ جنت رہی میرے گھر میں ہی ہے اور اب تک اسی گھر موجود ہے۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اب مسماۃ جنت کو بطور جائز بیوی رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

مستفتی: جان محمد بقلم خود از پاکپتن شریف ۲۰/۳/۵۹ بروز جمعۃ المبارک

میرے روبرو جان محمد نے تحریر لکھائی ہے۔ سید الطاف حسین شاہ بقلم خود۔

فیض محمد بقلم خود ، عبد المجید بقلم خود

ہم اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ مولوی جان محمد بہت سیدھا سادھا آدمی ہے جو دھوکہ نہیں دے سکتا ہے۔ فیض محمد بقلم خود ، عبد المجید بقلم خود ،

سید الطاف حسین بقلم خود

نیز سائل نے زبانی بیان کیا کہ جب حمل کا علم ہوا تو میں نے عورت کو گھر سے

نکالنا چاہا مگر عورت نے مجھے ڈرایا کہ تمہارے خلاف کچہریوں میں بیان دوں گی کہ اسی کا حمل ہے اور تو ذلیل ہوگا لہذا میں ڈر کے مارے چپ رہا مگر علم کے بعد نزدیکی وغیرہ نہیں کی نیز سائل یہ بھی کہتا ہے کہ بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تم اس عورت کے ساتھ اب جائز نکاح نہیں کر سکتے مگر پہلے گھر سے نکال دو اور عورت اپنے چچا یا بہنوئی کے گھر چلی جائے بعد ازاں تمہیں اور ان کو سزا لگائی جائیگی پھر نکاح کر دیں گے اور صدقِ دل سے سائل و عورت تائب ہو کر نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

العبد سائل : جان محمد بقلم خود

مسماۃ جنت اور ہر اس شخص نے جس کو حمل کا علم تھا اور نکاح میں کوشاں یا گواہ و حاضر ہوا، بڑے سنگین جرموں کا ارتکاب کیا، وہ سب مستوجب غضب جبار و قہار اور مستحق عذابِ نار بنے اور اگر حلال بھی جانا تو اسلام سے خارج ہوئے اور کافر و بے ایمان بن گئے، دونوں صورتوں میں شرعاً مستحق سزا ہیں اور ان پر لازم کہ صدقِ دل سے توبہ کریں اور صدقِ دل سے توبہ ہر گناہ اور کفر و شرک سے شرعاً مقبول ہے قرآنِ کریم میں ہے انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوٓء بجہالۃ الآیۃ اور سزا لگانے سے پہلے بھی مقبول ہے، قرآنِ کریم میں ہے الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم نیز قرآنِ کریم میں ہے فان تابا واصلحا فاعرضوا عنہما ان اللہ کان توابا رحیما اور سائل اور عورت کا تائب ہونا اپنے

فرض کی ادائیگی ہے، ضرور تائب ہوں اور توبہ بھی ظاہر کریں اور بعد از توبہ بلا کسی شک و شبہ نکاح ہو سکتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء، نیز قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم اور یونہی احادیثِ پاک اور مذہبِ مہذبِ حنفیہ سے صراحۃً صاف صاف جواز ثابت ہے بلکہ زانیہ تک کا جوازِ نکاح منصوص ہے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۷ وغیرہا میں ہے وقال ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ یجوزان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا نیز اسی میں ہے اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بہا وظھر بہا حبل فالنکاح جائز عند الکل نیز ج ۲ ص ۸ میں ہے واذا رأی امرأۃ تزنی فتزوجہا حل وطئہا تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروز کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ مسماۃ جنت کا نکاحِ جدید مسمی جان محمد سے صورتِ مذکورہ میں یقیناً ہو سکتا ہے اور بلاشبہ جائز ہے، جو نکاح ناجائز بتائے وہ کوئی آیت یا حدیث یا جزئیہ فقہیہ دکھلائے وانّٰی لہ ذٰلک ہاں گنہگاروں کو حسبِ قواعدِ شریعتِ پاک طاقت کے مطابق سزا دی جائے اور توبہ کرائی جائے مگر یہ نہیں کہ اگر گنہگار خود بخود اپنی رضا و رغبت سے توبہ اور کوئی جائز کام شریعت کی اجازت کے مطابق کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائے اور ناجائز بتایا جائے، ہمیں تو تعاونوا علی البر والتقوٰی کا حکم دیا گیا ہے کہ نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کا تعاون کرو۔ توبہ و نکاح بھی نیکی اور پرہیزگاری کا سبب ہیں اور مستحقِ تعاون ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۴ رمضان المبارک ۸۷ھ / ۲۴ / ۳ / ۵۹

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ ایک عورت جوان بہ خون بہا غیر حامل کو تین طلاقیں دی گئیں، وہ کہتی ہے کہ مجھے ایک حیض آیا اور اس کے بعد غیر مطلق کا حمل ہوا اور وقوع طلاق سے تین ماہ گزرنے پر عدت کا پورا ہونا سمجھ کر غیر مطلق مذکور کے ساتھ نکاح کیا گیا وضع حمل سے پہلے، آیا یہ نکاح درست ہے؟ بینوا اماجورین۔

المستفتی : غلام محمد لصبیر لوپہری عفی عنہ

نکاحِ مذکور غیر صحیح ہے کہ مطلقہ مذکورہ کی عدت اولاً تین حیض تھی کہ قرآن کریم میں فرمانِ عظیم ہے والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء اور تین ماہ گزرنے سے مطلقہ جوان حائضہ کی عدت تین حیضوں کے سوا ہرگز ہرگز پوری نہیں ہو سکتی، یہ جہلائے زمانہ کا محض خیال خام ہے اور تین ماہ میں حیضِ ثلاثہ کا پایا جانا گو ممکن مگر یہ نہیں کہ یقیناً پائے جاتے ہیں کہ اکثر طہر کی مدت غیر معین ہے اور جب ایک حیض کے بعد اسے حمل ہوا تو اس کی عدت وضع حمل ہو گئی۔ شامی ج ۲ ص ۸۳۹، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵ والنظم منها وعدة الحامل ان تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة او حبلت بعد الوجوب كذا في فتاوى قاضيخان۔ بحر الرائق ج ۴

ص ۱۴۲ میں ہے وان حبلت معتدۃ عن ثلاث فعدتہا بالوضع
قرآنِ کریم میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن توجب وضع
حمل سے پہلے نکاح کیا گیا تو یہ نکاح یقیناً عدت میں واقع ہوا اور جو نکاح عدت کے اندر ہو
وہ نکاح صحیح ہر گز نہیں ہو سکتا کہ عدت بھی محرمات سے ہے بلکہ فاسد ہوتا ہے، درالمختار
مطبوع مع الشامی ج ۲ ص ۳۸۰، بحرالرائق ج ۳ ص ۹۲، فتاوےٰ عالمگیری ج ۲ ص ۷
والنظم منہا لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا
المعتدۃ کذا فی السراج الوھاج، قرآنِ کریم میں ہے ولا تعزموا عقدۃ
النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ، شامی ج ۲ ص ۴۸۲، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۶۹
وغیرہ میں ہے والنظم من البحر والمراد بالنکاح الفاسد النکاح
الذی لم تجتمع شرائطہ کتزوج الاختین معا والنکاح بغیر شہود
ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ
فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ اور نکاحِ فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس کا فسخ
نہایت ضروری ہے کہ گناہ سے بچیں، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۶۹، درالمختار شامی ج ۲ ص ۳۸۴.
عالمگیری ج ۲ ص ۳۵ والنظم منہا اذا وقع النکاح فاسدا فرق القاضی
بین الزوج والمرأۃ، شامی میں ہے ای ان لم یتفرقا عورت مرد دونوں
میں سے جو چاہے اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، فتاوےٰ عالمگیری ج ۲ ص ۳۵، فتح القدیر
مصری ج ۳ ص ۲۴۵، درالمختار ردالمحتار ج ۲ ص ۴۸۳، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۷۲ میں ہے
والنظم للزیلعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولکل واحد من الزوجین
فسخ ھذا النکاح، قبل دخول مطلقاً اتفاقاً اختیارِ فسخ ہے اور بعد از دخول بھی
اصح یہ ہے کہ مطلقاً اختیار ہے کہ عورت مرد جو چاہے تنہا یا دوسرے کے رُوبرو
اس نکاحِ فاسد کو فسخ کرے۔

بحرالرائق میں ہے بغیر محضر من صاحبہ عند بعض المشائخ وعند بعضہم ان لم یدخل بہا فکذلک وان دخل بہا فلیس لواحد منہما حق الفسخ الا بمحضر من صاحبہ الخ ھکذا فی الخلاصۃ وھذا یدل ان للمرأۃ فسخہ بمحضر الزوج اتفاقا ولا شک ان الفسخ متارکۃ الا ان یفرق بینہما وھو بعید واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درالمختار میں ہے ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بہا او لا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ، شامی میں ہے وقیل بعد الدخول لیس لاحدھما فسخہ الا بمحضر الآخر کما فی النھر وغیرہ اور ایسے ہی فتح القدیر کے ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے۔ والتعبیر بقیل یقید الضعف کما ھو منصوص فی کتب القوم۔ ہاں جو فسخ کرے دوسرے کو جتوا دے کہ دوسرے کا علم شرطِ صحت ہے۔ عالمگیری ج ۲ ص ۳۵ و بحرالرائق ج ۳ ص ۱۷۲ میں ہے والنظم من البحر واما علم غیر المتارک بالمتارکۃ نقل فی القنیۃ قولین صحیحین الاول انہ شرط لصحۃ المتارکۃ ھو الصحیح حتی لو لم یعلمہا لا تنقضی عدتہا ثانیہما ان علم المرأۃ فی المتارکۃ لیس بشرط فی الاصح کما فی الصحیح الخ ولا فرق بین المتارکۃ والفسخ۔ شامی جلد ثانی ص ۳۸۴ میں ہے فالحق عدم الفرق ولذا جزم بہ المقدسی فی شرح نظم الکنز۔ نیز شامی ج ۲ ص ۴۴۸ میں ہے قال فی البحر ورجحنا فی باب المہر انہا تکون من المرأۃ ایضا ولذا ذکر مسکین من صورھا ان تقول فارقتک اھ ورجحہ باتفاقہم علی ان لکل منہما فسخ

هذا النكاح والفسخ متاركة الخ بعد از فسخ عدت پوری کرکے زوج اول کے سوا جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے یہ جبکہ نکاح مذکور میں دخول ہوا ہو اور اگر نہیں تو عدت بھی نہیں، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۳۵ وغیرہا اسفار فقہ میں ہے فان لم یکن دخل بہا فلا مہر لہا ولا عدۃ وان کان قد دخل بہا فلہا الاقل مما سمی لہا ومن مہر مثلہا ان کان ثمہ مسمی وان لم یکن ثمہ مسمی فلہا مہر المثل بالغا ما بلغ وتجب العدۃ اور زوج اول سے اس لئے نکاح نہیں کرسکتی کہ اس کی مطلقہ مغلظہ ہے جب تک نکاح صحیح سے دخول متحقق نہ ہو اس پر حلال نہیں ہوسکتی کما فی اسفار الفقہ بل القرآن الکریم واحادیث الرؤف الرحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حکم فساد نکاح جب ہے کہ اسے عدم انصرام عدت کا علم نہ ہو اور اگر ہو تو یہ نکاح محض باطل ہے، تفریق وفسخ کے بغیر ہی نکاح کرسکتی ہے بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۴، شامی ج ۲ ص ۴۸۲ میں ہے اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا وفی فتح القدیر ج ۵ ص ۳۰ فی الکافی لحافظ الدین منکوحۃ الغیر ومعتدتہ ومطلقۃ الثلاث بعد التزوج کالمحرم انتہی، وحیرانہ اذا کان عالما بعدم انصرام حیض ثلاث واعتقد ان العدۃ تمت بمضی ثلاثۃ اشہر خصوصا اذا افتاہ بہذا من اعتقدہ عالما من الجہلۃ ہل یعد الناکح عالما بعدم مضی العدۃ باعتبار علمہ بعدم وجود الحیض الثلاث ام غیر عالم لاعتقادہ ان العدۃ ثلاثۃ اشہر وہل یعتبر ہذا الجہل مخالفا للقرآن والاحادیث وجمیع الائمۃ فی

دار الاسلام و لیحرر ایضاان حکم المرأۃ فی ھذا ماذا والظاھر ان لھا حکم الرجل فی الاٰخر و اما العدۃ فحق الرجل فلیحفظ واﷲ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں بعد ازاں عدت گزرنے سے پہلے وہ عورت کسی ناجائز طریقہ سے حاملہ ہوگئی۔ اب اس کا نکاح وضع حمل سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

السائل: محمد سبحان از سوجیکے ضلع منٹگمری

بلا شک وشبہ وریب وضع حمل سے پہلے نکاح کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (ترجمہ) حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ اپنے حملوں کو جن لیں۔ فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۵، فتاوے قاضیخان ج ۲ ص ۲۶۳۔

خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۱۱۸، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۰، درالمختار وشامی ج ۲ ص ۸۳۱، البحرالرائق ج ۴ ص ۱۴۲ میں ہے والنظم من البحر وان حبلت معتدۃ عن ثلاث فعدتہا بالوضع یعنی اگر تین طلاقوں سے معتدہ حاملہ ہوجائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، جو شخص جائز بنائے تو وہ قرآنِ کریم کے خلاف چلنے والا ہے، سن چکے کہ قرآنِ کریم نے صاف فیصلہ کر دیا کہ عدت والیوں کو حمل ہو تو عدت وضع حمل ہے، اب قرآنِ کریم کا حکم کسی کی غلط اٹکلوں سے نہیں بدل سکتا، جاہل لوگ حبلی من زنا کے مسئلہ سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ وہ حکم غیر معتدہ کا ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۲ر شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ پانچ چھ سال اپنے والدین کے گھر جدا از خاوند خود رہی اور اس ہندہ کو ایک شخص اغوا کر کے لے گیا، بعرصہ ایک سال حرام خوری و مقدمہ بازی رہے، سال کے بعد مغویہ مذکورہ کو خاوند طلاق دے اور مغویہ حاملہ بوجہ حرام خوری یا اصلی خاوند کے ہو گیا عدت وضع حمل سے پہلے خاوند ثانی سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں اور اگر کسی نے نکاح کیا تو ناکح اور

نکاح خواں اور گواہوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل : غلام حسین خادم الفقراء چک نمبر ۱۸/۱-آر
تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری
۸ ربیع الثانی ۶۵ھ

بلا شک وشبہ وریب عورت مذکورہ وضع حمل سے پہلے قطعاً یقیناً کسی اور سے نکاح کی مجاز نہیں ہوسکتی کہ حضرتِ رب العالمین کا فرمانِ مبین قرآنِ کریم میں مصرح طور پر موجود ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (ترجمہ) اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ اپنے حمل جنیں۔ مبسوط جلد ثالث ص ۱۵، فتاویٰ سراجیہ ص ۴۷، فتاوےٰ قاضیخان ج ۲ ص ۲۶۳، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۱، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۳۳ میں ہے والنظم من الدر وفی حق الحامل مطلقا ولو امۃ او کتابیۃ او من زنی (الی ان قال) وضع جمیع حملھا ائمہ عظام نے یہاں تک تشریح فرمائی کہ اگر بعد از طلاق بھی حمل ہوجائے یا قبل از نکاح حمل از زنا ہو تب بھی عدت وضع حمل ہی ہوگی بموجب ارشاد قرآنِ کریم، درالمختار شامی ج ۲ ص ۸۳۱، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۰، خلاصۃ الفتاوےٰ ج ۲ ص ۱۱۸، فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۶۳، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۴۲ والنظم من البحر وان حبلت معتدۃ عن ثلاث فعدتها بالوضع۔ بحرالرائق ج ۴ ص ۱۳۵، شامی ج ۲ ص ۸۳۱، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵ والنظم من

الهندية سواء كان الحمل ثابت النسب ام لا ويتصور ذلك فيمن تزوج حاملا بالزنا كذا فى السراج الوهاج ۔ تو روز روشن کی طرح واضح لائح ہوا کہ عورت مذکورہ صورت مسئولہ میں قطعاً نکاح نہیں کرسکتی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ / ربیع الثانی ۶۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں' میری لڑکی مطلقہ حاملہ کا نکاح ثانی وضع حمل سے پہلے دھوکہ فریب سے کر دیا گیا ہے، از روئے شرع شریعت اس کے جواز وعدم جواز کے متعلق روشنی ڈالیں اور ایسے نکاح کرنے والوں اور شریک ہونے والوں کا حکم بھی بیان فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

السائل: حلیم قوم شیخ از کندو وال کلاں تحصیل دیپال پور ضلع منٹگمری

حمل والی مطلقہ کا نکاح وضع حمل سے پہلے نہیں ہوسکتا کہ اس کی عدت ہے ہی

وضع حمل قرآن کریم میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن. فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے عدۃ الحامل ان تضع حملھا لہذا دیدہ دانستہ ایسا نکاح کرنے والے اور شرکاء مجلس سب گنہگار اور بدکار مستحق عذاب نار ہیں، ان پر لازم کہ فوراً توبہ کریں اور اس عورت اور مرد کو علیحدہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک عورت کو یونین کونسل کی وساطت سے طلاقیں دی گئیں، بعدازاں اس کے نکاح کی تجویز ہوئی تو نکاح خواں نے دریافت کیا کہ آیا عدت گزر چکی ہے؟ تو ورثاء نے کہا کہ عدت گزر چکی ہے اور یونین کونسل کا تحریری اجازت نامہ بھی پیش کیا تو نکاح خواں نے نکاح پڑھا دیا مگر دوسرے دن ظاہر ہوا کہ عورت کو طلاق کے بعد صرف دو حیض آئے ہیں، پھر زنا کا حمل ہو گیا تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس نکاح خواں اور گواہاں کا کیا حکم ہے جبکہ وہ محض غلط فہمی بلکہ ورثاء کے غلط بیان سے دھوکہ میں آکر نکاح پڑھایا ہے کہ وہ سب لوگ ایمان اور اسلام سے خارج ہو گئے اور ان کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں یا نہیں؟

السائل: غلام محمد عفی عنہ امام مسجد منڈی ہیرا سنگھ مسجد تھانے والی ضلع منٹگمری ۲۲ ۵/۱۲

اگر بہ صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے کہ غلط فہمی اور دھوکہ سے نکاح خواں اور گواہاں یہ سمجھ گئے کہ عدت پوری ہو چکی ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا یا گواہ بننا موجبِ کفر و ارتداد نہیں اور نہ ہی کسی کا نکاح فاسد کرتا ہے کہ انسان غلطی اور بھول کا مبتلا ہے ہاں اگر دیدہ دانستہ جانتے ہوئے کہ عدت ختم نہیں ہوئی، نکاح کر دیں تو یہ بڑا سنگین جرم ہوگا اور اگر عدت کے اندر نکاح کرنا حلال جانتے ہوئے کر دیں تو پھر ایمان و اسلام سے خارج اور سب کے نکاح فاسد ہو جائیں گے کہ حرام کو حلال جاننا کفر ہے جبکہ حرمت قطعیہ ہو۔ امامِ اہل السنت والجماعت مجدد مأۃِ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الملفوظ کے ج ۱ ص ۲۴ میں ارشادِ پاک ہے "جس نے دانستہ عدت میں نکاح پڑھایا۔ اگر حرام جان کر پڑھایا سخت فاسق اور زنا کا دلال ہوا مگر اس سے اس کا اپنا نکاح نہ گیا اور اگر عدت میں نکاح حلال جانا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔"

بہر حال یہ مسئلہ آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ واضح ہے کہ اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو وہ لوگ حسبِ سابق ایماندار اور مسلمان اور اپنے نکاحوں پر قائم ہیں اور کسی اس قسم کے طعن و تشنیع کے قابل نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ اس قسم کی دھوکہ بازی عام ہو رہی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۲/۵/۶۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا خاوند فوت ہو چکا ہے جس کو چار سال تقریباً ہو چکے ہیں، اب ہندہ مذکورہ زنا میں مبتلا ہو گئی اور زنا سے حمل ہو گیا، ابھی حمل وضع نہیں ہوا تھا کہ ہندہ کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ ہو گیا ہے، چند روز کے بعد وہی زانی اس زانیہ عورت کو لے گیا، اب نکاح جو حمل کے اندر ہو چکا ہے، یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو وہ زانی بغیر طلاق عدت نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل، عبدالواحد بمقام موملاں ۶۲

سائل زبانی مظہر کہ انقضائے عدت وفات کے بعد ہند کا حمل زنا ہوتے ہوئے نکاح ہوا، شریعتِ غرا، کے رو سے ایسے حمل کی صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے گو غیر زانی قربت وضع حمل تک نہیں کر سکتا، جب نکاح صحیح ہو گیا تو منکوحہ کا نکاح ثانی قیام نکاح تک نہیں ہو سکتا۔ بدائع الصنائع، فتاوے عالمگیر، درالمختار شامی وغیرہ اسفار مذہبِ مہذب میں ہے و النظم من الدر وصح نکاح حبلی من زنا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ

و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ رجب المرجب ۶۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک بیوہ جس کی عدت عرصہ سے گذر چکی اور اب اس کو زنا کا حمل ہوگیا ہے تو کیا اس زانی کے ساتھ جس کے زنا سے حمل ہوا ہے، نکاح جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: قطبا ولد احمد الدین قوم شاری سکنہ ہریکے ڈاکخانہ حویلی ضلع منٹگمری

یہ نکاح ہمارے ائمہ کرام کے اتفاق سے شرعاً جائز ہے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۷، فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل، قرآن کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ

وصحبہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶/ صفر المظفر

الاستفتاء

کیا علمائے کرام فرماتے ہیں اس مسئلہ کے متعلق اور کیا فتوے دیتے ہیں، ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور دو سال تک منکوحہ عورت اس کے گھر میں آباد رہی، بعدہ ان کی مخالفت پڑ گئی اور اس شخص نے اپنی عورت کو مؤرخہ ۲۷ ذیقعدہ کو ایک طلاق بائن دے دی، اس عورت کی عدت بھی ختم ہو چکی ہے اور تین حیض بھی آ چکے ہیں، اس کے بعد ایک اور شخص اس مطلقہ عورت سے زنا کاری کرتا رہا، اس عورت کو اب حمل ہو گیا ہے اور جس شخص نے زنا کاری کی ہے وہ اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، کیا اب وہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا کہ نہیں کر سکتا؟ اب اس کا نکاح کرنا جائز ہے یا کہ جائز نہیں؟

جب مطلقہ کی عدت تین حیضوں سے پوری ہونے کے بعد حملِ زنا ہوا تو اس

عورت سے زانی کا نکاح ہمارے ائمہ عظام کے نزدیک بالاتفاق جائز و روا ہے اور بعد از نکاح مجامعت بھی جائز ہے، فتاوے ہندیہ مجیدیہ ج ۲ ص ۷ میں ہے
وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل وتستحق النفقۃ عند الکل کذا فی الذخیرۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲ رجب المرجب ۷۶ ۱۳ھ

قبلہ مولوی نوراللہ صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ ایک عورت طلاق شدہ جس کی عدتِ طلاق پوری ہو چکی ہے اور اب اپنے ایک رشتہ دار کے ساتھ ناجائز تعلق سے حاملہ تقریباً پانچ چھ ماہ کی ہے اور ایک مولوی صاحب نے اسی آدمی کے ساتھ نکاح کر دیا ہے، اس کے متعلق آپ فیصلہ فرما دیں کہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ فیصلہ تحریری بمع فتوے لکھیں، زیادہ آداب۔

خیر اندیش : غلام محمد خاں از نقشہ تحصیل پاکپتن شریف

اگر واقعی عدت پوری ہو چکی ہے اور حمل عدت پوری ہونے کے بعد ہوا تو نکاح جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے و فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل مگر یہ تسلی کرلیں کہ واقعی حمل سے پہلے عدت پوری ہو چکی تھی اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جوان عورت کی عدت یہ ہے کہ اگر بوقتِ طلاق حمل ہو یا طلاق کے بعد تین حیض پورے ہونے سے پہلے حمل ہو جائے تو بچہ پیدا ہونے سے عدت پوری ہوتی ہے اور اگر حمل نہ ہو تو بعد از طلاق تین حیض پورے ہونے سے عدت پوری ہوتی ہے کما فی القرآن الکریم وکتب المذھب المھذب۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ صفر المظفر ۷۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ عورت حاملہ

بالزنا کا نکاح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے علاوہ جو کہتا ہے کہ ایسا نکاح کرنیوالے کا نکاح فاسد ہو جاتا ہے اور گواہوں کا اور جو اس مجلس میں حاضر ہو ان کا نکاح بھی فاسد ہو جاتا ہے، کیا یہ واقع صادق ہے یا لائق سزا؟

نکاح مذکور جائز ہے کہ حمل زنا غیر ثابت النسب ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں اور وہ عورت عموم احل لکم ما وراء ذلکم اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء میں داخل ہے، ہمارے امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہی مذہب ہے، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ ج ۳ ص ۱۴۶، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۹، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۰، فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۷، وغیرہا کتب مذہب مہذب میں ہے و النظم من الدر (و) صح نکاح (حبلیٰ من زنا) البتہ اگر غیر زانی سے نکاح ہوا تو وضع تک جماع نہیں کر سکتا کما فی کتب المذھب اور وہ شخص جو دعوی کرتا ہے کہ ایسا نکاح کرنے والے کا نکاح فاسد ہو جاتا ہے اور گواہوں کا اور حاضرین مجلس کا تو وہ شخص مفتری کذاب سراسر باطل پر ہے اور مستحق سزائے سخت ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے اس سخت ترین افتراء سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ البصیر پوری

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک کنواری عورت کا نکاح کیا گیا، بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو زنا کا حمل ہے تو کیا وہ نکاح درست ہوگیا؟ بعض لوگ جو بے علم ہیں کہتے ہیں کہ وہ نکاح درست نہیں ہوا اور نکاح خواں اور گواہوں کے نکاح بھی ٹوٹ گئے، کیا ان کا قول درست ہے؟

السائل: محمد شریف از جلال کوٹ مورخہ ٢٩ ذلقعدہ ١٧ھ

وہ نکاح حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے مذہب مہذب میں بالکل درست ہے اگرچہ نکاح کے وقت بھی حمل زنا کا علم ہو۔ قرآن کریم کا فرمان ہے واحل لکم ما وراء ذلکم۔ فانکحوا ما طاب لکم۔ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ ج ٣ ص ١٤٥، ١٤٦؛ بدائع صنائع ج ٢ ص ٢٦٩؛ کنز الدقائق، بحر الرائق ج ٣ ص ١٠٦؛ تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ٢ ص ٤١ا۔ فتاوٰے عالمگیر ج ٢ ص ٧ میں ہے والنظم من الھدایۃ فان تزوج حبلی من زنا جاز النکاح۔ البتہ اگر غیر زانی نکاح کرے تو صحبت و لوس و کنار سے بچہ پیدا ہونے تک پرہیز رکھے۔ اور یہیں سے واضح ہوگیا

کہ وہ لوگ جو نکاح کو درست نہیں کہتے غلطی پر ہیں اور نکاح خواں اور گواہان کو تنگ کرنا شرعاً حرام ہے اور اس پر یہ کہنا کہ ان کے نکاح ٹوٹ گئے، بڑا سنگین جرم ہے۔ ایسا کہنے والوں پر توبہ لازم ہے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان والانصاف۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و بزرگان دین اس مسئلہ کے بارہ میں خالد کی ایک عورت سے محبت تھی، محبت کے دوران میں عورت مذکورہ کو خالد کا حمل پڑ گیا، حمل کے وضع ہونے سے قبل عورت کے والدین نے اس کا نکاح خالد سے ہی کر دیا ہے شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل: محمد صدیق بھٹہ از چک ۲۸ تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری ۲۰/۷/۵۲

اگر صورت مذکورہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح صحیح اور درست ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے اذا تزوج امرأة قد زنیٰ ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل۔ واللہ تعالیٰ

اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنواری لڑکی حاملہ ہے اور حمل زنا کا ہے، غیر زانی کے ساتھ نکاح پڑھا گیا ہے۔ اب نکاح خواں پیش امام مسجد ہے لوگ چہ چا کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے اگر چہ منع ہے تو کس صورت سے اس کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے یا یہ کہ نکاح درست ہے اور نکاح خواں کو شریعت کوئی جرمانہ یا کفارہ صادر نہیں ہے۔ جب نکاح پڑھایا گیا ہے تو لڑکی اپنے خاوند کے ساتھ صحبت بھی باقاعدہ کرتی رہی ہے۔ ساتھ سند کے تحریر فرماویں، حاملہ ہونے کی خبر نکاح پڑھنے سے پہلے مشہور تھی، تھانے تک یہ واقعہ گزر چکا تھا، نکاح پڑھنے بعد اس کو منع کیا ہے کہ وطی نہ کرنا۔

السائل: حافظ محمد خلیل مہاجر شاہ پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

صورت مذکورہ میں نکاح جائز ہے، قرآن کریم میں ہے و احل لکم ما وراء

ذلکم حمل زنا کا شرعاً لحاظ نہیں، صحیح حدیث مشہور میں تصریح ہے وللعاھر الحجر
فتاویٰ قاضیخان ج ا ص ۱۶۸، بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۹، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص
درالمختار و شامی ج ۲ ص ۱۴۰ میں ہے والنظم من الدر وصح نکاح حبلی
من زنا اور اسی طرح تمام کتب مذہب مہذب میں مصرح و مشرح ہے البتہ
پیدائش بچہ سے پہلے وطی جائز نہیں، سمجھ والوں کا کام منع کرنا تھا آگے ان کا نہ رکنا
صرف ان کا گناہ ہے، امام مسجد بیچارے پر طعنہ و تشنیع حرام اور سخت حرام ہے
یہ شرع شریف کا قاعدہ کلیہ ہے کہ بلا وجہ شرعی مسلمان کو ذلیل کرنا حرام ہے و
الذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا
فقد احتملوا بھتانا و اثما مبینا اور مروی مشہور ہے کل
المسلم علی المسلم حرام تو امام مسجد کو ذلیل کرنا زیادہ سنگین جرم ہے
جس سے توبہ لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی
اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

بیانِ سائل مظہر کہ ہندہ کا زوج فوت ہوا اور اس وقت اسے حمل نہیں
تھا، تقریباً دو سال بعد وفات سے اس کا نکاح کیا گیا اور نکاح سے پہلے
بھی اس سے حلفیہ بیان لیا گیا اور اس نے یہی حلفاً بیان دیا کہ مجھے حمل نہیں

اور یہ بیان اس لئے لیا گیا ہے کہ اس عورت کا اس مرد کے ساتھ جس کے ساتھ اب نکاح کیا گیا، ناجائز تعلقات کا اشتباہ قوی تھا لہٰذا وہم پڑا تھا شاید اس مرد کا حمل ہو گیا ہو مگر جب اس نے اطمینان دلایا کہ حمل نہیں تو نکاح کیا گیا اب نکاح سے ساتویں ماہ میں بچہ پیدا ہوا تو اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کا حمل تھا، عموماً مدۃ حمل نو ماہ ہے لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح جائز و صحیح ہوا یا غلط اور اس کے پڑھانے والے اور حاضرین مجلس کے نکاح بھی فسخ ہو گئے۔

اگر بیانِ سائل صحیح و واقعی ہے تو نکاحِ مذکور بلاشک و شبہ صحیح و درست ہے، عورت اپنے معاملہ کے بارہ میں امین ہے اور امین کا قول شرعاً معتبر ہے۔ حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے، جب نکاح کے بعد چھ ماہ کو پیدا ہو تو شرعاً وہ بچہ نکاح ہی کا ہو گا۔ یہ وہم کہ عموماً مدتِ حمل نو ماہ ہے محض بے جا اور جہالت اور شرعِ مطہر کے خلاف ہے لہٰذا نکاحِ مذکور بلاشبہ جائز ہے اور جو انکار کرے وہ یا جاہل ہے یا متجاہل۔ فعلیہ البیان بالبرہان۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ محبوبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

قبلہ جناب مولوی صاحب

السلام علیکم : ایک مسئلہ کے متعلق دریافت طلب باتیں ہیں جس کا جواب اب اچھی طرح تحریر فرمادیں :

ایک شخص کا تعلق ایک عورت سے تھا، عورت کو حمل ہوگیا، تقریبًا چار ماہ کے حمل میں اس کا نکاح اسی شخص سے ہوگیا۔

(۱) کیا نکاح جائز ہے یا ناجائز ؟

(۲) کیا پیدا ہونے والی اولاد حرام ہوگی یا حلال ؟

(۳) پیدائش ہونے سے پیشتر نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

(۴) اگر نکاح ناجائز ہے تو نکاح پڑھانے والا یا گواہاں کو کیا سزا کے مستحق ہونگے ؟

(۵) اور نکاح کے وقت جو مرد ماں اس مجلس میں موجود ہوں گے ان کے متعلق لا ہے ؟

اور کتاب یا حدیث کا پتہ تحریر فرمادیں تاکہ کتاب منگوا کر دوسرے اشخاص کو دکھلائی جاسکے لہٰذا امورات کا پتہ تحریر فرمادیں۔ نہایت مہربانی ہوگی۔

جواب کا منتظر : امام مسجد محمد خلیل چک ۱۸۰/۹-ل ڈاک خانہ خاص براستہ ہڑپہ تحصیل وضلع ساہیوال

۱۔ جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذلکم. فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل اور یہیں سے نمبر ۳ کا جواب بھی ظاہر ہو گیا اور نمبر ۴ اور نمبر ۵ ساقط ہو گئے۔

۲۔ اگر نکاح کے چھٹے ماہ یا زیادہ پر پیدا ہو تو حلال اور اگر چھٹے ماہ سے پہلے پیدا ہو تو حرام، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۴۰، فتاوےٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۷۰، شامی ج ۲ ص ۴۰۱ وانتظم من الھندیۃ ولو زنی بامرأۃ فحملت ثم تزوجھا فولدت ان جاءت به لستۃ اشھر فصاعدا ثبت نسبه وان جاءت به لاقل من ستۃ اشھر لم یثبت نسبه الا ان یدعیه ولم یقل انه من الزنا اور حلال ہونے کی صورت میں حلال اس وجہ سے ہے کہ جسے حمل زنا سمجھا گیا تھا، احتمال ہے کہ وہ نفخ بطن ہو اور حمل بعد از نکاح ہوا ہو۔ شامی ج ۲ ص ۴۰۱ میں ہے لاحتمال علوقه بعد العقد وان ما قبل العقد کان انتفاخا لا حملا، اور یہ اگرچہ احتمال ہے مگر شرعاً احتیاطاً حکم اسی پر ہے کہ اثباتِ نسب میں حتی الامکان احتیاط کی جاتی ہے، اسی میں ہے ویحتاط فی اثبات النسب ما امکن، یہ جواب جب ہے کہ تعلق سے مراد ناجائز تعلق یعنی زنا ہو اور مرد زنا کا اقراری ہو کہ حمل زنا ہے اور یہی طرز سوال سے ظاہر ہے لہٰذا اسی پر بنائے جواب ہے اور اگر تعلق سے مراد زنا نہ ہو یا مرد نسب کا دعویٰ کرے اور

زنا کا حمل نہ کہے تو جواب بدل جائے گا، چھ ماہ سے قبل پیدا ہونے کی صورت میں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

جناب محدث صاحب حضرت مولانا مولوی نور اللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم: مزاج شریف! احوال آنکہ:

ایک عورت کنواری کو حمل ہو گیا ہے جو زنا سے ہے اور زانی کا پتہ بھی نہیں اور اس عورت کا زانی کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتے ہیں کیا یہ نکاح حمل کی حالت میں جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فتوے لکھ کر بدست حامل رقعہ ہذا ارسال کریں، عین نوازش ہو گی۔

المستفتی: خادم الفقراء عبدالعزیز امام مسجد ازسکھالا دھو کا ضلع منٹگمری ۱۴ ربیع الاول

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ: مزاج شریف! ہاں جائز ہے، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے یجوزان یتزوج امرأۃ حاملاً من الزنا

البتہ جماع اور بوس وکنار سے وضع حمل تک پرہیز رکھے، اسی میں ہے وکما لا یباح وطئہا لا تباح دواعیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۴ ربیع الاول شریف ۷۸ھ

الاستفتاء

مکرم ومعظم جناب مولانا مولوی صاحب دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ مزاج اقدس: مندرجہ ذیل مسئلہ کو پورے ثبوت سے حل فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

بکر نے ایک کنواری لڑکی سے شادی کی، نکاح کرنے کے تیسرے ماہ بعد اس لڑکی کو لڑکی پیدا ہوئی، یعنی جس وقت نکاح کیا گیا تھا اس وقت وہ لڑکی حاملہ تھی:

سوال نمبر۱: کیا حاملہ عورت کا نکاح جائز ہے؟

سوال نمبر۲: اگر وہ نکاح ناجائز ہے تو کیا مولوی صاحب نکاح خواں یا گواہ جو موجود تھے ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ پورا ثبوت تحریر فرمائیں۔

سوال نمبر۳: اگر لڑکی کو جو پہلے حمل تھا اگر وہ حمل بکر کا ہو جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوا ہے، وہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

سوال نمبر۴: اگر وہ حمل کسی اور مرد کا ہو تو کیا یہ نکاح جائز ہوگا؟ مکمل ثبوت تحریر فرمائیں۔

السائل: چوہدری برکت اللہ خاں ممبر یونین کونسل جسو کے دھون تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

(۱) غیر منکوحہ خواہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ ہو جس کا حمل بلاشبہ زنا سے ہی ہو کہ شرعاً اس حمل والے بچے کا کوئی باپ نہ بن سکے تو ایسی حاملہ کا نکاح ہمارے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بلاشبہ جائز ہے، کسی آیت یا مستند صحیح حدیث میں ایسے نکاح کو حرام نہیں فرمایا گیا بلکہ قرآن کریم میں محرمات کے ذکر کے بعد فرمایا و احل لکم ما وراء ذٰلکم (ترجمہ) اور حلال کی گئی ہیں واسطے تمہارے وہ عورتیں جو محرماتِ مذکورہ کے علاوہ ہیں، حالانکہ حاملۂ زنا کا پہلے ذکر نہیں تو یہ بھی حلال عورتوں میں داخل ہوئی۔ ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ شروحِ ہدایہ طبع مصر ج ۳ ص ۱۴۶ میں بالفاظِ متقاربہ ہے انہا من المحللات بالنص وھو قولہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذٰلکم اور یونہی تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۱۳ وغیرہا میں ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے وقال ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا اور حاملہ مندرجہ بالا کے سوا دوسری کسی حاملہ کا نکاح جائز نہیں بلکہ حرام ہے، فتاویٰ عالمگیر وغیرہا میں ہے وحبلیٰ ثابت النسب لا یجوز نکاحہا یعنی ایسی حاملہ جس کے حمل والے بچے کی نسب ثابت ہو اور شرعاً اس کا باپ معین ہو تو اس کا نکاح جب تک حمل رہے، حرام ہے، یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں، لوگوں کو اس میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لگ جاتی ہیں۔

۲۔ ظاہرِ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ وہ نکاح جائز ہے اور جب جائز ہوا تو نکاح

خواں اور گواہوں کا کیا قصور؟

۳۔ اور سہ کے جواب نمبر۱میں ہی آگئے ہیں، کوئی نئی چیز نہیں کہ نئے جواب ہوں ہاں نکاح جائز ہونے کے بعد اتنا فرق ہے کہ اگر وہ حمل بکر کا ہو تو جس طرح نکاح جائز ہے اسی طرح بکر کے لئے ہم بستری اور بوس وکنار بھی جائز ہے اور اگر وہ حمل بکر کا نہیں تو نکاح جائز ہونے کے باوجود بھی بچہ پیدا ہونے تک بکر کے لئے ہم بستری اور بوس وکنار ناجائز ہے کما فی الفتاوی الھندیۃ وغیرھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶/۱۱/۶۲

بخدمت اقدس حضرت العلام مفتی الاسلام مفتی اعظم پاکستان محدث اعظم دامت برکاتہم العالیہ:

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ: حضور! اکرم فرماتے ہوئے مسئلہ درجِ ذیل پر فتوے مرحمت فرمائیں:۔

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اندریں مسئلہ کہ کنواری حاملہ کے ساتھ حالتِ حمل میں نکاح درست ہے؟

۲۔ جس شخص سے حاملہ ہوئی کیا اس کے ساتھ نکاح صحیح ہوسکتا ہے؟

۳۔ جس سے حاملہ ہوئی اس کے سوا دوسرا شخص نکاح (عقد) کرے تو اس کا نکاح (عقد) درست ہوگا؟

د- اگر کنواری حاملہ کے ساتھ نکاح درست نہ ہو تو نکاح خواں اور گواہوں کے بارے شریعتِ مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے؟ نیز نکاح خواں اور گواہ اس کے حمل سے علم نہیں رکھتے تھے مگر بعد میں پتہ چلا کہ یہ حاملہ تھی تو اس صورت میں ان پر حکمِ شرع کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد منشا تابش قصوری غفرلہٗ خطیب جامع مسجد حنفیہ اتحاد کالونی تاجپورہ روڈ مغل پورہ لاہور

۱- یقیناً درست ہے۔

۲- ہاں ہو سکتا ہے۔

۳- ہاں درست ہو گا مگر وضعِ حمل تک ہم بستری نہیں کر سکتا، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۷، وغیرہ میں ہے اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا و ظھر بھا حمل فالنکاح جائز عند الکل و لہ ان یطأھا عند الکل، نیز اسی میں ہے یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا و لا یطأھا حتی تضع، مگر یہ جواب ایسی کنواری حاملہ کے متعلق ہے جو واقعی کنواری یعنی اس کا نکاح کسی سے نہیں ہوا، یہ اس لئے کہ محاورات میں ایسی لڑکی کو بھی کنواری کہا جاتا ہے جس کا نکاح ہو چکا ہو مگر رخصتی نہ ہوئی ہو، اگر ایسی ہو اور اس کو حمل ہو گیا اور زوج نے طلاق دے دی تو اس کا نکاح اس زوج کے ساتھ تو جائز ہے مگر کسی اور کے ساتھ وضعِ

حمل سے پہلے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اسی میں ہے وحبلی ثابت النسب لایجوز نکاحہا اجماعا، نیز اسی میں ہے ویجوز لصاحب العدۃ ان یتزوجہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومحبوبنا الاعظم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۱ر شوال المکرم ۱۳۸۶ھ ، یکم فروری ۱۹۶۷ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ ناجائز حمل سے حاملہ کنواری عورت کا نکاح بعداز وضع حمل ایامِ نفاس میں روا ہے یا نہیں؟

سائل :- میاں اللہ بخش ساکن چک ۴۳/ P.S
کھرپہ ضلع منٹگمری

ہاں روا ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم

کسی ایک فقہی کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا کہ نفاس میں نکاح جائز نہیں، جو ناجائز بتاتا ہے، غلط بتاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۰/۱۲/۶۰

باب المصاہرۃ

بابُ المُصَاهَرَة

الاستفتاء

سائل مظہر کہ زید نے ہندہ کے ساتھ زنا کیا، زید و ہندہ دونوں اقراری ہیں،
بعدازاں زید نے ہندہ کی لڑکی سے نکاح کیا، آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا
توجروا۔

کتبِ مذہبِ مہذب میں متوناً و شروحاً و فتاویٰ صراحۃً روزِ روشن کی طرح مصرح ہے
کہ زانی پر مزنیہ کی لڑکی ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو نکاح صحیح کیسے ہو سکے لہذا یہ نکاح
واجب الرفع ہے، عورت یا مرد بلا رضا و حضور دوسرے کے ہر ایک فسخ کر سکتا ہے
یعنی یہ کہے کہ میں نے اس نکاح کو اٹھا دیا یا چھوڑ دیا یا اس مرد یا عورت کو چھوڑ دیا

وغیرہ الفاظ باین معنی در المختار میں ہے ویثبت لکل واحد منهما فسخه
ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بها او لا فی
الاصح خروجا عن المعصیة اور اگر وہ نہ کریں تو صاحبِ طاقت پر
لازم کہ تفریق کرادے۔ حدیث شریف میں ہے من رای منکم منکرا
فلیغیرہ بیدہ، الحدیث رواہ مسلم وتجب العدۃ بعد الفسخ
ان کان بعد الدخول وایضا شیئ کالمهر کما صرح بہ فی مظانہ۔
واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و
احکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ
وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک مرد ایک عورت
سے ناجائز تعلقات سے بدکاری کرتا رہا اس امر کے چار گواہ چشم دید ہیں، بعدازاں
اس مرد نے اس عورت کی لڑکی سے جبراً نکاح کرلیا ہے حالانکہ وہ لڑکی بیوہ اولاد
والی ہے اور اس نے ایجاب وقبول بالکل نہیں کیا بلکہ زبردستی اس کا انگوٹھا لگوایا گیا
ہے اور اسی رات موقع پاکر بھاگ کر اپنے میکے چلی گئی تو کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے یا
نہیں؟

سائل: حسن احمد از ملیکے تارڑ، سائل: نذیر محمد از گدائی شاہ $\frac{3}{5}$ ۳۰

نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا، انگوٹھے لگانا ایک رسمی چیز ہے تو جب ایجاب وقبول نہیں ہوا تو نکاح نہیں ہوا اور اس صورت میں تو اگر ایجاب وقبول ہو بھی جاتا، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوتا کہ مزنیہ کی لڑکی زانی پر ہمیشہ ہمیشہ حرام ہو جاتی ہے فتاوےٰ عالمگیریہ ج ۲ ص ۱ میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول نیز ج ۲ ص ۴ میں ہے فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم ومجد وکرم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۳۶۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید ہندہ کو اغواء کرکے بدکاری کرتا رہا مگر حکومت مارشل لاء نے خاوند کو واپس کرادی تو کیا ہندہ کی لڑکی زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حرمت مصاہرت زنا اور شہوت سے بوس وکنار کے ساتھ بھی حاصل ہوجاتی ہے، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۴، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۰، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۴، ۲۰۷ میں ہے والنظم من البدائع وتثبت حرمۃ المصاھرۃ بالزنا والمس الخ تو ہندہ کی لڑکی زید پر حرام ہے فتاوے عالمگیر میں ہے فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت یعنی جو کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو زانی پر اس عورت کی ماں اور لڑکی حرام ہوجاتی ہے؛ نیز اسی میں ہے تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشھوۃ کہ یہ حرمت چھونے اور بوسہ دینے وغیرہ سے جبکہ شہوت سے ہو، ثابت ہوجاتی ہے لہذا زید کے ساتھ اس کا نکاح جائز صحیح نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

بخدمت جناب حضور فیض گنجور جناب حضرت مولانا نور اللہ صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : کے بعد گزارش ہے کہ ہمارے خاندان میں ایک شخص بنام خوشی محمد ہے جس کا واقعہ یوں ہوا کہ ایک عورت میراں بی بی کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات رہے جس سے ایک لڑکی بنام حمیدہ بی بی پیدا ہوئی۔ جب اس لڑکی کی عمر پانچ چھ سال ہوئی تو اس کا نکاح اسی خوشی محمد کے ساتھ کرنے لگے جس سے تمام گاؤں والوں جنکو حالات معلوم تھے انہوں نے شور کرنا شروع کر دیا کہ یہ تو اس کی بیٹی ہے، اس کا نکاح کسی لحاظ سے بھی نہیں ہو سکتا لیکن اس کنبہ والوں نے چوری چھپکے سے نکاح کر دیا، جب لڑکی سمجھدار ہوئی تو ان کے آپس میں اختلافات پیدا ہو گئے جس سے لڑکی اپنے چشم دیدہ واقعہ کا ثبوت دیتی ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے تو میں خود دیکھ رہی ہوں کہ ہماری ماں کے ساتھ ناجائز تعلق ہیں اب میں اپنی ماں کی جگہ پر نہیں رہ سکتی، ایک تو ہمارا باپ، دوسرا ہمارا خاوند، میں ہرگز نہیں رہوں گی، اس وجہ سے شرارت بازی ہے جس کے حالات کے واقف لوگ بدستور گواہی دے سکتے ہیں۔

اب گزارش ہے کہ برائے مہربانی شریعت نبوی کے مطابق فتویٰ تحریر فرمادیں کہ مطابق اسلام محمدی ہونا چاہیئے۔

تابعدار : نواب ولد بجیدہ قوم راجپوت

گواہ شد العبد	العبد گواہ شد
نشان انگوٹھا مند ولد فتح محمد قوم راجپوت	غلام محمد ولد لنگر راجپوت نشان انگوٹھا
العبد گواہ شد	العبد گواہ شد
نشان انگوٹھا شیر محمد راجپوت	نشان انگوٹھا دینا راجپوت
العبد گواہ شد	العبد گواہ شد
نشان انگوٹھا کرم بخش راجپوت	نشان انگوٹھا احمد حسن راجپوت

العبد گواہ شد
فقیر محمد دستخط

(نوٹ) سائل نے زبانی بیان کیا جب حمیدہ بی بی پیدا ہوئی ہے تو اس وقت اس کی ماں کا خاوند نکاح والا موجود تھا۔

شرعاً حمیدہ بی بی کا باپ اس کی ماں کا جائز نکاح والا خاوند ہی ہے اور زانی باپ نہیں، حدیث پاک میں ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر، ہاں اگر یہ صحیح اور واقعی ہے کہ خوشی محمد کے میراں بی بی کے ساتھ ناجائز تعلقات رہے ہیں تو خوشی محمد پر حمیدہ بی بی حرام ہے ان کا نکاح جائز و صحیح نہیں ہو سکتا، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۴ میں ہے و اذا وطئ الرجل امرأة بملك يمين او نكاح او فجور يحرم عليه امها و بنتها تو اگر بعد از نکاح خوشی محمد نے حمیدہ بی بی کے ساتھ ہم بستری کی ہے تو حمیدہ بی بی پر عدت واجب ہے یعنی جس وقت اس نے خوشی محمد کے حق میں رہنے سے انکار کیا ہے، اگر اس وقت حمل تھا تو بچہ پیدا ہو جائے ورنہ اس وقت کے بعد تین حیض پورے ہو جائیں، بعد ازاں حسب دستور شرع جس سے چاہے جائز نکاح کر سکتی ہے اور اگر ہم بستری نہیں ہوئی تو عدت بھی نہیں مگر یہ صحیح ہو کہ خوشی محمد کے میراں بی بی کے ساتھ ناجائز تعلقات رہ چکے ہیں تب یہ جواب ہے ورنہ جواب بدل جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ

و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ جمادی الاولیٰ ۷۹ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب محترم جناب عالم دین صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ واجباً عرض ہے سائل جوانی میں اپنی پھوپھی کی لڑکی سے بوس وکنار یا ہاتھ درازی کر چکا ہے۔ سائل کو یہ لاعلمی تھی کہ ایسی کوتاہی کرنے سے آئندہ شادیوں میں بھی حرج ہوتا ہے، سوائے اس کوتاہی سے صحبت بالکل نہیں کی ہے یعنی دخول وغیرہ نہیں کیا ہے۔ اب یہ مسئلہ درپیش ہے کہ اب سائل کو شادی کی ضرورت ہے، برادری نے کہا ہے پھوپھی کی لڑکی کی لڑکی سے شادی کر لے مگر سائل کو یہ شبہ پڑا ہے کہ یہ شادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ برادری کو ابھی کوئی جواب نہیں دیا، برادری کا معاملہ عجیب ہوتا ہے کہ مسئلہ خلوت صحیحہ جو پوچھا جاتا ہے وہ گھروں میں بے تکلف آنا جانا ہوتا ہے اس لئے یہ واقعہ خلوت والا ہو جاتا ہے۔ سائل یہ شادی کرنا چاہتا ہے، اگر غلطی کی وجہ سے کفارہ وغیرہ یا کوئی اور صورت ہو تو بتائیں جب تک یہ مسئلہ صحیح نہ ہو جائے تب تک سائل برادری کو کوئی جواب نہ دے گا، فقط سلام مسنون۔

المستفتی: محمد بشیر احمد مستری ساکن میانوالی خاص ۲۰ صفر المظفر ۷۸ھ

سائل نے زبانی بتایا کہ وہ لڑکی اس وقت تقریباً چودہ سال کی تھی اور بظاہر سوال تحریری یہ کہ بوسہ منہ پر دیا اور یہ سارے افعال بوس وکنار یا ہاتھ درازی شہوت سے ہی تھے اور خلوت میں تھے تو گو صحبت یعنی دخول بالکل نہیں کیا مگر حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی لہٰذا اس لڑکی کی لڑکی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شادی نہیں کر سکتا حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴ میں ہے وکما تثبت هٰذه الحرمة بالوطی تثبت باللمس والتقبيل والنظر الى الفرج بشهوة كذا فی الذخيرة سواء كان بنكاح او ملك او فجور عندنا كذا فی الملتقط، نیز اسی میں ہے والمباشرة عن شهوة بمنزلة القبلة وكذا المعانقة هٰكذا فی فتاوىٰ قاضيخان وكذا لو عضها بشهوة هٰكذا فی الخلاصة۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۰ میں ہے اذا قبّلها منتشرا فانه لا يصدق فی دعوی عدم الشهوة، نیز اسی میں ہے وفی المباشرة اذا قال بلا شهوة لا يصدق اور جب ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو کفارہ وغیرہ کی کوئی صورت نہیں۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه وآله واصحابه وبارك وسلم۔

حرّرہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۱ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

عہ ومثله فی الخانية ص۱۶۶ ۱۲۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں کہ مسمّٰی زید عاقل و بالغ ہے، اس کا بیان خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ بیان ہے:

ایک عورت جو کہ بالغ ہے اور کنواری ہے، زید مذکور اس عورت مذکورہ کو گلے لگا کر ملتا رہا ہے، منہ چومتا رہا ہے۔ پستان پکڑتا رہا ہے لیکن وطی نہیں کر سکا اب عورت مذکورہ کو زید اپنے پسرِ حقیقی کے لئے لینا چاہتا ہے۔ آیا وہ شرعِ محمدی کے نزدیک اپنے پسر کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں کر سکتا تو کون چیز مانع ہے جب کہ زید نے وطی نہ کی؟ جواب سے از راہِ کرم ہفتہ کے اندر مستفیض فرماویں، خدا آپ کو اجر دے گا۔

المستفتی: خان محمد دوکاندار چک ۴۳/۴-ایل، رحمان آباد ڈاک خانہ خاص براستہ وضلع منٹگمری

مذہب مہذب احناف کی رو سے ایسی عورت کے ساتھ زید کا لڑکا نکاح نہیں کر سکتا کہ جس طرح زنا کے ساتھ یہ حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح منہ چومنے یا شہوت سے ہاتھ لگانے یا ملنے کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتی ہے فتاویٰ عالمگیر ج ۲

ص ۴ میں ہے کما تثبت هٰذه الحرمة بالوطئ تثبت باللمس و التقبيل والنظر الى الفرج بشهوة كذا في الذخيرة نیز اسی میں ہے والمباشرة عن شهوة بمنزلة القبلة وكذا المعانقة هكذا في فتاوىٰ قاضيخان ، نیز ص ۵ میں ہے يفتى بالحرمة فى القبلة فى الفم والخد والرأس وان كان على مقنعة نیز اسی میں ہے ولو اخذ ثديها وقال ما كان عن شهوة لايصدق لان الغالب خلافه۔

والله تعالىٰ اعلم وصلى الله تعالىٰ علىٰ حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حرّره الفقير ابوالخير محمد نور الله النعيمي غفرلهٗ

۱۷ر ماہِ رمضان المبارک ۷۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک بالغہ عورت نے نابالغ لڑکے سے بوس و کنار کیا ، اس چھونے اور دست اندازی سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اب اس لڑکے کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل : مستری عبد المجید، گگو منڈی

سائل نے بعد ازاں لکھا کہ اس عورت نے دس یا نو سالہ لڑکے سے بوس و کنار کیا اور گلے لگایا اور وہ عورت شہوت والی بالغہ تھی۔

عبد الحق بقلم خود ۲۳/۵/۶۸

اگر لڑکا واقعی نو یا دس سالہ تھا اور عام لڑکوں جیسا تھا تو حرمتِ مصاہرت حسبِ تصریحِ مشائخِ کرام ثابت نہیں ہوتی تو اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔

شامی ج ۲ ص ۳۸۷ میں ہے فتحصل من ھٰذا انہ لابد فی کل منھما من سن المراھقۃ واقلہ للانثی تسع وللذکر اثنا عشر لان ذلک اقل مدۃ یمکن فیھا البلوغ کما صرحوا بہ فی باب بلوغ الغلام وھذا یوافق ما مر ان العلۃ ھی الوطئ الذی یکون سببا للولد او المس الذی یکون سببا لھذا الوطئ ولایخفی ان غیر المراھق منھما لایتأتی منہ الولد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
۲۴ محرم الحرام ۸۸ھ ۶۸/۵/۲۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زینب بنت نورانے

اپنی چھ سالہ لڑکی حلیمہ اپنے بھائی احمد الدین حامل رقعہ ہذا کو خدا واسطے بخش دی ۔ جب احمد الدین کے زیر پرورش جوان ہوگئی تو احمد الدین ولد نورا نے بشیر ولد احمد الدین ولد کندا کے ساتھ عقد نکاح کر دیا، اب زینب بنت نورا جو ہمشیرہ احمد الدین ولد نورا ہے، نے شور مچایا کہ بشیر کے ساتھ نکاح ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ والدہ بشیر کے ساتھ میرے والد نورا کے ناجائز تعلق تھے لہذا بشیر میرا بھائی اور میری لڑکی کا ماموں ہے، جب ناجائز تعلق کا شبہ کیا جاتا ہے، اس وقت بشیر کا والد زندہ تھا، اب پرورش کرنے والا احمد الدین ولد نورا کو فکر لاحق ہوا اور اہلِ شرع سے دریافت کرنا شروع کیا، ملاؤں نے فتوے دیا کہ نکاح حرام ہے، اب آپ جناب کی خدمت سگِ در نے روانہ کیا کہ وہاں سے حق ثابت ہوگا۔

عرض ہے کہ قرآن و حدیث اور اقوالِ فقہ سے ثابت کریں کہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

خدا و مصطفیٰ کے واسطے آپ اپنی خاص نظرِ کرم فرماویں، سگِ در غیر حاضری اور عریضہ نہ حاضر کرنے کی وجہ سے سخت پریشان ہے۔

مستفتی: مولانا ابوالوفا محمد اسمٰعیل از محلہ سید علی داخلی کماں اسلام پور ڈاکخانہ کماں اسلام پور ضلع منٹگمری ۲۸ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۸۰ھ

اگر صورتِ سوال صحیح ہے یعنی حلیمہ کے نانے نے بشیر کی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہے تب بھی حلیمہ اور بشیر کا نکاح صحیح ہے، زنا کے ساتھ بھائی اور ماموں نہیں بن سکتا

اور نہ ہی ایسی حرمت ثابت ہوتی ہے، شامی ص ۳۸۴ بحرالرائق سے ہے ویحل
لاصول الزانی وفروعہ اصول المزنی بہا وفروعہا یعنی زانی کے
اصول (باپ، دادا، نانا، ماں، دادی، نانی) اور زانی کے فروع (لڑکا، پوتا، دوہتا
لڑکی، پوتی، دوہتی) زانیہ عورت کے اصول وفروع کے لئے حلال ہے درصورت
سوال میں حلیمہ نورے کی فرع ہے اور بشیر اپنی والدہ کی فرع ہے تو نکاح جائز ہوگا اور
قرآن کریم میں تو صاف فرمایا احل لکم ما وراء ذٰلکم اور حدیث پاک میں ہے
للعاھر الحجر یعنی زانی کے لئے پتھر ہے، اور نسب ثابت نہیں ہوتی تو ماموں
کیسے بنا، بدکاری ثابت ہونے کی صورت میں نکاح جائز ہے اور اگر ثابت ہی
نہیں تو بطریق اولیٰ جائز ہے، تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ان ملاؤں کا
فتوے محض غلط ہے ان پر تو یہ فرض ہے کہ وہ شریعت مطہرہ پر جھوٹ اور افتراء
باندھ کر سخت مجرم وگنہگار، مستوجب عذاب نار بن چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت
منکوحہ کی سگی ماں سے بدفعلی کا مرتکب ہو تو کیا اس لڑکی کا نکاح قائم رہے گا یا فسخ متصور

ہوگا جبکہ لڑکی خود اپنی والدہ کی اس جرم کی عینی شہادت پیش کرے۔

اگر واقعی کوئی ایسا فعلِ بد کرے تو عورت ہمیشہ ہمیشہ اس پر حرام ہوجاتی ہے مبسوطِ سرخسی ج ۴ ص ۲۰۴ میں ہے واذا وطئ الرجل امرأۃ بملک یمین او نکاح او فجور یحرم علیہ امہا وبنتہا مگر یہ چیز ضروری ہے کہ وہ فعلِ بد ثابت ہوجائے، خواہ اقرارِ فاعل سے ہی ثابت ہو۔ یہ فتوے ہے سوالِ مذکور کا فیصلہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷ جمادی الاولیٰ ۶۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی اپنی

ــــہ عینی شہادت سے مراد لڑکی کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے فقط جیسے سائل نے زبانی بیان کیا ۱۲ منہ غفرلہٗ

بیوی کی والدہ کے ساتھ زنا کرتا ہے اور ایک گواہ نہیں بلکہ دس گواہ گواہی زنا کی دیتے ہیں کہ اس نے تین سال تک اپنی بیوی کی طرح بسایا ہے، آیا اس کا نکاح باقی رہا یا کہ فاسد ہوگیا۔ بحوالہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور فقہ شریف کے بمعہ صفحہ نمبر مشکور فرماویں۔ بینوا توجروا، اور عدت زنا کرنے سے شروع ہوتی ہے یا جدائی سے؟

اگر یہ فعلِ شنیع فی الواقع قابلِ اعتبار شہادتوں سے ثابت ہوگیا تو اس کی بیوی ہمیشہ ہمیشہ اس پر حرام ہوگئی اور نکاح فاسد ہوگیا وذا مبین برھن علیہ فی عامۃ اسفار المذھب المھذب مگر متارکہ کے بغیر دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۳۸۹، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۳۰ میں ہے والنظم من الدر وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج باٰخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ اور مدخول بہا کے حق میں متارکت قول سے ہوا کرتا ہے مثلاً کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا، شامی میں ہے ان المتارکۃ لا تتحقق الا بالقول ان کانت مدخولا بھا کترکتک الخ اور حسبِ تحقیقِ صاحبِ تنویرالابصار و درالمختار عورت بھی متارکت کی اہل ہے کہ ج ۲ ص ۴۸۳ درالمختار علی الشامی جلد دوم میں ہے یثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلا ینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما، اور عدت بعد از تفریق یا متارکت شروع ہوتی ہے۔

بحرالرائق ج ۳ ص ۱۷۲، درالمختار شامی ج ۲ ص ۸۴۱ میں ہے والنظم من البحر والصحیح انہ من وقت التفریق الخ شامی ج ۲ ص ۸۳۷ میں ہے ثلاث حیض ان کن من ذوات الحیض والا فالاشہر او وضع الحمل وھذا ان کانت المنکوحۃ نکاحا فاسدا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ البصیرپوری
۱۸ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص شادی شدہ نے اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ زنا کیا چنانچہ اس کی ساس بھی اس بدکاری کا اقرار کرتی ہے اور وہ خود بھی اقراری ہو کر فرار ہو گیا اور ایک معتبر عینی گواہ بھی ہے تو اب اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کی بیوی کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ اس زنا سے پہلے میاں بیوی باہم راضی خوشی میاں بیوی بن کر رہا کرتے تھے اور اسے حمل نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: کریم ولد روشن قوم ماچھی سکنہ چک نور محمد

اگر سوال واقعی درست صحیح ہے تو اس کا نکاح فاسد ہو گیا اور بیوی حرام ہو گئی کما

فی عامۃ المعتبرات اور اس نکاح کا فسخ کرنا ضروری ہے اگر وہ نہیں ملتا یا مانتا نہیں تو بیوی بھی فسخ کر سکتی ہے، تنویر الابصار، در المختار، رد المختار ج ۲ ص ۸۳۴ وغیرہا میں ہے والنظم من الدر و متنہ و یثبت لکل واحد منہما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بہا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ تو بیوی روبرو گواہوں کے اس خاوند کے اس عیب کو بیان کر کے کہہ دے کہ میں نے وہ نکاح فسخ کر دیا اور بعد از اں تین حیض پورے ہو جانے کے بعد جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے؛ انہیں کتابوں میں ہے وتجب العدۃ بعد الوطیٔ لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق شامی میں ہے ومثلہ التفریق وھو فسخھما او فسخ احدھما۔ اور اگر سوال غلط ہو تو پھر یہ فتویٰ نہیں، اچھی طرح غور سے سمجھا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی القادری الحنفی

مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ

بصیر پور ضلع منٹگمری

۲۶ رجب المرجب ۱۳۷۵ھ بروز جمعۃ المبارکہ

حرمة المصاہرة ترفع المناکحة

حرمۃ المصاہرۃ ترفع المناکحۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ زید کی ماں نے اس کی رضیعہ بیوی کو اپنا دودھ پلادیا یا زید نے بیوی کی ماں سے زنا کیا تو کیا اس کا نکاح زائل و باطل مرتفع ومنفسخ ہوگیا یا باقی ہے؟ اگر باقی ہے تو طلاق یا تفریقِ قاضی یا متارکہ کی ضرورت ہے یا کیا کریں؟ اور زوجہ بھی متارکہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ کئی علمائے کرام فرماتے ہیں کہ گو زید کی بیوی زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی مگر جب تک تفریقِ قاضی یا متارکہ وفسخ بالقول نہ ہو نکاح بیشک باقی ہے، قائم ہے، زائل نہیں ہوا، یہ ہرگز نہیں کہ ٹوٹ گیا، فسخ نہیں ہوا عورت نکاح سے نہیں نکلی اور کسی سے نکاح نہیں کرسکتی کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے ذکر فرمایا ان النکاح لایرتفع بحرمۃ المصاھرۃ والرضاع بل یفسد الخ بحرالرائق و درالمختار و ردالمحتار میں عبارتِ مندرجہ بالا کی بنا پر ایسے نکاحوں کو صرف فاسد بتایا کہ بلا تفریق ومتارکہ زائل نہیں ہوتے اور عورت کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی اور بعد از تفریق ومتارکہ عدت بھی پوری کرے۔ فحققوا الحق عند الاحناف بالدلائل والانصاف من خیر اعتساف ماجورین من رب العلمین۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ و اٰلہ واصحابہ اجمعین وسلم فی کل حین۔

الجواب
اللّٰھم اجعل لی التوفیق والصواب

بلاشک وشبہ وریب از روئے مذہب مہذب حنفیہ صورت مذکورہ میں نکاح ٹوٹ گیا، اس کا بطلان آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ عیاں اور اس کے ارتفاع وانفساخ کی تصریحاتِ جلیلہ وجزئیاتِ جلیہ سے اسفارِ معتمدۂ مذہب متوناً وشروحاً وحواشی وفتاوے گونج رہے ہیں حتی کہ یہی بحر ودرمع حواشی شامی بھی ان سے پُر ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ حرمتِ رضاع یا حرمتِ مصاہرت (جن[1] میں عموم وخصوص من وجہ ہے) اگر قبل از نکاح موجود ہو تو مانعِ[2] انعقادِ نکاح صحیح ہے اور اگر صحیح وثابت شدہ پر طاری ہو جائے تو باقی[3] نہیں چھوڑتی؛

---

[1] لتصادقہما فی ام الزوجۃ وابنہا رضاعا وتفارق المصاھرۃ فی امہا وابنتہا نسبا ۱۲

[2] بدائع ج ۲ ص ۲۵۶ میں ہے فان کانت محرمۃ علی التابید لایجوز نکاحہا لان الانکاح احلال واحلال المحرم علی التابید محال والمحرمات علی التابید ثلاثۃ انواع محرمات بالقرابۃ ومحرمات بالمصاھرۃ ومحرمات بالرضاع انتہی ومثلہ بالمعنی فی عامۃ الکتب ۱۲

[3] مبسوط ج ۴ ص ۲۰۸ میں صورتِ مسئلہ کی شق ثانی میں حکم حرمت کی توجیہ میں فرماتے ہیں ان الحرمۃ بسبب المصاھرۃ مثل الحرمۃ بالرضاع والنسب وذلك کما یمنع ابتداء النکاح یمنع بقاء النکاح فکذلك ھذا یمنع بقاء النکاح کما یمنع ابتداءہ۔ نیز اسی کے ج ۵ ص ۴۱ میں ہے ان المحرمیۃ کما تنافی ابتداء النکاح تنافی البقاء بعد ما انعقد صحیحا کما لو اعترضت المحرمیۃ فی نکاح المسلمین برضاع او مصاھرۃ۔ نیز ج ۵ ص ۱۴۱ میں مسئلہ کی پہلی شق کے متعلق ہے لان المحرمیۃ تمنع النکاح بعلۃ المنافاۃ فان بین الحل والحرمۃ فی المحل منافاۃ والمنافی کما یؤثر (الی ان قال) ینافی البقاء اذا طرء علیہ۔ نیز ج ۶ ص ۱۵۶ میں ہے بعد ثبوت حرمۃ المحل اما بالطلقات الثلاث

نکاح کو سرے سے زائل کردیتی ہے بحکم طلاق[للعنة] میں ہے۔ اس سے جو ارتفاع نکاح ہوتا ہے وہ بہ نسبت اس ارتفاع کے جو طلقاتِ ثلاثہ یا خلع ولعان سے ثابت ہو، بہت ہی زیادہ سخت ہوتا ہے کہ یہ حرمتِ مؤبدہ منکوحہ کو محلِ نکاح ہی باقی نہیں رہنے دیتی اور ابتداً و بقاءً نکاح کی مطلقاً منافی ہے اور طلقاتِ ثلاثہ وغیرہا منافی ابتدائے نکاح نہیں ولو بعد تحلیل او تکذیب کہ محلیت باقی رہتی ہے اور یہ تو نہایت ہی پر زور طور پر ثابت کہ رضاع سابق از نکاح وطاری بر نکاح دونوں تحریم میں برابر[۱] ہیں اور قواعدِ مذہبیہ سے

او بالمصاهرة يتعذر ابقاء النكاح حكما، مبسوط ج ۶ ص ۸۸ وكذلك المرأة يجامعها ابو زوجها او ابنه او جامع الزوج امها او ابنتها فقد وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق لان المحرمية بالمصاهرة تنافى النكاح ابتداء وبقاء كالمحرمية بالرضاع والنسب وعليها العدة ان كان قد دخل بها، نیز ج ۹ ص ۸۸ میں ہے اذا حرمت المرأة على زوجها بردتها او مطاوعتها لابنه او جماعه مع امها (الى ان قال) ان ارتفاع النكاح بهذه الاسباب ابلغ منه بالخلع الاترى انها صارت محرمة على التابيد انتهى اقول والتعليل يصير و رتها محرمة التابيد فى المصاهرة وعدمها فى الخلع يجئ فى الرضاع والطلقات الثلاث واللعان وغيرها كما لايخفى۔ بدائع ج ۲ ص ۳۳ میں ہے ومنها راى ما يرفع حكم النكاح) المصاهرة الطارئة بان وطئ ام امرأة او ابنتها والفرقة فرقة بغير طلاق لانها حرمة مؤبدة كحرمة الرضاع والفرق فى هذه الوجوه بائنة، نیز ج ۲ ص ۲۹۵ میں ہے ان الفرقة بغير طلاق تكون فسخا للعقد نیز دمیں ہے ان فسخ العقد رفعه من الاصل وجعله كان لم يكن، اور یہی مضمون آئندہ عبارات کثیرہ سے بھی ثابت ہے ۱۲

[۱] بدائع ج ۴ ص ۱، فتاوٰی امام قاضیخان ص ۱۹۰، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۳۱، ہندیہ عن المحیط ج ۲ ص ۳۴۳، شامی ج ۲ ص ۵۶۴ میں ہے والنظم لملك العلماء يستوى فى تحريم الرضاع الرضاع المقارن بالنكاح والطارئ عليه لان دلائل التحريم لاتوجب الفصل بينهما وبيان هذا الاصل فى مسائل اور اسی جنس کے مسائل کا بیان ہے جو آگے بینونت مغیرہا کے آتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

[۲] قال فى فتح القدير ج ۳ ص ۳۲۴ ان ثبوت الحرمة راى من الرضاع) لايقبل الفصل عن زوال الملك فى باب النكاح لانها مؤبدة بخلاف الحرمة بالحيض ونحوه ۱۲ منہ غفرلہ

[للعنة] كما سيأتى بيانه فى ذكر العدة باذنه تعالى منفصلا ۱۲ منہ غفرلہ

حرمت[1] مصاہرت کا رضاع و زنا و تقبیل وغیرہ سے ثابت ہوجانا بھی نہایت نمایاں طور پر ثابت ہے، تعجب ہے کہ ایسا واضح وظاہر وعیاں امر بعض حضرات اکابر علمائے محققین سے کیسے نہاں رہا حالانکہ اصول ومسائل رضاع کتبِ معتمدۂ فقہیہ کا سرسری مطالعہ بھی اس وقوعِ بینونت[2] کی صدہا صاف تصریحیں ہویدا کر دیتا ہے اور ایسے ہی وقوعِ فرقت[3]

---

[1] کما فی عامۃ المعتبرات ہاں چند کلمے بطورِ تبرک درج ہیں، قاضی خان ص ۱۶۵ تثبت بالعقد الجائز و بالوطئ حلالا کان او عن شبہۃ او زنا، بدائع ج ۲ ص ۲۶۰ میں ہے بالزنا والمس والنظر بدون النکاح والملک وشبہۃ ۱۲ منہ

[2] اکثر بصیغہائے ماضی ثبت اور بعض مضارع ثبت ومصدر بینونت اور اسم مفعول ابانت ہیں، ان تمام عبارات کا احصاء نہایت ہی متعسر، تو صرف چند کتبِ معتمدہ کی رضاع سے متعلق اجمالی اشارے کئے جاتے ہیں کہ باعثِ تنبیہ ہیں۔ مبسوط ج ۵ ص ۱۴۲، ۱۴۳ میں دس مرتبہ اور ج ۳۰ ص ۲۹۸ تا ۳۰۰ گیارہ مرتبہ، فتاوے امام قاضی خان ص ۱۹۰، ۱۹۱ سات مرتبہ، بدائع ج ۴ ص ۱۱ تا ۱۳ دس مرتبہ، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۳۰ تا ۲۳۱ اٹھارہ مرتبہ، عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ نو مرتبہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۳ تین مرتبہ، شامی ایک دفعہ تبرکاً امام سرخسی علیہ الرحمۃ کی ایک عبارت سنئے اذا تزوج صبیتین رضیعتین فارضعتہما امرأۃ معا او احدٰہما بعد الاخریٰ بانتا جمیعا لانہما صارتا اختین حین ارضعت الثانیۃ منہما فتقرر الجمع المنافی ولیست احدٰہما ببطلان نکاحہا باولیٰ من الاخریٰ ۱۲ منہ غفرلہ

[3] مبسوط ج ۵ ص ۱۴۱ تا ۱۴۳ سات مرتبہ اور ج ۳۰ ص ۲۹۷ تا ۳۰۰ سات مرتبہ، فتاوے قاضی خان ص ۱۹۰ میں ایک مرتبہ، بدائع صنائع ج ۴ ص ۱۱، ۱۲ چودہ مرتبہ، ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۳ دو مرتبہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۰، ۳۲۱ چار مرتبہ، در المختار و شامی ج ۲ ص ۵۶۵ ایک ایک مرتبہ ہے، بطورِ تبرک ہدایہ کے ایک جملہ پر اکتفا ہے لان الفرقۃ جاءت من قبلہا ۱۲

منہ غفرلہ

نفی[۱] اور فسخ[۲] ورفع[۳] نکاح یعنی نکاح کا اصل سے اٹھا کر یوں بنادینا کہ گویا تھا ہی نہیں پھر انفسار وانفساخ[۴] وارتفاعِ[۵] نکاح کے جھلکتے جملاتِ تعلیلیہ وتفریعیہ سے شکوک وشبہاتِ طاریہ

---

[۱] اس کی تصریح بھی بکثرت ہے مگر اختصاراً صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے، مبسوط ج ۵ ص ۱۴۲ میں ہے کہ ایک شخص نے تین شیر خوار لڑکیوں سے نکاح کیا اور کسی عورت نے ان تینوں کو یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو پہلی دونوں نکاح سے جدا ہوگئیں اور تیسری بدستور بیوی ہے کیونکہ جب دوسری کو دودھ پلایا تو پہلی اور دوسری کا بہن ہونا ثابت ہوگیا فتقع الفرقة بينه وبينهما ثم ارضعت الثالثة وليس فى نكاحه غيرها فبقى نكاحها، اور ایسے ہی ج ۵ ص ۱۴۱، ۱۴۳ اور ج ۳۰ ص ۲۹۹ میں بھی مقرر ومکرر ہے۔ فتاوٰے قاضی خان ج ۱ ص ۱۹۰ میں ہے لو تزوج رضيعتين فارضعتهما امرأة واحدة معا او واحدة بعد واحدة بطل نكاحهما نیز ایک اور جزئیے میں لکھتے ہیں وبطل نكاحها والصغيرة الثانية امرأته (الى ان قال) وليس فى نكاحه غيرها۔ بدائع صنائع ج ۴ ص ۱۳ ارضعتها (اى الزوجة الكبيرة التى حرمت) وهى اجنبية الخ، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۲ من شرط بطلان النكاح وقد وجد اور ج ۳ ص ۳۲۳ میں ہے بانت الاوليان والثالثة امرأته لانهن حين ارضعتا حرمتا فحين ارتضعت الثالثة لم يكن فى عصمته سواها نیز فرماتے ہیں لم يكن فى نكاحه غيرها، نیز مکرراً فرماتے ہیں لم يكن فى نكاحه غيرها بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۰ میں ہے لم يكن فى نكاحه غيرها ۱۲ منہ۔

[۲و۳] تبينا مما سبق وقدمر من البدائع تنصيصا فتذكر ۱۲ منہ

[۴] يستلزم السابق وصرح به الشامى ج ۲ ص ۵۶۴ وانفسخ النكاح فى الاوليين مكررا، نیز ص ۵۶۵ انفسخ نكاحها ۱۲ منہ

[۵] يستلزمه السابق وقدمر النص من المبسوط اور بدائع ج ۴ ص ۱۱ میں ہے لان اقدامها على الارضاع دلالة الرضا بارتفاع النكاح وسيأتى من البدائع ايضا باذنه تعالىٰ ۱۲ منہ۔

کو کافور بنا دیتا ہے جن سے پوری پوری وضاحت ہوجاتی ہے کہ اس حرمت کے طاری ہوتے ہی نکاح اٹھ گیا[1] اور تفریق[2] ومتارکہ وغیرہ پر انفساخ موقوف نہیں رہا اور عدت[3] دخول یا خلوت کی صورت میں شروع ہوگی ورنہ لازم ہی نہیں اور مبانہ کی بنت[4] واخت سے حسبِ دستور نکاح جائز ہوگیا اور پانچویں سے عقد کرسکتا ہے لبطلان نکاح السابقات او بعضہا و عدم العدۃ فی صورۃ عدم الدخول حقیقۃً و حکمًا

---

[1] لان الاصل ھو الحقیقۃ ولا یصار الی المجاز الا لمانع ولیس ھٰہنا ۱۲ منہ

[2] مبسوط ج ۵ ص ۴۷ میں ہے ان الفرقۃ بالردۃ کانت لفوات صفۃ الحل و ذٰلک مناف للنکاح الا تری ان الفرقۃ لا تتوقف علی قضاء القاضی فانہ ینافی النکاح ابتداءً و بقاءً فیکون نظیر المحرمیۃ و الملک نیز فرماتے ہیں لما لم تتوقف الفرقۃ علی القضاء اشبہ الفرقۃ بسبب المحرمیۃ ، درالمختار مطبوع مع الشامی ج ۲ ص ۴۲۴ ، شرح الحموی للاشباہ والنظائر ص ۲۶۲ تقبیل سبی مع الایلاء یا اصلی اور اسی وقت سے ابتدائے عدت جس کے صریح دلائل بفضلہ وکرمہ تعالیٰ آگے آرہے ہیں وہ اس عدمِ توقف کے دلائل صریح ہیں کہ اگر یہ توقف ہوتا تو عدت تفریق و متارکہ کے بعد شروع ہوتی کما فی الفاسد ۱۲ منہ غفرلہ

[3] صرح بہ فی الرضاع ایضا ولکن یکتفی بما ینقل عن ابواب العدۃ عن قریب باذنہ تعالیٰ لان فیہ غنیۃ عما سواہ ۱۲ منہ غفرلہ

[4] کما فی عامۃ المعتبرات ، ورتبرکاً امام قاضی خان ص ۱۹۰ ولہ ان یتزوج الصغیرۃ بعد ذٰلک لانہا صارت ابنۃ امرأتہ ولم یدخل بہا ، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۴ میں ہے ولہ ان یتزوج واحدۃ منہن ایتہن شاء ۱۲

منہ غفرلہ

اور وہ بھی بغیر[۱] سے نکاح کر سکتی ہے نیز مہر[۲] کا بصورت تسمیہ تفصیل معروف سے لزوم نصف و کل یا سقوط ثابت ہو گیا ورنہ متعہ و مہر المثل کا واجب الادا ہونا نفیاً یا اثباتاً یہ سب وجوہ اسی ارتفاع نکاح کا بیّن ثبوت دے رہے ہیں اور ایسے ہی

---

[۱] فی صورۃ عدم الدخول الحقیقی لانعدام العدۃ وکذا بعد انقضاء العدۃ عند الدخول وذا ظاھر جدا مما مضی ولتسمع عبارۃ المبسوط ج۴ ص۲۹۸ ولہ ان یتزوج الکبیرۃ فی الحال لان الصغیرۃ لیست فی عدتہ والکبیرۃ تعتد منہ وعدتہ لا تمنع نکاحہ وبعد انقضاء عدۃ الکبیرۃ لہ ان یتزوج ایتھما شاء اھ اقول ولا فرق فی التزوج بینہ وبین غیرہ الا فی الکبیرۃ اذا کانت معتدۃ منہ ولفظۃ فی الحال نص علی المطلوب لان اعتداد الکبیرۃ فی الحال ینفی التفریق او المتارکۃ بعد الحرمۃ فاحفظ ۱۲ منہ

[۲] ھذا الازم ما مر وجاء مصرحا فی الجامع الصغیر ص۴۰، مبسوط ج۵ ص۱۴۱ الی ۱۴۳، ج۳۰ ص۲۹۷ الی ۳۰۰، فتاوی قاضیخان ص۱۹۰ الی ۱۹۲، بدائع صنائع ج۴ ص۱۱ الی ۱۲، ھدایہ، فتح القدیر ج۳ ص۲۲۳ الی ۲۲۳، کنز الدقائق، بحر الرائق ج۳ ۲۳۱ الی ۲۳۲، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج۲ ص۵۶۵، ھندیہ ج۲ ص۳۴۳، ۳۴۴ فی اکثرھا مع التفصیل والتعلیل ولکن یکتفی بالکلمات الموجزۃ من الجامع الصغیر لمحرر المذھب علیہ الرحمۃ لامامتہ واصالتھا قال رضی اللہ تعالی عنہ رجل تزوج صغیرۃ وکبیرۃ فارضعت الکبیرۃ الصغیرۃ ولم یدخل بالکبیرۃ وقد علمت الکبیرۃ ان الصغیرۃ امرأتہ فعلیہ للصغیرۃ نصف المھر ولا یرجع بہ علی الکبیرۃ الا ان تکون تعمدت الفساد ولا شیئ للکبیرۃ فی الوجھین اقول لا شک ان ھذہ فی صورۃ التسمیۃ وعند عدم التسمیۃ تکون المتعۃ وھو مھر المثل کالمھر وذا مقرر عندھم وسیأتی التصریح بہ باذنہ تعالی ۱۲ منہ

الوابُ المہر کے قواعد و جزئیات بینونت و فرقت ارتفاعِ مذکور کی روشن ترین نشاندہی

؎ ہندیہ ج ۲ ص ۲۱ میں ہے واذا تأکد المهر لم یسقط وان جاءت الفرقۃ من قبلها بان ارتدت او طاوعت ابن زوجها بعد ما دخل بها او خلا بها وقبل ذٰلک یسقط جمیع المهر لمجیئ الفرقۃ من قبلها کذا فی المحیط۔ نیز مبسوط ج ۶ ص ۶۲، قاضیخان ص ۱۷۵، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۷ میں ہے والنظم من القاضیخان اذا وقعت الفرقۃ بین الزوجین قبل الدخول بها بفعل من قبل المرأۃ کالردۃ وتقبیل ابن الزوج وخیار البلوغ (الیٰ ان قال) یسقط کل المهر ولا یجب شیئ۔ نیز تنویر و در میں ہے ویجب نصفہ بطلاق قبل وطئ او خلوۃ۔ اس پر علامہ شامی نے ج ۲ ص ۵۶۴ میں فرمایا ولو قال بکل فرقۃ من قبلہ لشمل مثل ردتہ وزناہ وتقبیلہ ومعانقتہ لام امرأتہ وبنتها قبل الخلوۃ قہستانی من النظم، نیز قول در و تنویر ویتأکد عند وطئ او خلوۃ کے تحت فرماتے ہیں ج ۲ ص ۵۴۴ افاد ان المهر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطہ بردتها او تقبیلها ابنہ او تنصفہ بطلاقها قبل الدخول، نیز وہیں فرماتے ہیں قال فی البدائع واذا تأکد المهر بما ذکر لا یسقط بعد ذٰلک وان کانت الفرقۃ من قبلها لان البدل بعد تأکدہ لا یحتمل السقوط، نیز سقوط و غرم مہر کے مسائلِ کثیرہ مبسوط ج ۳۰ ص ۳۰۴ سے ۳۰۹ تک بھی ہیں جن پر کتاب کا اختتام ہے، نیز مرد کی طرف سے فرقت قبل از دخول ہو تو وجوبِ متعہ ہوتا ہے۔ عالمگیری ج ۲ ص ۲۰، شامی ج ۲ ص ۶۱۴، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۳ والنظم من الفتح لا تجب المتعۃ الا اذا کانت الفرقۃ من جہتہ کالفرقۃ بالطلاق والایلاء واللعان والجب والعنۃ وردتہ وابائہ وتقبیلہ امها او بنتها بشهوۃ۔ اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو ساقط ہو جاتا ہے، انہیں کتابوں سے ہے والنظم لہ وان جاءت الفرقۃ من جہتها فلا تجب کردتها او ابائها الاسلام وتقبیلها ابنہ بشهوۃ والرضاع الخ وکذا عبارات اخر ترکت اختصاراً لعلمها بمجیئ الفرقۃ فی جمیع الصور مع التفصیل ۱۲ منہ

؎ البتہ محرر مذہب کی ایک عبارت تبرکاً لکھی جاتی ہے امرأۃ قالت ان تزوجت فمهری صدقۃ فتزوجت علی الف او شیئ من الکیل والوزن بغیر عینہ ثم ارتدت ولم یدخل بها او قبلت ابن الزوج بشهوۃ او طلقها الزوج وقد قبضت المهر فردت علی الزوج او ردت نصفہ فی الطلاق تصدقت بمثل جمیع المهر الا فی الطلاق ۱۲ منہ

کر رہے ہیں، پھر الباب ؑ طلاق مریض و وراثت

؎ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر زوج کی مرض الموت میں بوجہ تقبیل المرأۃ ابن زوجہا وغیرہ مورتوں سے ہو تو عورت وارث نہیں ہوتی، بحر الرائق ج ۴ ص ۴۹، فتح القدیر ج ۴ ص ۵، بدائع ج ۳ ص ۲۲۰، ہندیہ ج ۲ ص ۱۰۶، شامی ج ۲ ص ۱۸۷، ہدایہ، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۲، قاضی خان ص ۲۶۷، مبسوط ج ۶ ص ۱۶۴ میں ہے والنظم من البحر ان الفرقۃ لو وقعت بتقبیل ابن زوجہا لا ترث مطاوعۃ او مکرھۃ اور اگر باپ نے لڑکے کو کہا کہ عورت کو مجبور کرکے بدکاری کرے تو اس بدکاری سے عورت کا حق ساقط نہیں ہوتا کہ فرقت زوج کی طرف سے ہے۔ مبسوط و بدائع کے انہیں صفحات میں ہے والنظم من المبسوط فان کان الزوج امر ابنہ بذٰلک کان لہا المیراث لانہ قاصد الی ابطال حقہا الخ بلکہ ہندیہ ج ۲ ص ۱۰۶ میں محیط سے ہے کہ اصل میں محرر مذہب علیہ الرحمۃ کی یہ نص ہے اذا جامعہا ابن المریض مکرھۃ لم ترث قال فی الاصل الا ان یکون الاب امر الابن بذٰلک فینتقل فعل الابن الی الاب فی حق الفرقۃ کانہ باشر بنفسہ فیصیر فارا کذا فی المحیط اور جامع الفصولین ج ۲ ص ۱۷۴ میں بر مز اصل اسی طرح ہے اور شامی نے ج ۲ ص ۱۸۷ پر اسے نقل کرکے فرمایا ومثلہ فی الذخیرۃ معزیا للاصل وکذا فی الولوالجیۃ والھندیۃ اور اگر مطلقۃ الرجعی مطاوعت وتقبیل مذکورہ کرے تو وارث نہیں ہوتی کہ جدائی اسکی طرف سے آئی۔ تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۲۰۷، بحر الرائق ج ۴ ص ۴۹، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۱ میں ہے والنظم من الفتح اذا طاوعتہ بعد الرجعی لا ترث کما لو طاوعتہ حال قیام النکاح اور ایسے ہی اگر عورت اپنے مرض میں ایسے افعال سے جدائی کرے تو مرد وارث ہوتا ہے۔ جامع کبیر ص ۱۰۷، بدائع ج ۳ ص ۲۲۰، فتح القدیر ج ۴ ص ۵، تنویر الابصار، در، شامی ج ۲ ص ۲۰۶، بحر الرائق ج ۴ ص ۴۴ میں ہے والنظم لمحرر المذھب فی باب من الفرقۃ فی المرض وکذٰلک امرأۃ ارتدت فی مرضہا او قبلت ابن زوجہا او دعتہ او أباہ الی جماعہا ففعل۔ اور ایسے ہی اور کئی مسائل وقوع فرقت پر دلالت کرتے ہیں، صرف ایک پر اختصار کیا جاتا ہے ہدایہ میں فرمایا بخلاف ما اذا طاوعت فی حال قیام النکاح لانہا تثبت الفرقۃ فتکون راضیۃ ببطلان السبب، عنایہ شرح الہدایہ اور فتح القدیر ج ۴ ص ۱۲ میں فرمایا وھو النکاح، بدائع ج ۳ ص ۲۲۰ میں ہے وان کانت البینونۃ من قبل المرأۃ کما اذا قبلت ابن زوجہا او اباہ بشہوۃ طائعۃ او مکرھۃ او اختارت نفسہا فی خیار الادراک او العتاق او عدم الکفاءۃ فان کان ذٰلک فی حالۃ الصحۃ فانہما لا یتوارثان بالاجماع کما اذا کانت البینونۃ من قبل الزوج ۱۲ منہ

اور کتبِ[1] حدود سے بھی اس بینونتِ کبریٰ کا پتہ چلتا ہے، پھر ضوابط و فروعِ کثیرہ ابواب عدت نے تو صریح فیصلہ ہی کر دیا کہ یہ فرقت طلاقِ بائن کا حکم رکھتی ہے کہ قبل[2] از دخول و خلوت ہو تو عدت سرے سے ہی نہیں ورنہ لازم اور وقتِ[3] فرقت ہی سے شروع ہو جاتی

---

[1] ایسی فرقت میں حد نہیں لگتی اگرچہ حرام جانتا ہو، مبسوط ج ۹ ص ۸۸، قاضی خان ص ۸۲۰ میں ہے د النظم من قاضیخان وکذا الوازندت وحرمت علیہ او حرمت بجماع امها او ابنتها اومطاوعتها ابن الزوج ثم جامعها وان قال علمت انها علی حرام لاحد علیہ وکذا فی البحر ج ۵ ص ۱۲ والفتح ج ۵ ص ۳۵ والدر وحاشیۃ الشامی ج ۳ ص ۲۰۹ فذکروا مع المردۃ وفی المبسوط فعلی القیاس انہ یلزمہ الحد لان ارتفاع النکاح بهذہ الاسباب ابلغ منہ بالخلع الاتری انها صارت محرمۃ علی التابید ولکنہ استحسن فلم یحد الخ ۱۲

[2] عدۃ الحرۃ للطلاق والفسخ الخ، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۸۲۵، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۸، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۴۴، میں ہے اور ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۳، ہندیہ ج ۲ ص ۴۳۱ میں ہے او وقعت الفرقۃ بغیر طلاق، ہدایہ میں ہے والفرقۃ اذا کانت بغیر طلاق فهی فی معنی الطلاق، در المختار میں ہے ومنہ الفرقۃ بتقبیل ابن الزوج وکررہ الشامی بتقریر حسن ونحوہ فی شرح الوقایۃ بحر الرائق میں ہے لوجوبها اسباب منها الفرقۃ فی النکاح الصحیح سواء کانت بطلاق او بغیر طلاق بعد وطئ او خلوۃ نیز ص ۱۲۹ میں ہے وشمل جمیع اسبابہ من الفسخ (الی ان قال) والفرقۃ بتقبیل ابن الزوج ونحوہ، منحۃ الخالق میں نہر الفائق سے ہے لان الفرقۃ بالتقبیل من الفسخ ۱۲ منہ

[3] ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۵، در، تنویر، شامی ج ۲ ص ۸۳۹، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۵۰، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۷، کنز، بحر ج ۴ ص ۱۴۴ میں بالفاظ متقاربہ ہے ومبدأ العدۃ بعد الطلاق او الموت، بحر الرائق میں ہے من وقتہ وکذا فی الهدایۃ وغیرها، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۵ میں ہے فیکون مبدأ العدۃ من غیر فصل بالضرورۃ اور اسی الطلاق میں یقیناً فرقت بوجہ رضاع ومصاہرتِ طاریہ بھی داخل ہے لما مر قریبا وبعیدا نیز ایسے مسائل میں علماء نے اس شمول کی تصریح بھی فرمائی۔ بحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۰ میں تحت قول الکنز تحد معتدۃ البت ہے اطلقہ فشملت الطلاق واحدۃ او اکثر والفرقۃ کما فی الخانیۃ نیز ص ۱۵۲ تحت قول الکنز ولا تخرج معتدۃ الطلاق من بیتها ہے والمراد معتدۃ الفرقۃ

ہے جس میں بشروطِ[1] معتبرہ عورت پر حداد[2] اور بیتِ[3] فرقت میں رہنا لازم اور مرد پر[4] نان و نفقہ

سواء کانت بطلاق او بغیرہ ولو کانت بمعصیۃ کما فی البدائع نیز شامی ج ۲ ص ۶۱۴ تحت قول المتن طلقت قبل الوطئ ہے والمراد بالطلاق فرقۃ جاءت من قبل الزوج (الی ان قال) وتقبیلہ ابنتہا او امہا بشھوۃ نیز ج ۲ ص ۷۱۰ قال ط والطلاق لیس بقید بل کذالک لو ابانہا بخیار بلوغ او تقبیلہ امہا او بنتہا او ردتہ کما فی البدائع وکانہ کنی بہ عن فرقۃ الخ ۱۲ منہ

[1] من الاسلام والعقل ونحوھا فی الحداد والنفقۃ والسکنی ونحوھما ۱۲ منہ

[2] مبسوط ج ۶ ص ۶۱، قاضی خان ص ۲۶۶، ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۷، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶۰، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۵۲، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۰، بدائع ج ۳ ص ۲۰۹، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۷، تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۸۴۹ میں ہے والنظم من المبسوط والعدۃ بعد الفرقۃ من نکاح صحیح یجب فیہا الحداد وتدخل فیہا المبتوتۃ بطاری الرضاع والمصاھرۃ وذا ظاھر جدا منہ ۱۲ منہ غفرلہ

[3] قاضی خان ص ۲۶۵، مبسوط ج ۶ ص ۳۲، ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۸، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۵۳، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۲، تنویر، در، شامی ص ۸۵۲، ۸۵۳، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۰۵، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۷ میں ہے و النظم من البحر تحت قول الکنز ولا تخرج معتدۃ الطلاق من بیتہا والمراد معتدۃ الفرقۃ سواء کانت بطلاق او بغیرہ ولو کانت بمعصیۃ کتقبیلہا ابن الزوج کما فی البدائع نیز ہندیہ میں ہے لو قبلت المسلمۃ ابن الزوج حتی وقعت الفرقۃ لوجبت العدۃ اذا کان بعد الدخول بل یجب علیہا ۱۲ منہ فلیس لہا ان تخرج من منزلہا کذا فی البدائع، نیز اسی میں ہے علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیہا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت کذا فی الکافی انتہی وکذا فی الھدایۃ

[4] مبسوط ج ۵ ص ۲۰۳، ۲۰۴، بدائع صنائع ج ۴ ص ۱۶، ۱۷ و ج ۳ ص ۲۱۱، فتاوی قاضیخان ج ۴ ص ۲۰۰، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۵، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۷۹، بحر الرائق ج ۴ ص ۲۰۰، تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۹۷۹ تا ۹۲۲ میں بالفاظِ متقاربہ ہے و النظم من الفتح ان الفرقۃ اما من قبلہ او قبلہا ففی الاول لہا النفقۃ مطلقا سواء کانت بغیر معصیۃ مثل الفرقۃ بطلاقہ ولعانہ او جنتہ او جبہ بعد الخلوۃ (الی ان قال) او بمعصیۃ مثل الفرقۃ بتقبیلہ بنت زوجتہ (الی ان قال) واما الثانی فاما بمعصیۃ مثل تمکینہا ابن الزوج

اور سکنی وکسوت کونسی صورتوں میں ضروری اور کہاں ضروری نہیں اور اسی بیان سے لے وندروشن

اوابائہا اذا اسلم ھو وھی وثنیۃ اومجوسیۃ وردتہا فلا تجب لہا نفقۃ لانہا والحالۃ ھذہ حابستۃ نفسہا بغیرحق فکانت کالناشزۃ واما بغیر معصیۃ مثل الفرقۃ بخیار البلوغ والعتق وعدم الکفاءۃ و وطئ ابن الزوج لہا مکرھۃ تجب لانہا حبست نفسہا بحق لہا او بعذرت شرعا فیہ ولہا السکنی فی جمیع الصور لان القرار فی منزل الزوج حق علیہا فلا یسقط بمعصیتہا اما النفقۃ فحق لہا فتجازی بسقوطہ بمعصیتہا۔ محرر مذہب علیہ الرحمۃ کے جامع کلات جامع کبیر ص ۱۹۳ کے یہ ہیں جو بطور تبرک درج ہیں وکل بینونۃ جاءت من قبل الزوج بمعصیۃ اوغیرھا اوجاءت من قبل المرأۃ من غیر معصیۃ فلہا السکنی والنفقۃ فی العدۃ وکل بینونۃ جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ فلا نفقۃ لہا، ہمارس کے تحت فرمایا امرأۃ ارتدت ثم اسلمت اولم تسلم فلا نفقۃ لہا ولہا السکنی وکذلک لو قبلت ابن الزوج۔ ہدایہ ج۲ ص ۴۲۴، عنایہ ج۴ ص ۲۱۵، کنز الدقائق، بحر الرائق ج۴ ص ۲۰۰ نیز ج۴ ص ۱۵۳، در المختار، شامی ج۲ ص ۸۵۶ نیز ج۲ ص ۸۸۹ میں ہے والنظم من الھدایۃ وکل فرقۃ جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ مثل الردۃ وتقبیل ابن الزوج فلا نفقۃ لہا الخ ویفہم من ھذا باعتبار المفہوم کما مر الآن مفصلا۔ بدائع صنائع ج۴ ص ۱۷، بحر الرائق ج۴ ص ۲۰۰، شامی ج۲ ص ۹۲۳، کفایہ، عنایہ، فتح القدیر ج۴ ص ۲۱۶، ہندیہ ج۲ ص ۱۴۸ میں ہے والنظم من البدائع ولو طاوعت ابن زوجہا اواباہ فی العدۃ اولمستہ بشہوۃ فان کانت معتدۃ من طلاق وھو رجعی فلا نفقۃ لہا، ہندیہ کے ماسوا سب نے بالفاظ متقاربہ ایک ہی علت بیان فرمائی والنظم من العنایۃ لان الطلاق الرجعی لا یقع بہ الفرقۃ وکان وقوع الفرقۃ بسبب وجد منہا وھو معصیۃ فیوجب ذلک سقوط النفقۃ، نیز فتاویٰ قاضی خان ص ۱۹۴ میں بلاتعلیل ہے وکذا اذا طاوعت ابن الزوج اوقبلتہ اذا فعلت ذلک فی العدۃ عن طلاق رجعی سقطت النفقۃ، جامع کبیر ص ۱۹۴ میں ہے امرأۃ طلقہا زوجہا ثلاثا او واحدۃ بائنۃ (الیٰ ان قال) ثم قبلت فی العدۃ ابن الزوج اولمستہ لم تبطل نفقتہا، اور اس کی مثل اور بہت سی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی اپنے مفہوم مخالف سے مسئلۂ سابقہ پر بھی دال ہے ومفہوم الکتب معتبر، کنز، بحر الرائق ج۴ ص ۱۹۸، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج۲ ص ۹۲۱ میں ہے والنظم من البحر والمنقول فی الذخیرۃ والخانیۃ والعنایۃ والمجتبی ان المعتدۃ تستحق الکسوۃ ۱۲

کی طرح روشن ہوا کہ ایسی صورت میں نکاح صحیح فاسد بن کر بھی باقی نہیں رہ سکتا کہ فاسد میں فرقت پائی نہیں جاتی بلکہ تفریق[1] قاضی یا متارکہ دمنع سے لائی جاتی ہے پھر اس میں عدت[2] کا ابتداء بھی تفریق وغیرہ کے قبل نہیں ہو سکتا اور وہ بھی صرف خلوت[3] سے نہیں بلکہ بشرطِ دخول ہے اور صورت پرصداد[4]

---

[1] کما فی عامۃ المعتبرات صرف فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵ کی عبارت پر اکتفاء کیا جاتا ہے ورفع ھذہ الشبہۃ بالتفریق او بالافتراق اذ لا یتحقق الطلاق فی النکاح الفاسد فلا یرتفع الابما قلنا الخ ۱۲ منہ عفرلہ

[2] ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۵، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۵۰، ہندیہ ج ۲ ص ۷۳۱، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵ و ج ۴ ص ۱۵۵، عنایہ ج ۳ ص ۲۴۵، و ج ۴ ص ۱۵۵، کنز الدقائق، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۴۶ میں ہے و العدۃ فی النکاح الفاسد عقیب التفریق نیز فتاوے قاضی خان ص ۲۶۳، خلاصۃ الفتاوے ج ۲ ص ۱۱۸، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے و النظم من الھندیۃ کان علیھا الاعتداد من وقت التفریق وکذا لو کانت الفرقۃ بغیر قضاء کذا فی الظھیریۃ، تنویر الابصار، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۸۴۱، ۸۴۲، فتح القدیر ص ۱۵۵ وعنایہ ج ۴ ص ۱۵۵ میں ہے و النظم من الدر و متنہ وسبدأھا فی النکاح الفاسد بعد التفریق (الی ان قال) او المتارکۃ ای اظہار العزم من الزوج علی ترک وطئھا بان یقول بلسانہ ترکتک الخ ۱۲

[3] فتاوے قاضی خان ص ۲۶۳، فتح القدیر، عنایہ ج ۳ ص ۲۴۵، شامی ج ۲ ص ۸۳۵ نیز تنویر الابصار درالمختار، شامی ج ۲ ص ۸۴۳، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے و النظم من التنویر مع الدر وتجب العدۃ بعد الوطئ لا الخلوۃ الخ ۱۲

[4] مبسوط ج ۶ ص ۵۸، ۵۹، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۷، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ ج ۴ ص ۱۶۴، قاضی خان ص ۲۶۶، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۷۲، کنز الدقائق، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۵۱، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۰۹، تنویر الابصار، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۸۵۰ میں ہے و النظم لقاضیخان و المعتدۃ عن النکاح الفاسد تخرج ولا حداد علیھا ۱۲

عـہ الفرقۃ زوال النکاح او شبہتہ، شامی ج ۲ ص ۸۲۵ ۱۲

اور بیتِ فرقت[1] میں رہنا لازم نہیں اور نہ ہی مرد پر نان[2] و نفقہ و سکنٰی و کسوت رہا عبارت مذکورہ فی الاستفتاء سے استدلال تو وہ بھی خالی از اختلال نہیں کہ اس کا تعلق درء الحد کے ساتھ ہے جس کے لئے نکاح کا وجود کیا شبہ بھی ضروری نہیں جیسے استئجار علی الزنا وغیرہ بکثرت ایسی صورتیں ہیں کہ جن میں نکاح یا شبہ نکاح کا قطعاً نام و نشان تک نہیں اور حد بھی لازم نہیں تو اصطلاحاً ان میں مجامعت پر لفظِ زنا کا اطلاق نہ ہوگا، ہندیہ ج ۲ ص ۲۲۷ میں ہے الوطئ الموجب للحد هو الزنا كذا فی الكافی حالانکہ معنوی طور پر زنا ہی ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ان النکاح لا یرتفع بوجه بقاء العدة وغيرها ہو کہ آثارِ نکاح ہیں جیسے معتدۂ طلاق[3] بائن کی وطی مستلزم حد نہیں

---

[1] ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۸، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۳، ج ۳ ص ۱۴۶، در المختار، شامی ج ۲ ص ۸۵۶، ج ۲ ص ۸۵۷، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۰۷، قاضی خان ص ۲۶۶، خلاصۃ الفتاوے ص ۱۱۸ میں ہے و النظم من البدائع واما المعتدة فی النکاح الفاسد فلها ان تخرج لان احكام العدة مرتبة على احكام النكاح بل هی احكام النكاح السابق فی الحقيقة بقيت بعد الطلاق والوفاة والنكاح الفاسد لا يفيد المنع من الخروج فكذا العدة ۱۲ منہ غفرلہ

[2] فتاوے قاضی خان ص ۲۰۱، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۱۱، شامی ج ۲ ص ۹۲۱ میں ہے والنظم للشامی تحت قول المتن و لمطلقة الرجعی و البائن والفرقة بلا معصية كخيار عتق النفقة والسكنى والكسوة وقيد بالرجعی والبائن احترازا عما لو اعتق ام ولده فلا نفقة لها فی العدة كما فی كافی الحاكم وعما لو كان النكاح فاسدا (الى ان قال) وفی المجتبى ونفقة العدة كنفقة النكاح ۱۲ منہ غفرلہ

[3] بالتفصيل بين مبانة الثلاث و الخلع بين مبانة الادنى من الثلاث كما فی حدود عامة الكتب ۱۲

منہ غفرلہ

اور فساد بمعنی[1] بطلان بھی شائع ذائع ہے تو حاصل یہ ہوا کہ حکم نکاح انعدام[2] حد الواطی بوجہ بقائے عدت مرتفع نہیں ہوتا اور نفسِ نکاح باطل ہوجاتا ہے یا لا یرتفع کا یہ معنی ہو کہ لا یرتفع عند جمیع[3] الائمۃ

[1] کما فی فساد الوضوء والصلوٰۃ بل وفی النکاح ایضا یرد بمعنی البطلان کما لایخفی علی من طالع کتب المذھب ففی احکام القرآن ج ۲ ص ۱۴۴ للامام ابی بکر الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ فی بیان المناظرۃ فی ثبوت المصاھرۃ بالزنا بام الزوجۃ وغیرھا ان احدا لایمتنع من اطلاق القول بفساد صلوٰتہ اذا فعل فیھا ما یوجب بطلانھا کما لایمتنع من اطلاق القول بفساد النکاح اذا وجد فیہ ما یبطلہ فان کان الذی اوجب الفرق بینھما انہ لایطلق اسم الفساد علی الصلوٰۃ مع بطلانھا مع اطلاق الناس کلھم ذلک فیھا فانہ لایعوز خصمہ ان یقول مثل ذلک فی النکاح انی لا اقول ان نکاحہ یفسد والنکاح لایکون فاسدا فانما فعلہ وھو الزنا ھو الفاسد فاما النکاح فلم یفسد ولکن المرأۃ بانت منہ وخرجت من حبلہ فھما سواء من ھذا الوجہ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] اقول ھذا ھو المعتمد وصرح بہ فی تعلیل عدم حد الواطئ بعد حرمۃ المصاھرۃ فی مبسوط ج ۹ ص ۸۸، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵، بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲، درالمختار والشامی ج ۳ ص ۲۰۹ والنظم من المبسوط قال واذا حرمت المرأۃ علی زوجھا بردتھا او مطاوعتھا لابنہ او جماعہ مع امھاتھا جامعھا وھو یعلم انھا علیہ حرام فعلی القیاس انہ یلزمہ الحد لان ارتفاع النکاح بھذہ الاسباب ابلغ منہ بالخلع الا تری انھا صارت محرمۃ علی التابید ولکنا استحسن فدرء عنہ الحد لان العلماء یختلفون فی عدتھا ومنھم من یقول بتوقف زوال الملک بالردۃ علی انقضاء العدۃ وکذلک یختلفون فی ثبوت حرمۃ المصاھرۃ بالوطئ الحرام بل الشامی قال لخلاف الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی اھ وقد صرحوا بعدم الحد فی وطئ المبانۃ بالکنایات ولو بنیۃ الثلاث للاختلاف کما فی الھدایۃ والعنایۃ ج ۵ ص ۳۵ وفتح القدیر ج ۵ ص ۴۳ والبحر الرائق ج ۵ ص ۱۱ والدر المختار ورد المحتار ج ۳ ص ۲۰۸ ۱۲ منہ غفرلہ

[3] مبسوط ج ۹ ص ۸۸ میں ہے وبسبب العدۃ لہ علیھا ملک الید وقد بینا ان ملک الید معتبر فی الاشتباہ بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۸ میں ہے ان بعض احکام النکاح حالۃ العدۃ قائم فکان النکاح قائما من وجہ الثابت من وجہ کالثابت من کل وجہ۔ ہدایہ، عنایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۲ ان النکاح الاول قائم لبقاء بعض احکامہ اور ایسے ہی اور بہت سی کتابوں میں بھی ہے ۱۲ منہ غفرلہ

فی جمیع الصور کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک زنا وغیرہ حرام کاری سے مصاہرت
ثابت ہی نہیں ہوتی اور ایسے ہی رضاع قلیل سے بھی حرمت نہیں مانتے تو ان کے نزدیک
بعض مواد میں نکاح باقی رہیگا اور بعض ائمہ کے نزدیک نکاح کا ہونا درء الحد کیلئے کافی ہے اور
قبل التفریق کی قید اس لئے کہ تفریق قاضی اختلاف اٹھادیتی ہے کما صرحوا بہ فی حکم القاضی
فی المجتھد فیہ، میرے خیال میں بعض متاخرین حضرات کو اسی قبل التفریق سے زیادہ دھوکا لگا[1] کہ

---

[1] ثلاثین شامی ج ا ص ۱۳ میں ہے قلت فحیث علمت وجوب اتباع الراجح من الاقوال وحال المرجح لہ تعلم انہ لا ثقۃ بما یفتی بہ اکثر اھل زماننا بمجرد مراجعۃ کتاب من الکتب المتأخرۃ خصوصا غیر المحررۃ کشرح النقایۃ للقہستانی والدر المختار والاشباہ والنظائر ونحوھا فانھا لشدۃ الاختصار والایجاز کادت تلحق بالالغاز مع ما اشتملت علیہ من السقط فی النقل فی مواضع کثیرۃ وترجیح ما ھو خلاف الراجح بل ترجیح ما ھو مذھب الغیر مما لم یقل بہ احد من اھل المذھب درالمختار نے مسئلہ احصان میں وطی بنکاح فاسد وملک فاسد کو برابر فرمایا، اس پر شامی فرماتے ہیں[2] کذا فی شرح الوھبانیۃ عن المنتقی وتبعھا المصنف فی المنح وھو خلاف نص المذھب ففی کافی الحاکم رجل اشتری جاریۃ شراء فاسدا فوطئھا ثم قذفہ انسان قال علی قاذفہ الحد الخ شامی ج ۳ ص ۲۱۸ میں قول درر وقیدہ فی البحر بحثا بکونہ بعد العدۃ لعدم الحد بوطیٔ المعتدۃ کے تحت ہے قد ردہ السائحانی بان ھذا البحث وان تابعہ علیہ غیر واحد فیہ غفلۃ عن فہم تعلیل المسئلۃ الخ نیز امرأۃ الفار کے ایک مسئلہ میں درالمختار میں تورث فرمایا، شامی میں ہے صوابہ لم ترث نیز اسی صفحہ میں ہے وللمحقق ھنا کلام مصادم للمنقول فھو غیر مقبول اور اس کی نظائر بے شمار ہیں، شامی علیہ الرحمۃ ثلاثین ج ا ص ۱۳ میں فرماتے ہیں وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتأخرین ویکون القول خطأ اخطأ بہ اول واضع لہ فیأتی من بعدہ وینقلہ عنہ وھکذا ینقل بعضھم عن بعض کما وقع ذلک فی بعض مسائل ما یصح تعلیقہ وما لا یصح کما نبہ علی ذلک العلامۃ ابن نجیم فی البحر الرائق الخ ۱۲ منہ غفرلہ۔

[2] ج ۳ ص ۲۳۲

نکاحِ فاسد میں بھی تفریقِ قاضی ہوتی ہے پھر بل یفسد کو جس سے اصل شبہ پیدا ہوا تھا نکاحِ فاسد اصطلاحی پر محمول کرکے وان مضی علیہ السنون وغیرہ احکامِ نکاحِ فاسد چسپاں کر دیئے یا اس نکاح سے مراد ہی نکاحِ فاسد ہو[3] تو مطلب یہ بنا کہ نکاحِ فاسد حرمتِ طاریہ سے مرتفع نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہی رہتا ہے کما فی طہارۃ المعذور مع النافض الطاری فی الوقت اور اس میں بھی مدد نہیں ان توجیہوں سے تضادِ اقوال اٹھ گیا اور اتفاق و التیام عبارات ثابت ہوگیا اور یہی بہتر ہے، عباراتِ ائمہ و مشائخ میں اس کی نظائر بکثرت ہیں کہ تقییدات[1] سے تطابق پیدا کیا جاتا ہے بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ اطلاقات[2] فقہاء غالباً ایسی قیدوں سے مقید ہوتے ہیں جنہیں فہمِ مستقیم والے پہچانتے ہیں اور ان اطلاقات سے ان کا ایک خاص مقصد[3] بھی ہوتا ہے اور اگر کسی صاحب کو اصرار ہی ہو کہ

---

[1] مبسوط ج ۹ ص ۸۸ میں ہے قال الرجل طلق امرأتہ ثلاثا ثم خالعھا ثم وقع علیھا فی عدتھا فان قال ظننت انھا تحل لی فلا حد علیہ وان قال علمت انھا علی حرام فعلیہ الحد وفی الاصل او طلقھا واحدۃ بائنۃ والمراد الخلع فاما ما یکون بلفظ البینونۃ قد ذکر بعد ھذا انہ لا حد علیہ علی کل حال اور اس کے بے شمار نظائر خادمِ کتب پر مخفی نہیں ۱۲ منہ غفرلہ

[2] تنقیح ج ۱ ص ۲۳۵، بحر الرائق ج ۱ ص ۴۷ میں ہے ان اطلاقات الفقہاء فی الغالب مقیدۃ بقیود یعرفھا صاحب الفھم المستقیم الممارس للاصول والفروع وانما یسکتون عنھا اعتمادا علی صحۃ فھم الطالب ۱۲

[3] شامی، رد المحتار ص ۲۰۴ جلد اول میں فرماتے ہیں قال المحقق واطلق اعتمادا علی ما تقدم و یأتی کما ھو عادتھم فی الاطلاق اعتمادا علی التقیید فی محلہ قال فی البحر وقصدھم بذلک الخ لا یدعی علمھم الا من زاحمھم علیہ بالرکب ولیعلم انہ لا یحصل الا بکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتھم والاخذ عن الاشیاخ الخ ۱۲ منہ غفرلہ

[4] شامی علیہ الرحمہ ج ۲ ص ۳۹۰ میں فرماتے ہیں وان کان فاسدا یسمی نکاحا کما شاع فی عباراتھم ۱۲ منہ غفرلہ

یہ عبارت اپنے اطلاق پر ہی ہے تو معروض کہ چونکہ یہ عبارت مبسوط کی ہے جسے اصل کہا جاتا ہے اور اصل اولِ تصانیفِ ظاہر الروایہ ہے اور ثالثِ تصنیفات [عہ] جامع کبیر [1] میں متعدد جزئیات صریحہ وفروعِ بینونت بہ حرمتِ مصاہرت ورضاع موجود ہیں اور جامع صغیر [2] ثانی تصانیف ہیں یعنی ہیں حالانکہ ماخوذ و معمول بہ قولِ آخر ہی ہوتا ہے کہ سابق ومتأخر میں تعارض نہیں ہوسکتا تو وہی مذہب بنا اور پہلا مرجوع عنہ قرار پایا لہٰذا مبسوط سرخسی [3] میں حرمتِ مصاہرت میں صاف صاف فرمادیا لان ارتفاع النکاح بہذہ الاسباب۔

---

[1] جامع کبیر ص ۷۰ باب من الفرقۃ فی المرض میں ہے او قبلت ابن زوجہا او دعتہ او اباہ الی مجامعتہا ففعل، ص ۷۷ میں ہے او قبلت ابن الزوج بشہوۃ نیز باب من الوکالۃ والنقض من الوکالۃ ص ۹۹ میں ہے او زوج اختہا فقد انتقض نکاح الاولیٰ اور اسی طرح دو اور مسئلوں میں بھی فرمایا، نیز ص ۱۰۱ میں ہے ثم زوجہ الاُخرٰی اختہا انتقض النکاح فی الاولیٰ، نیز ص ۱۹۳ میں ہے وکل بینونۃ جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ فلا نفقۃ لہا نیز اس کے تحت فرماتے ہیں امرأۃ ارتدت ثم اسلمت ولم تسلم فلا نفقۃ لہا وکذلک لو قبلت ابن الزوج ۱۲ منہ

[2] جامع صغیر مطبع علوی ص ۴۰ رجل تزوج صغیرۃ وکبیرۃ فارضعت الکبیرۃ الصغیرۃ ولم یدخل بالکبیرۃ وقد علمت الکبیرۃ ان الصغیرۃ امرأتہ فعلیہ للصغیرۃ نصف المہر ولا یرجع بہ علی الکبیرۃ الا ان تکون تعمدت الفساد ولا شیئ للکبیرۃ فی الوجہین ۱۲ منہ غفرلہ

[عہ] بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۸، شامی ج ۱ ص ۶۵، ثلثین ج ۱ ص ۱۹ میں ہے والنظم للشامی وفی باب العیدین من البحر والنہر ان الجامع الصغیر صنفہ محمد بعد الاصل فما فیہ ہو المعوّل علیہ ثم قال فی النہر سمی الاصل اصلا لانہ صنف اولا ثم الجامع الصغیر ثم الکبیر ثم الزیادات کذا فی غایۃ البیان انتہٰی اقول ولذا بعینہ اقول ما فی الجامع الکبیر ہو المعول علیہ ایضا بالنسبۃ الی الاصل ۱۲ ابو الخیر نعیمی عفی لہ

[3] شامی ج ۱ ص ۴۶ میں ہے واعلم ان من کتب مسائل الاصول کتاب الکافی للحاکم الشہید وہو کتاب معتمد فی نقل المذہب شرحہ جماعۃ من المشائخ منہم الامام شمس الائمۃ السرخسی وہو المشہور بمبسوط السرخسی قال العلامۃ الطرسوسی مبسوط السرخسی لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن الا الیہ ولا یفتی ولا یعول الا علیہ کذا فی ثلاثین للشامی علیہ الرحمۃ ج ۲ ص ۲۰ وفیہ زیادۃ من النظم ۱۲ منہ غفرلہ

ابلغ منہ بالخلع ج ۹ ص ۸۸ بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ اصل سے ہی امام محمد علیہ الرحمۃ کی نص مل گئی ت
جامع الفصولین ج ۲ ص ۴۷، ابرمزا اصل ہندیہ ج ۲ ص ۱۰۶ محیط سے شامی ج ۲ ص ۴۸۱، عہ
میں ذخیرہ سے بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من الهندية اذا جامعها ابن المريض
مكرهة لم ترث قال فى الاصل الا ان يكون الاب امر الابن بذلك فينتقل
فعل الابن الى الاب فى حق الفرقة كانه باشر بنفسه فيصير فارا تو
صاف صاف حکم فرقت ہے اور ایسے ہی فار ہونے کا حکم بھی لگا دیا حالانکہ فار فرقت وبینونت
میں ہی بنتا ہے حتی کہ طلاقِ رجعی سے فار نہیں بنتا کما ھو مقرر اور اس جزئیہ پر سوال
میں جو اصل سے منقول ہوا حتی غایئیہ سے نفی حد کا صاف صاف ذکر ہے جو قرینۂ اختصاص
حکم عدم ارتفاع بنفی الحد ہے تحقیق مسائل وتنقیح حق کے لئے یہ ضروری ہے کہ صرف
ظاہری اطلاق پر نظر نہ رہے بلکہ تقییدِ خفی کا بھی لحاظ رکھا جائے اور وجہ الحکم پر نظر رکھی
جائے ورنہ اشتباہ وحیرت کا ہونا لزومی ہے، بحر الرائق ج ۱ ص ۳۷ میں ہے ان
فهم المسائل على وجه التحقيق يحتاج الى معرفة اصلين احدهما
ان اطلاقات الفقهاء فى الغالب مقيدة بقيود يعرفها صاحب الفهم
المستقيم الممارس للاصول والفروع وانما يسكتون عنها اعتمادا على
صحة فهم الطالب والثانى ان هذه المسائل اجتهادية معقولة المعنى لا
يعرف الحكم فيها على الوجه التام الا بمعرفة وجه الحكم الذى بنى عليه وتفرع
عنه والا فتشتبه المسائل على الطالب ويحار ذهنه فيها لعدم معرفة
الوجه والمبنى ومن اهمل ما ذكرناه حار فى الخطأ والغلط۔
بیانِ سابق پر ادنیٰ غور صاف صاف بتا دیتا ہے کہ یہی صورت یہاں پیش آئی
کہ ان النكاح لا يرتفع الى اخره میں ظاہری اطلاق پر نظر رہی اور مبنائے حکم کا خیال بھی
نہ کیا گیا تو حیرت وخطاء وغلطی سے واسطہ پڑ گیا۔

عہ نیز شامی فرماتے ہیں کذا فی الولوالجیۃ والهندیۃ ۱۲ ابو الخیر غفرلہ

بہر حال حضرتِ امام محمد علیہ الرحمہ کے ارشاداتِ عالیہ سے ہی ثابت ہو گیا کہ بینونت ہو گئی، پھر صدہا ضوابط و اصول و فروع جن کی جانب اجمالی اشارے ہو چکے نہایت پُرزور منادی کر رہے ہیں کہ مذہب یہی ہے کہ نکاح بالکل باقی نہ رہا تو وہ استدلال بھی ہباءً منثوراً ہو گیا تو اس کو کالعدم تصور کیا جائے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے صدہا نصوصِ اصول وضوابط و جزئیات مذہبیہ صریحہ کو پامال کر دیا جائے۔

للہ الحمد کہ بتوفیقہ تعالیٰ ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح واضح و ہویدا ہو گیا کہ صورتِ مذکورہ کی دونوں شقوں میں نکاح اصلاً باقی نہ رہا، زائل و باطل و منفسخ ہو گیا اور عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی اور یہ نہیں کہ بصورتِ فاسد باقی رہ گیا کہ صحیح تو اٹھ گیا اور فاسد تھا ہی نہیں اور نہ ہی نئے سرے سے منعقد کیا گیا تو رہا کیا؟

رہا یہ شبہ کہ اگر حرمت سابقہ ہو اور قصداً نکاح کیا جائے تو بصورتِ فاسد منعقد ہو جاتا ہے لہٰذا حرمتِ طاریہ میں بھی بصورتِ فاسد باقی رہ جانا چاہئے، تو یہ محض دھوکا ہے، اگر یہ قیاس صحیح ہوتا تو جن جن چیزوں کے ہوتے ہوئے نکاح صحیح منعقد ہو جایا کرتا ہے، ان کے طاری ہونے کی صورت میں صحیح ہی رہتا حالانکہ کئی ایسی چیزیں ہیں کہ طاری ہو جائیں تو صحیح کیا فاسد کی شکل میں بھی نہیں رہنے دیتیں جیسے طلاقِ بائن و خلع وغیرہ کے بعد مطلقہ و مخلوعہ سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے مگر نکاح صحیح پہ طلاقِ بائن یا خلع طاری ہو جائے تو بالکل زائل ہو جاتا ہے۔

صورتِ مسئول عنہا کی دونوں شقوں کے صریح جزئیے بھی بکثرت کتب فقہیہ میں موجود ہیں بطورِ مثال صرف ایک پر ہی اکتفاء کیا جاتا ہے۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۰۴ وجوہ ما یرفع حکم النکاح کے بیان میں ہے ومنها الرضاع الطاریٔ علی النکاح کمن تزوج صغیرۃ فارضعتها امه بانت منه لانها صارت اختاله من جهة الرضاع نیز اسی میں ہے ومنها المصاهرۃ الطارئة

بان وطیٔ ام امرأتہ او ابنتہا والفرقۃ بہا فرقۃ بغیر طلاق لانہا حرمۃ مؤبدۃ کحرمۃ الرضاع والفرق فی ہذہ الوجوہ کلہا بائنۃ نیز اسی کے ج ۲ ص ۲۹۵ میں ہے ان الفرقۃ بغیر طلاق تکون فسخا للعقد نیز اسی میں ہے ان فسخ العقد رفعہ من الاصل وجعلہ کان لم یکن اور اس وضاحت حق کے ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان اکابر حضرات (جو بقاء نکاح مع الفساد کا حکم دے کر نکاح فاسد کے احکام ضرورت لتفریق و متارکہ وغیرہ ثابت کرتے ہیں) سے سہو و نسیان ہو گیا ہے اور انسان پر سہو و نسیان کا طاری ہو جانا کوئی نئی چیز نہیں، پھر یہ سہو در سہو بھی ہو گیا کہ مطلقاً تفریق و متارکہ ضروری قرار دیتے ہوئے متارکہ و فسخ کو مختص بہ زوج اور وہ بھی مقید بہ قول کر دیا حالانکہ اگر بالفرض نکاح فاسد بن کر باقی رہ بھی جاتا جب بھی حق جواب ہرگز ہرگز یہ نہ ہوتا بلکہ یوں ہوتا تھا کہ اگر دخول حقیقی[1] فساد نکاح سے قبل اور بعد مطلقاً نہیں پایا گیا تو صرف متارکہ ہی کافی ہے گو بہ نیت عدم عود[2] تفرق ابدان

[1] قاضی خان ص ۲۶۳، بدائع ج ۳ ص ۱۹۲، کنز و بحر ج ۳ ص ۱۷۲، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۴، تنویر، درو شامی ج ۲ ص ۴۸۳ میں ہے والنظم من الدر مع المتن ویجب العدۃ بعد الوطیٔ لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکۃ الزوج الخ وکذا فی الکتب المعتبرۃ الاخر ۱۲ منہ

[2] ہدایہ، عنایہ، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۵، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۶، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۷، تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۸۴۱، ۸۴۲ و ج ۲ ص ۵۶۹ میں ہے والنظم من التنویر مع الدر مبدأھا فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی بینہما (الی ان قال) او المتارکۃ ای اظہار العزم من الزوج علی ترک وطئہا (الی ان قال) لو مدخولۃ والا فیکفی تفرق الابدان فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے ولا تتحقق المتارکۃ الا بالقول (الی ان قال) قال الشیخ الامام فخر الدین قاضیخان ہذا فی المدخول بہا اما فی غیرہا فبتفرق الابدان بان لا یعود علیہا۔ بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۰ میں ہے او المتارکۃ بالقول فی المدخولۃ و فی غیرہا یکتفی بتفرق الابدان ۱۲

سے ہی ہوا ورعدت ہرگز ہرگز نہیں کما مر اور فسادِ نکاح سے پہلے ہی دخول ہوا تھا بعد
میں نہ ہوا تو چونکہ فاسد من حیث ہو فاسد میں دخول نہ پایا گیا لہذا اس صورت میں بھی ہی
تفرق ابدان ہی کافی ہے کہ نکاحِ فاسد کا قبل از دخول کوئی حکم[1] ہی نہیں اور نکاح صحیح میں
دخول حکماً بھی دخول[2] فی الفاسد نہیں بنتا اگرچہ انعقادِ فاسد استقلالاً ہوا البتہ نکاح اول کے
دخول بلکہ خلوت کی بھی عدت من حیث ہی حکم الاول[3] لازم ہوگی اور اگر فاسد ہونے کے بعد دخول ہوا تو متارکہ
بالقول ضروری ہے اور سب صورتوں میں عورت[4] بھی حق متارکہ رکھتی ہے کہ نکاح فاسد واجب

[1] خانیہ ص ۱۶۰، ہندیہ ج ۲ ص ۳۵، ۳۶، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴، بدائع صنائع ص ۳۳۵ میں ہے
و النظم من البدائع واما النکاح الفاسد فلا حکم لہ قبل الدخول وکذا فی الکتب
الاخر ۱۲ منہ غفر لہ

[2] فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۸، قاضی خان ص ۱۶۲، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۹، شامی ص ۳۴۸ میں ہے والنظم
من الفتح ولو کان علی القلب بان تزوجہا صحیحاً اولاً ثم طلقہا بعد الدخول ثم
تزوجہا فی العدۃ فاسداً لا یجب علیہ مہر ولا علیہا استقبال العدۃ ویجب
علیہا تمام العدۃ الاولی بالاتفاق والفرق لہما انہ لا یتمکن من الوطئ فی
الفاسد فلا یجعل واطئاً حکما لعدم الامکان حقیقۃ ولہذا لا یجعل
واطئاً بالخلوۃ فی الفاسد حتی لا یجب علیہا العدۃ بہا ولا علیہا المہر ۱۲

[3] فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵، ج ۴ ص ۱۵۵، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۰، شامی و در ج ۲ ص ۵۶۹ شامی
ج ۲ ص ۵۶۷ وغیرہ میں ہے و النظم من الفتح الرابع وفی الخلاصۃ والنصاب المتارکۃ
فی النکاح الفاسد بعد الدخول لا تکون الا بالقول الخ ۱۲ منہ غفر لہ

[4] تنویر، در، بحش ج ۲ ص ۳۸۴، شامی ج ۲ ص ۸۴۲، خلاصہ ج ۲ ص ۱۴، ہندیہ ج ۲ ص ۳۵ فتح القدیر
ج ۳ ص ۲۴۵، عنایہ ج ۳ ص ۲۴۵، بحر من الذخیرۃ ج ۳ ص ۱۷۲ و النظم من التنویر مع الدر
فان اتم وانقن ویثبت لکل واحد منہما فسخہ ولو بغیر محضر من
صاحبہ دخل بہا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلا ینافی
وجوبہ ۱۲ منہ غفر لہ

الرفع اور مرد کی طرح عورت بھی مکلفہ ہے، اس پر بھی گناہ سے فرار لازم ہے۔ ہاں بعض حضرات لفظِ متارکہ میں مناقشہ کرتے ہیں کہ مختص بفسخِ مرد ہے تو یہ لفظی بحث ہے فسخ المرأۃ سے تعبیر کر لیا جائے تو وہ مناقشہ بھی نہیں رہا تعمدِ فساد کا عذر بوجہ نقصانِ عقل تو وہ بھی غیر مسموع کہ فقہائے کرام نے تعمدِ فساد بصورت ارضاع و تقبیل وغیرہ میں بھی صریح حکم بینونت ہی مقرر رکھا فضلاً عن حق الفسخ اور اگر یہ عذر بالفرض مسموع بھی ہوتا تو پھر بھی مختص بمعصیۃ المرأۃ ہی رہتا نہ یہ کہ مطلقاً وہ حکم جبروتی لگا دیا جائے کہ حرمتِ طاریہ میں عورت حقِ فسخ نہیں رکھتی گو زوج یا کسی اور کے فعلِ مباح یا ظلم صریح سے ہی ہو حالانکہ ایسے مسائل میں المرأۃ کالقاضی مامورۃ باتباع الظاہر فرامین فقہائے کرام سے ثابت ہے۔ اور اگر مرد و زن متارکہ نہ کریں تو قاضی پر تفریق لازم ہے کما لا یخفٰی علی من طالع الاسفار المذہبیۃ۔

بہر حال بفضلہ و کرمہ تعالیٰ حق نہایت ہی واضح ہے اور یہ بھی واضح کہ سہواً خطا اگرچہ کسی نمایاں شخصیت سے سرزد ہو، قابلِ اقتدا نہیں اور نہ ہی قابلِ مواخذہ و طعن و تشنیع والحق احق بالاخذ والافتاء۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ الاعلٰی وآلہ واصحابہ اولی الصدق والصفا وبارک وسلم فی الآخرۃ والاولٰی۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۷ ار شہر رمضان ۷۵ھ

تنبیہ

ابتدائے عدت نکاحِ فاسد میں جو اختلاف ہے کہ عند الائمۃ الثلاثۃ من التفریق

لہ کما فی تقبیل ابن الزوج بشہوۃ ونحوہ ۱۲ منہ غفرلہ

او المنار کہ ہے وعند زفر من آخر الوطأت ہے، فتح القدیر میں ہے کہ یہ قضاءً ہے اور دیانۃً نہیں، ج ۳ ص ۲۴۵، ج ۴ ص ۱۵۶ میں ہے و النظم من الثالث ویجب ان یکون ھذا کلہ فی القضاء اما فیما بینھما وبین اللہ تعالیٰ فاذا علمت انھا حاضت بعد آخر وطیٔ ثلثا ینبغی ان یحل لھا التزوج فیما بینھا وبین اللہ تعالیٰ علیٰ قیاس ما قدمناہ من نقل العتابی اور جلد رابع میں فرماتے ہیں و مقتضی ما قدمناہ فی باب المھر من قول طائفۃ من المشائخ وھو الوجہ انھا لو تزوجت عالمۃ بانھا حاضت ثلاث حیض بعد وطئہ کان صحیحا فیما بینھا وبین اللہ تعالیٰ انما اشترط کونھا بعد الترک فی القضاء۔ بحر الرائق ج ۳ ص ۲، ۱ ثالث فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ومحلہ فیما اذا فرق بینھما اور جلد رابع ص ۱۴۶ میں اس نقل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ان وجوبھا فیہ انما ھو فی القضاء اما فی الدیانۃ لو علمت انھا حاضت بعد آخر وطیٔ ثلاثا حل التزوج من غیر تفریق ونحوہ اور شامی علیہ الرحمۃ نے ثالث بحر الرائق کی نقل مع ومحلہ فیما اذا فرق بینھما ج ۲ ص ۴۸۳ میں برقرار رکھی اور اسی طرح عبارت رابع بحر کی ج ۲ ص ۸۴۲ میں برقرار رکھی اور بحر کی ان دونوں عبارتوں کے آخری جملوں میں تعارض ہے البتہ اگر من غیر تفریق ونحوہ کو حاضت کے متعلق کیا جائے اور ومحلہ فیما اذا فرق بینھما کو تزوجت عالمۃ کی قید بنایا جائے تو بن سکتا ہے وھذا ھو الظاھر اور فتح القدیر میں ابو القاسم صفار علیہ الرحمۃ سے اختیار قول زفر علیہ الرحمۃ نقل فرمایا، دونوں جلدوں کے صفحاتِ مذکورہ میں اور توجیہ قولِ زفر علیہ الرحمہ ج ۴ ص ۱۵۵ میں تحقیقاً ذکر فرمائی۔

ابو الخیر النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص اپنی ساس کو بدمعاشی کے ارادے سے لے کر چلا گیا اور سال بھر تک اس سے فعلِ حرام کا مرتکب رہا۔ اس کے بعد وارثان عورت بدمعاشہ مذکورہ کو واپس لائے تو آیا اب اس کی بیوی جو اسی ساس کی لڑکی ہے اس پر حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العالمین۔

سائل: مہربان از موضع ساہا ضلع منٹگمری ۸/ ۵/ ۱۵

اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو شخصِ مذکور پر اس کی بیوی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ بدائع ج ۲ ص ۳۳۰ میں ہے ومنہا ای ما یرفع حکم النکاح المصاہرۃ الطارئۃ بان وطئ ام امرأتہ اوابنتھا والفرقۃ بہا فرقۃ بغیر طلاق لانہا حرمۃ مؤبدۃ کحرمۃ الرضاع والفرق فی ھٰذہ الوجوہ، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۸ میں ہے ان الحرمۃ بسبب المصاھرۃ مثل الحرمۃ بالرضاع والنسب وذٰلک کما یمنع ابتداء النکاح یمنع بقاء النکاح فکذٰلک ھٰذا یمنع بقاء النکاح اور ایسے ہی کتبِ مذہبِ مہذب

حنفیہ میں متوناً وشروحاً وفتاوی وحواشی بطرحۃ مذکور ومنصوص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

$15 \frac{1}{58}$

الاستفتاء

بخدمت جناب مولوی محمد نور اللہ صاحب جی دام اقبالہ

جناب عالی

عرض یہ ہے کہ مسمّی شاہ محمد قوم رنگریز سکنہ چک ۴۲/D آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے اور سائل سے زبانی بھی دریافت کر لیا ہے اور میں تحریر کرتا ہوں کہ ایک شخص جس کا نام مسمّی ظہور احمد ہے وہ اپنی عورت نکاحی ہوئی چھوڑ کر اپنی سس کے ساتھ برا کرتا ہے، آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کو لے کر کہیں بھاگ گیا۔ اس بات کو دس ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اب آپ کی خدمت میں عرض یہ کہ بطور شریعت کے اس کی نکاحی ہوئی عورت کا نکاح خارج ہوا یا کہ نہیں؟ اس لئے آپ جناب مہربانی فرما کر شریعت پر مدنظر رکھتے ہوئے فتویٰ مشکور فرما دیں، آپ کی عین نوازش ہوگی۔

تحریر کنندہ محمد زبیر بقلم خود ، شاہ محمد سکنہ چک نمبر ۴۲/D

محمد صدیق امام مسجد بقلم خود گواہ شد نوشیر

گواہ شد عطیدار خان محمد قوم گنپال ، نشان انگوٹھا نمبردار موکھا چک نمبر ۴۲/D

نوٹ : سائل نے زبانی بیان کیا کہ مسمیٰ ظہور احمد کی ساس اس کی بیوی کی حقیقی ماں ہے۔

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو جس دن سے پہلی مرتبہ مسمیٰ ظہور احمد نے اپنی ساس یعنی بیوی کی حقیقی ماں کے ساتھ بدکاری کی، اسی دن سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور وہ نکاح بالکل باطل ہوگیا، عدت پوری ہونے کے بعد حسبِ دستورِ شرع جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ مبسوط سرخسی ج ۴ ص ۲۰۶، بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۴۰ میں ہے (والنظم لملک العلماء علیہ الرحمۃ) ومنہا (ای من اسباب وقوع الفرقۃ) المصاھرۃ الطارئۃ بان وطیٔ ام امرأتہ او ابنتہا والفرقۃ بہا فرقۃ بغیر طلاق لانہا حرمۃ مؤبدۃ۔ نیز مبسوط ج ۹ ص ۸۸ میں ہے ان ارتفاع النکاح بھذہ الاسباب ابلغ منہ بالخلع الا تری انہا صارت محرمۃ علی التابید۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الجواب صحیح

ابو الیسر محمد اسمٰعیل الفریدی الفاکفتنی، ۲۳ر ذی الحجۃ المبارکۃ ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

حضرت محترم علامۂ زماں شیخ الحدیث و الفقہ دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج عالی !

قبل ازیں چند مسائل کے استفسار پر مشتمل عریضہ پیشِ خدمت ہوا ہوگا جس کا جواب اب تک نہیں آیا، امید کہ آپ جناب تکلیف محسوس نہیں فرمائیں گے کہ یوں اتفاق سے راہِ حق متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ جزیل نصیب فرمائے۔ آمین۔ چند اور صورتیں در پیش ہیں، جواب باصواب سے نوازیں :۔

۱۔ اگر کوئی عورت کچھ عرصہ سے غیر آباد ہو اور عرصۂ غیر آبادی اس قدر ہو کہ اس کا غیر حاملہ ہونا متیقن ہو مثلاً تین سال اور اس کو اب اسی حالت میں طلاق ہو جائے سو کیا اب بھی بوجہ احترامِ نکاح سابق عدت لازم ہو گی یا کہ فوری نکاح کرنا جائز ہوگا۔

۲۔ اگر کسی شخص نے اپنی ساس سے زنا کیا ہو تو بقاعدہ وطی الامہات یحرم البنات (قاضی خان) اس کی بیوی تو اس پر حرام ہو جائے گی تو کیا اب وہ (بیوی) عورت دوسری جگہ پر نکاح کروا سکتی ہے اور اب اس صورت میں مزید شوہر سے طلاق کہلوانا تو ضروری نہیں ہو گا یا ہوگا ؟ اور کیا زانی کے اقرار سے زنا ثابت ہو جائے گا جبکہ اس کے اقرار کے دو گواہ موجود ہوں۔ بینوا توجروا۔

السائل : قاضی غلام محمود خطیب جامع مسجد عیدگاہ نیا محلہ جہلم شہر

(تقریباً ۱۵ر رجب ۸۵ھ کے بعد کا لکھا ہوا ہے مگر سائل نے تاریخ نہیں لکھی)

۱- ایسی مطلقہ جس کا نکاح دخول سے متاکد ہو چکا ہو اس پر عدت بحکم قرآنِ کریم لازم ہے اگرچہ طلاق سے پہلے کئی سال غیر آباد رہ چکی ہو، ارشاد ہے والمطلقات یتربصن الآیۃ، فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۵۲۴ میں ہے ھی انتظار مدۃ معلومۃ یلزم المرأۃ بعد زوال النکاح حقیقۃ او شبھۃ المتاکد بالدخول او الموت الخ وکذا فی سائر اسفار المذھب المھذب وھذا مما لاغبار علیہ۔

۲- اگر قبل از نکاح زنا کیا ہو تو نکاح منعقد ہی نہیں اور بعد از نکاح واقع ہو تو فاسد یعنی باطل و زائل ہو جاتا ہے اور یہ بطلان متارکہ یا قضائے قاضی پر موقوف نہیں، اگر عورت مدخول بہا نہ ہو تو فوراً کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے اور مدخول بہا ہو تو بعد از انقضائے عدت، یہ ہے ہمارا مذہب جو فقہائے متقدمین نے متفقہ طور پر بیان فرمایا اور متاخرین نے بھی۔ مبسوط امام سرخسی ج ۶ ص ۱۵۶ میں ہے بعد ثبوت حرمۃ المحل اما بالطلقات الثلاث او بالمصاھرۃ یتعذر ابقاء النکاح حکما اور ص ۱۵۶ میں ہے وکذلک المرأۃ یجامعھا ابو زوجھا او ابنہ او جامع الزوج امھا او بنتھا فقد وقعت الفرقۃ بینھما بغیر طلاق لان المحرمیۃ بالمصاھرۃ تنافی النکاح ابتداء و بقاء کالمحرمیۃ بالرضاع و النسب وعلیھا العدۃ ان کان دخل بھا۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۳۰ میں ہے (وجوہ ما یرفع النکاح) بعد ازاں فرمایا ومنھا المصاھرۃ الطارئۃ

بان وطئ ام امرأته او بنتها والفرقة بها فرقة بغير طلاق لانها حرمة مؤبدة نیز اسی کے ص ۲۹۵ میں فرمایا ان الفرقة بغیر طلاق تكون فسخا للعقد، نیز اسی میں ہے ان فسخ العقد رفعه من الاصل وجعله كان لم يكن مگر متاخرین میں سے بعض حضرات کو حضرت محرر المذہب امام محمد علیہ الرحمۃ کی ایک عبارت سے اشتباہ لگا تو حکم لگا دیا کہ نکاح مرتفع نہیں ہوتا جب تک کہ متارکہ نہ کرے یا قاضی کی تفریق نہ ہو کما فی البحر والدر والھندیۃ والشامیۃ اور زمانہ حال کے مفتی حضرات یہی فتوے دے رہے ہیں مگر فقیر کی نظرِ قاصر میں حق وہی ہے کہ نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے اور اس اشتباہ کا ردِ بلیغ خود حضرت محرر المذہب کی تصریحاتِ جلیلہ اور مشائخ و فقہائے متقدمین کی صدہا توضیحات و نصوصِ جلیہ سے روزِ روشن کی طرح روشن ہے جس کی قدرے تفصیل فقیر کے فتاوٰی[1] نوریہ جلد ثانی کے ص ۲۳۸ سے ۲۵۸ تک ہے اور چونکہ اس دور میں تقلید جامد عروج پر ہے لہٰذا اہتر و مناسب یہ کہ متارکہ کرا لیا جائے۔

۲۔ ہاں زانی کے اقرار سے زنا ثابت ہو جاتا ہے جبکہ قاضیٔ اسلام کے سامنے چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرے اور غیر قاضی کے پاس اقرار سے ثابت نہیں ہو سکتا، یہ اس زنا کے متعلق ہے جو موجبِ حد ہے کما فی الھندیۃ ج ۲ ص ۲۲۵، البتہ حرمتِ مصاہرہ اس سے ثابت ہو سکتی ہے، فتاوےٰ ہندیہ ج ۲ ص ۵ میں ہے لو اقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما نیز اسی میں ہے وتقبل الشهادة على الاقرار بالمس و

---

[1] فتاوٰی نوریہ کے قلمی نسخے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ محولہ بالا فتوٰی "حرمۃ المصاہرہ ترفع المناکحہ" کے نام سے رسالہ کی صورت میں فتاوٰی نوریہ کی زیرِ نظر جلد ص ۵۵۱ تا ۵۷۶ شامل کر دیا گیا ہے (محب)

التقبیل بشھوۃ، اور یونہی درالمختار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۱۹ رجب المرجب ۸۵ھ ۱۴/۱۱/۶۵

(خط میں لکھا)

حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب نے آپ کے فتوے کے خلاف فتوے دیا ہے۔ آپ کا فتوے آپ کے نام سے ظاہر نہیں کیا گیا البتہ حوالے دکھانے پر موصوف نے فرمایا کہ یہ فتوے غلط ہے، کیا خیال ہے کہ جناب کا فتوے جناب کے اسم گرامی سے ظاہر کر دیا جائے، آپ کا مشورہ تو یہ تھا کہ متارکہ کرا لیا جائے مگر مصیبت یہ ہے کہ سابق شوہر اس پر کسی صورت راضی نہیں ہے۔ اب اس کی رضامندی کے بغیر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور عورت عرصہ تقریباً تین سال سے لٹکی ہوئی ہے۔ اگر طبیعت[^1] ٹھیک ہو تو کسی وقت مزید حوالے اور مفصل بیان لکھ بھیجیں، ممکن ہے کہ ضرورت پڑ جائے۔ والسلام

دعا جو و دعا گو: ناچیز غلام محمود خاں از جامع مسجد عید گاہ جہلم ۶۵-۱۱-۲۹

---

[^1]: ملالت طبع کی بنا پر یہ لکھا ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاحب الکریم
الرحیم العلیم وعلیٰ آلہ وصحبہ باللطف العمیم۔

حضرت محترم المقام لازالت شموس فضلہم بازغۃ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ: مزاجِ سامی! عنایت نامہ ملا تفصیلی اطلاعات سے سرور ہوا۔ رسالہ مکبر الصوت پوسٹ کردیا ہے، امید کہ مل چکا ہوگا، پورا پڑھنے کے بعد اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں، اس کے علاوہ بھی مسئلہ کے متعلق تحقیقی مضامین فتاوٰے نوریہ میں ہیں، دل چاہتا ہے کہ مکمل چھپ جائے مگر سرِ دست کوئی خاص صورت نہیں، اس سال کوئی خاص کاتب بھی نہیں کہ موثوق بہ نقل کرسکے، کیا ہی اچھا ہو کہ رمضان المبارک کی رخصتوں میں پہلے اطلاع دے کر تشریف لائیں تو مفصل مکالمہ ہوسکتا ہے۔

مسئلہ مصاہرۃ کے متعلق فقیر کے پاس کتب معتمدہ کی اتنی نقول وجزئیات ہیں کہ ان کا احصار متعذر اور بالفرض جمع کئے جائیں تو ضخیم کتاب بن جائے۔ بفضلہ وکرمہ تعالےٰ یہ مسئلہ آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے۔ اصل اشتباہ کا موجب حضرت محرر المذہب امام محمد علیہ الرحمۃ کے ایک مسئلہ اصل (المبسوط) کے نہ سمجھنے بلکہ غیر محمل پر حمل کرنے سے پیدا ہوا، شامی ج۲ ص ۳۸۹ سے ہی سنئے ذکر محمد فی نکاح الاصل ان النکاح لا یرتفع بحرمۃ المصاھرۃ والرضاع بل یفسد حتی لو

وطئها الزوج قبل التفريق لا يجب عليہ الحد۔

یہ جزئیہ حدِ زنا کے متعلق ہے کہ اختلافِ ائمہ کے سبب حد لازم نہیں ہوتی جیسے طلاقِ کنایہ میں بھی یہی صورت ہے اگرچہ اس سے طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہو اور لا یرتفع کا معنی ہے لا یرتفع حکمہ من کل وجہ۔ (طحطاوی علی الدر) اور یہ درء الحد بوجہ شبہ للاختلاف ہے کما فی الطحطاوی ایضا اور شامی میں ہے والوطئ فیہا لا یکون زنا لانہ مختلف فیہ۔ اور یہ تو واضح ہی ہے کہ اصطلاحِ فقہاء میں زنا اس وطی کا نام ہے جس پر حد لگتی ہے کما فی الہندیۃ وغیرھا اور یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں کہ نکاح باقی رہتا ہے اور متارکہ ضروری، نکاح بالکل نہیں رہتا حتی کہ غیر مدخول بہا ہو تو اسی وقت اور سے نکاح کر سکتی ہے۔

آپ دیکھ چکے ہیں عبارتِ اصل میں مصاہرت اور رضاع کو ایک ہی حکم دیا ہے، اب کتبِ فقہیہ کی معتبرات سے رضاع بعد از نکاح کا حکم دیکھیں نیز مہر، عدت، طلاق الفار، وراثت وغیرہا کے جزئیات سے یہ مسئلہ بڑا واضح ہو جاتا ہے مبسوطِ سرخسی ج ۹ ص ۸۸، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵، بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲، در المختار، شامی ج ۳ ص ۲۰۹ میں ہے والنظم من المبسوط واذا حرمت المرأۃ علی زوجہا بردتہا او مطاوعتہا لابنہ او جماعہ مع امہا ثم جامعہا وھو یعلم انہا علیہ حرام ففی القیاس انہ یلزمہ الحد لان ارتفاع النکاح بھذہ الاسباب ابلغ منہ بالخلع الا تری انہا صارت محرمۃ علی التابید ولکنہ استحسن فدرء عنہ الحد الخ فتاوے قاضی خاں ج ۱ ص ۱۹۰ میں ہے لو تزوج رضیعتین فارضعتہما امرأۃ واحدۃ معا او

ـــہ تفریقِ قاضی خلاف اٹھا دیتی ہے تو بعد از تفریق حد لازم ہوگی ۱۲

واحدۃ بعد واحدۃ بطل نکاحھما۔ نیز ایک اور جزئیہ میں وبطل نکاحھا ہے، آگے فرماتے ہیں ولیس فی نکاحہ غیرھا (کتاب نکال کر دیکھئے خوب واضح ہے)۔

غرضیکہ بکثرت جزئیات بینونت وبطلان ہیں، بطور تنبیہ اختصاراً عرض کہ مبسوط ج۵ ص ۱۴۲، ۱۴۳ میں دس مرتبہ اور ج۳ ص ۲۹۸ تا ۳۰۰ گیارہ مرتبہ، قاضی خان ص ۱۹۰، ۱۹۱ سات مرتبہ، بدائع ج۴ ص ۱۱ تا ۱۳ دس مرتبہ، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۰ تا ۲۳۱ اٹھارہ مرتبہ، عالمگیر ج۲ ص ۴۴ نو مرتبہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۳ تین مرتبہ ہے، کلمات والفاظ متقاربہ ہیں، تبرکاً امام سرخسی علیہ الرحمۃ کی ایک عبارت سنئے اذا تزوج صبیتین رضیعتین فارضعتھما امرأۃ واحدۃ معاً او احدٰھما بعد الاخریٰ بانتا جمیعاً (الیٰ ان قال) ولیست احدٰھما ببطلان نکاحھا باولیٰ من الاخریٰ۔

غرضیکہ بکثرت جزئیات کثیرہ ہیں جو جامع صغیر اور جامع کبیر امام محمد علیہ الرحمۃ بلکہ ان کی مبسوط میں بھی موجود ہیں اور حکم بڑا واضح ہے اور اگر متارکہ ہی ضروری فرماتے ہیں (علماء کرام عصر حاضر) تو مرد پر ہی کیوں موقوف رکھتے ہیں، عورت بھی تو متارکہ کر سکتی ہے، دیکھئے تنویر الابصار اور در المختار میں ہے ویثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجاً عن المعصیۃ الخ وقررہ الشامی ج۲ ص ۴۸۳ وکذا فی البحر وغیرہ بلکہ قبل الدخول تو تفرق بالابدان بھی بعض کے نزدیک کافی ہے، بلکہ شامی ج۲ ص ۴۸۲ طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۴۲۲ میں ہے وان وجوبھا (ای العدۃ فی النکاح الفاسد

سہ قاضی خاں کی کچھ عبارت پہلے نقل بھی ہوئی ہے ۱۲

بعد المتارکۃ فی القضاء اما فی الدیانۃ لو علمت انہا حاضت بعد اٰخر وطیٔ ثلاثا حل لہا التزوج بلا تفریق و نحوہ۔

بہر حال مسئلہ بڑا واضح ہے مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ زنا بالام بھی واضح ہی ہو ورنہ اپنا مشاہدہ وغیرہ جو عورت یا اس کا سرپرست دعویٰ کرے بلا دلیل کون مانے گا اور یونہی جب تک اپنے علماء کرام کا اتفاق نہ ہو زوج بھی آرام نہیں کرنے دے گا بلکہ مقابلہ میں فتویٰ لیکر مقدمہ بازی وغیرہ سے تنگ کرے گا لہٰذا اس کا حل تلاش کرکے قدم اٹھائیں، نیز مجھے اپنوں سے مناقشہ وغیرہ قطعاً پسند نہیں، اسی بنا پر لکھا تھا کہ متارکہ کرا لیا جائے۔

میرے نام یا فتوے ظاہر کرنے میں بھی حرج نہیں اور حضرت مولانا العلام الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی تو میرے بڑے نعیمی بھائی اور کرم فرما ہیں، ان کے دکھلانے میں تو کیا خدشہ ہے، اگر وہ توجہ فرمائیں اور اتنا وقت نکالیں کہ ان کتب والوابِ اسفارِ مذہبیہ کا مطالعہ فرما سکیں تو ہو سکتا ہے کہ موافقت یا کوئی راہنمائی فرما دیں مگر شاید اتنا وقت وہ نکال نہ سکیں۔ اس مسئلہ پر حضرت مولانا الحاج ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محدثِ لائلپور کے ساتھ بھی مشافہۃً گفتگو ہوئی تھی مگر وہ بھی وقت نہ نکال سکے، ایسے مسائل میں صرف آپ جیسے اہلِ علم سے بطورِ مشورہ تو کچھ لکھ دیا جاتا ہے مگر فقیر فتوے نہیں دیتا، والسلام۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۳؍ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ

$\frac{۱۲}{۶۵}$ ۷

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ زید کو بکر نے یہ تہمت لگائی کہ اس نے اپنی ساس سے زنا کیا اور میں نے خود دیکھا ہے کہ اس نے اپنی ساس سے زنا کیا مگر تحقیق کی گئی تو ثابت ہوا کہ اس نے غلط الزام لگایا تو اسے کہا گیا کہ تم قسم اٹھاؤ یا گواہ پیش کرو کہ اس نے زنا کیا ہے مگر قسم اٹھانے سے اس نے انکار کیا اور گواہی بھی پیش نہ کر سکا۔ آخر ایک شخص نے کہا زید کو کہ اپنی ساس کو کس طرح جانتے ہو تو اس نے کہا کہ میں تو اسے بجائے ماں کے جانتا ہوں تو اس شخص نے کہا اگر تو سچا ہے تو اپنی ماں کا پستان اپنے منہ میں پا، تو اس نے اس غرض سے پستان منہ میں پا لیا تو اس کا سچا ہونا ظاہر ہو گیا اور ثابت ہوا کہ وہ الزام غلط ہے۔ ایک سال کے بعد اب وہی الزام لگانے والا کہتا ہے کہ زید کی عورت زید پر حرام ہے کہ اس نے اپنی ساس کا پستان منہ میں ڈالا ہے اور میں نے اسے اپنی ساس سے زنا کرتے بھی دیکھا ہے حالانکہ ثابت ہو چکا کہ زنا کا الزام محض غلط ہے اور پستان کا منہ میں ڈالنا کسی بری نیت وشہوت سے نہیں بلکہ ماں سمجھ کر اور بجائے ماں ہونے کے ثابت کرنے کے لئے تھا اور ساس بھی اسے اپنا بیٹا ہی تصور کرتی ہے تو کیا واقعی زید پر زید کی عورت حرام ہو چکی یا نہیں؟ بینوا توجروا

سائل: لال خاں ولد فتا ڈوما نیکا

از کھنگا مہر شاہ ۲۱-۲-۱۳۶۲ھ

اگر بیان سائل صحیح و درست ہے تو زید کی عورت زید پر حرام نہیں ہوئی محض غلط تہمت سے خصوصًا جبکہ اس کا غلط ہونا بھی ظاہر ہو چکا، کیونکہ حرام ہو سکتی ہے اور قرائن حال سے یہی واضح ہے کہ اس نے شہوت و بری نیت سے پستان منہ میں نہیں ڈالا اور وہ بیچارہ کہتا بھی یہی ہے اور ساس بھی اسے بیٹا تصور کرتی ہے اور اس کا ظاہر حال بھی یہی بتاتا ہے تو اس کی عورت اس پر حرام نہیں ہو سکتی جب تک وجہ حرمت متحقق و ثابت نہ ہو لے، فتاوے امام قاضی خان میں ہے وان انکر الشھوة فالقول قولہ الخ بحر الرائق و شامی میں جوہرہ سے ہے لو مس او قبل وقال لم اشتہ الخ شامی میں ہے اما اذا ظھر عدم الشھوة فلا تحرم و لو کانت القبلۃ علی الفم۔ فتاوے عالمگیر میں مجملًا اور فتح القدیر میں مفصلًا ہے والنظر من الفتح قال القاضی الامام یصدق فی جمیع المواضع حتی رأیت افتی فی المرأة اذا اخذت ذکر الختن فی الخصومۃ فقالت کان عن غیر شھوة انھا تصدق اھ و لا اشکال فی ھذا فان وقوعہ فی حالۃ الخصومۃ ظاہر فی عدم الشھوة۔ پس ظاہر ہوا کہ زید کی عورت زید پر حرام نہیں ہوئی اور بکر پر لازم کہ توبہ کرے اور جھوٹے الزام سے باز آئے اور اپنے خدائے قدوس سے ڈرے۔ واللہ ورسولہ اعلم وجل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ ربہ و قواہ علی کل غبی و غوی ۲۱/۱۳۶۲ھ

الاستفتاء

بخدمتِ اقدس حضرتِ الحاج مخدومنا الاکبر قبلہ فقیہِ اعظم محدثِ پاکستان دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنے نابالغ لڑکے کی منکوحہ بالغہ کے ساتھ جو اس کی سالی بھی ہے، زنا کیا ہے، کیا اس صورت میں زید کے لڑکے کا نکاح برقرار ہے یا نہیں؟ یا زید کی منکوحہ اس پر حلال ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح ٹوٹ گیا ہے تو کیا اب وہ یعنی زید کے لڑکے کی منکوحہ بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے؟

(نوٹ) زید نے اور اس کی بہو نے روبرو گواہوں کے زنا کا باقاعدہ اقرار کیا ہے بینوا توجروا۔

(نوٹ) لڑکی کی والدہ کا بیان ہے کہ نکاح کے وقت لڑکا آٹھ سال کا تھا اور اب دس سال کا ہے اور اس بری حرکت کو چھ ماہ ہوگئے ہیں اور اس وقت سے لڑکی میرے گھر ہے، اس وقت لڑکے کی عمر ساڑھے نو سال تھی اور ان دونوں میاں بیوی کی خلوت نہیں ہوئی تھی۔

غلام محمد بقلم خود امام مسجد جال کوٹ۔

السائل: حافظ فتح محمد صاحب وٹو

۱۷ر جون ۱۹۷۴ء

اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو زید کے لڑکے کا نکاح ختم ہوگیا اور جبکہ لڑکا نابالغ ساڑھے نو سالہ نے اپنی بیوی سے نزدیکی اور خلوت بھی نہیں کی اور نہ ہی اس کی عمر نزدیکی کے قابل تھی تو عدت بھی نہیں لہٰذا دوسری جگہ حسبِ دستورِ شرع نکاح کر سکتی ہے مبسوطِ سرخسی ج ۴ ص ۲۰۴ میں ہے واذا وطئ الرجل امرأة بملك يمين اونكاح اوفجور يحرم عليه امها وبنتها وتحرم هي على ابائه و ابنائه نیز ج ۴ ص ۲۰۸ هذا يمنع بقاء النكاح كما يمنع ابتداءه نیز ج ۶ ص ۸۸ میں فرمایا وكذلك المرأة يجامعها ابو زوجها او ابنه اوجامع الزوج امها او بنتها فقد وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق الخ البتہ بعض متاخرین نے کہا کہ ایسی صورت میں خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک کا یہ کہنا کہ میں نے یہ نکاح یا خاوند یا عورت کو چھوڑ دیا یا کوئی اور ایسا لفظ کہنا ضروری ہے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۳۵، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۴۸۳ میں ہے والنظم من التنوير والدر ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر من صاحبه الخ نیز فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۴ اور در المختار اور شامی ج ۲ ص ۴۸۳ میں ہے والنظم منہما در المختار میں ہے وتجب العدة بعد الوطئ لا الخلوة شامی نے فرمایا اى لاتجب بعد الخلوة المجردة عن وطئ الخ لہٰذا وہ لڑکی جو بالغہ اور عاقلہ ہے گواہوں کے روبرو یہ کہہ دے کہ میں نے اس خاوند کو چھوڑا کیونکہ اس

کے باپ نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور پھر حسبِ دستورِ شرع کسی اور شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور زید کی بیوی کا نکاح نہیں ٹوٹتا، درالمختار میں خلاصۃ الفتاویٰ سے ہے (وقررہ الشامی ج ۲ ص ۳۸۶) وطئ اخت امرأتہ لا تحرم علیہ امرأتہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ، ۱۸/۶/۷۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیانِ عظام خصوصاً حضرت فقیہِ اعظم اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی حلال بیوی کے موجود ہوتے ہوئے اپنی سگی سالی سے فعلِ حرام کرے کہ جس سے حمل ٹھہر جائے جس کا اقرار بھی طرفین کرلیں تو آیا اس آدمی کا اپنی بیوی سے نکاح رہ جائے گا یا فسخ ہوجائے گا اور حملِ حرام سے جو بچہ پیدا ہوا اس کے متعلق کیا حکم ہے کہ کس کی زیرِ نگرانی پرورش پائے یا طرفین کو کیا سزا ہونی چاہیے؟ جس وقت کہ ملک میں اسلامی قانون رائج نہیں ہیں۔ فقط والسلام

السائل: محمد شریف بدر نوری خطیب دیول شریف ضلع راولپنڈی تحصیل کوہ مری

نمبردار محمد زمان، ممبر بنیادی جمہوریت پاکستان

سالی سے فعلِ بد بیوی کو حرامِ ابدی نہیں کرتا یعنی نکاح فسخ نہیں کرتا اگرچہ حمل ٹھہر جائے البتہ اگر بھول سے ایسا ہو جائے مثلاً اندھیرے میں سالی کو بیوی جان کر مجامعت کر لی تو سالی پر عدت لازم ہو جاتی ہے اور پھر اس عدت کے پورے ہونے تک بیوی سے پرہیز ضروری ہے اور ایسی صورت میں حمل ہو جائے تو شرعاً بچہ اسی آدمی کا بنے گا تو پرورش بھی اسی کے زیرِ نگرانی ہو گی یعنی پرورش کا خرچہ اسی کے ذمہ ہو گا اور اگر دیدہ دانستہ سالی کے ساتھ زنا کرے تو عدت لازم نہیں ہوتی اور نہ ہی بیوی سے پرہیز لازم اور بچہ بھی اس کا نہیں بنے گا اور نہ ہی پرورش اس کے ذمہ ہو گی، پھر اگر اس سالی کا خاوند ہے یا خاوند کی عدت میں ایسا حمل ہوا تو بچہ خاوند کا بنے گا اور پرورش اسی کے ذمہ ہو گی ورنہ بچہ صرف ماں کا بنے گا تو پرورش بھی اسی کے ذمہ ہو گی، ہاں اس زنا والی صورت میں گو حلال بیوی سے پرہیز لازم نہیں مگر عدت کے اندازے سے مستحب ہے کہ پرہیز کرے درالمختار اور شامی ج۲ ص۳۸۶ میں ہے وفی الخلاصة وطیٔ اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته (هذا من الدر وقال الشامی) فالمعنی لاتحرم حرمة مؤبدة والا فتحرم الی انقضاء عدة الموطوءة لو بشبهة نیز شامی ج۵ ص۳۳۵ میں ہے ومنها (ای من انواع الاستبراء المستحب) اذا زنی باخت امرأته او بعمتها او بخالتها او بنت اخیها او اختها بلا شبهة فان الافضل ان لا یطأ امرأته حتی تستبرء المزنیة فلو زنی بها بشبهة وجب علیها العدة

فلا یطأ امرأتہ حتی تنقضی عدۃ المزنیۃ. فتاوٰے عالمگیر ج۲ ص ۱۳۹ میں ہے وکل امرأۃ وجب علیہا العدۃ فان نسب ولدھا یثبت نیز اسی کے ج۲ ص ۱۴۹ میں ہے نفقۃ الاولاد الصغار علی الاب لایشارکہ احد اور حدیث متفق علیہ میں ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر۔

باقی سزا کیا ہونی چاہئے؟ تو سزا دینا حکومت کا کام ہے، ہاں پنچائتی طور پر ہر وہ جائز طریقہ جو ایسے افعال بد سے باز رکھے، اختیار کر سکتے ہیں اور حتی المقدور ضرور کرنا چاہئے کہ حدیث صحیح میں ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الحدیث۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ر جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ   ۸ $\frac{9}{69}$

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کا لڑکا پہلے خاوند سے موجود تھا بعد ازاں زید نے ایک اور عورت سے نکاح کیا تو پہلی عورت کے اس پچھلے لڑکے نے اس دوسری عورت کو اغوا کر لیا تو کیا وہ

عورت اغوا رشدہ زید پر حرام ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: مولوی شبیر محمد از شہامد ضلع منٹگمری

وہ عورت زید پر حرام نہیں ہوئی بلکہ باقاعدہ نکاحِ زید میں ہے کہ وہ اغوا کنندہ زید کا لڑکا نہیں، اگر زید کا لڑکا ہوتا تو ضرور حرام ہو جاتی، فتاوے عالمگیری میں ہے تحرم المزنی بہا علیٰ اٰباء الزانی واجدادہ اور قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

مکرمی جناب مولانا صاحب مولوی محمد نور اللہ صاحب زاد کرم

السلام علیکم: حسبِ ذیل واقعات کے مطابق حکمِ شریعت سے آگاہ فرما دیں:۔

زید نے اپنے نابالغ لڑکا کی شادی نابالغہ لڑکی سے کی اور لڑکی کو اپنے گھر

رکھا، جب لڑکی سال ڈیڑھ سال کے بعد جوان ہوئی تو اس سے حرام کاری کرنی شروع کر دی، پہلی بیوی سے خود بخود تعلقات خراب ہو گئے۔ لوگوں نے لعنت ملامت کی تو انکار جرم سے کرتا رہا مگر لڑکی نے اپنے باپ اور دیگر آدمیوں سے تمام واقعات بھی بیان کر دیئے کہ میرے ساتھ میرا سسرہ بغیر میری مرضی کے جبراً حرام کاری کرتا ہے، کسی نے اعتبار نہ کیا اور زید نے انکار کیا، آخر سال کے بعد لڑکی کو حمل ہو گیا، پھر دریافت کرنے پر زید نے اپنے فعل کا اقرار نہ کیا، لڑکی تو پہلے بھی ظاہر کر چکی تھی، لڑکا اس وقت بھی نابالغ ہے، جماع کے قابل نہیں، اب اس کے متعلق کیا حکم ہے شریعت کا؟ زید دبے الفاظ میں اقرار انکار کرتا رہا ہے، واقعات اس کو پاک نہیں کرتے، آگے خدا جانتا ہے۔

السائل: محمد خدا یار مانیکا ۱۴/۱۱/۵

اگر یہ صحیح اور ثبوتِ شرعی سے ثابت ہے کہ زید نے اپنے لڑکے کی بیوی سے حرام کاری یعنی زنا یا شہوت سے بوس وکنار وغیرہ کیا ہے اگرچہ صرف ایک مرتبہ ہی ہو تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ ہمیشہ حرام ہو گئی، اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہ رہی مگر وہ عورت کسی اور سے اپنے طور نکاح بھی نہیں کر سکتی جب تک اس کا خاوند بالغ ہو کر متارکہ نہ کرے مثلاً یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑا اور اگر حاکمِ شرع بعد از ثبوت جدائی کا حکم کر دے تو پھر بھی نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے کما صرح

بہ الفقہاء، اور زنا کے شرعی ثبوت کے لئے چار چشم دید نیک گواہ ضروری ہیں قرآن کریم میں ہے لولا جاءو اعلیہ باربعۃ شھداء اور شہوت سے بوسہ و کنار وغیرہ کا ثبوت دو چشم دید گواہوں کی شہادت سے بھی ہوسکتا ہے، قرآن کریم میں ہے واشھدو اذوی عدل منکم اور اگر چشم دید گواہ نہ ہوں تو صرف واقعات یا عورت کا کہہ دینا قابلِ اعتبار نہیں، نہ عورت حرام ہوتی ہے اور نہ ہی نکاح فاسد ہوتا ہے، ہاں اگر خاوند بالغ ہونے کے بعد تصدیق کر دے تو عورت حرام ہو جائے گی اور خاوند پر فرض ہوگا کہ اسے چھوڑ دے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۵ میں ہے قال لھا من افتضك فقالت ابوك ان صدقھا الزوج بانت منہ (الی ان قالوا) وان کذبھا فھی امرأتہ کذا فی الظھیریۃ اور ایسے ہی زید کے دیئے الفاظ سے اس کے لڑکے کا حق نکاح سلب نہیں ہو جاتا کہ باپ کی ولایت نظریہ ہے ضرر محض کا مختار نہیں کما صرح بہ قاطبۃ البتہ بعد بلوغ لڑکا تصدیق کر دے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ ربیع الاول شریف ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید

نے اپنے لڑکے بکر کی شادی کی، پھر چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ زید خود بھی چوری اپنے لڑکے کی موطوءا کے ساتھ وطی کرتا ہوا پکڑا گیا، تمام چک میں شہرت ہوگئی کہ زید زانی ہے، اب وہ لڑکی بکر کے لئے حلال ہے یا حرام؟ مکمل جواب باحوالہ سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد یوسف جالندھری

اگر واقعی زید نے ایسی بدترین غلطی کی ہے تو وہ عورت زید کے لڑکے بکر پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، بکر پر لازم کہ اسے چھوڑ دے اور وہ عدت گزار کر حسب دستور شرع کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے کما فی عامۃ المعتبرات فی المذہب المہذب الحنفیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۹؍ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ
۲۴؍۱۰؍۷۵ء

ے سائل نے یونہی لکھا ہے ۱۲

الاستفتاء

فیضدرجت حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم : مزاج اقدس ! حاملِ رقعہ ہذا بخدمتِ عالیہ حاضر آتا ہے، چونکہ ایک غیر مقلد مولوی نے حنفی مذہب کے مخلاف فتوے تحریر کیا ہے جو کہ حنفیوں کے کسرِ شان ہے اور ساتھ ہی تحریر کیا ہے کہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حنفی مذہب پر بہتان لگاتا ہے۔ یہ فتوے میاں صاحب میاں نور الصمد خاں کے پیش کیا تو انھوں نے آپ کی خدمت میں برائے تصدیقِ مسئلہ کے بھیجا ہے لہٰذا آپ براہِ کرم فتاوے عالمگیری کی اصل عبارت بمعہ خلاصہ متن اور صورتِ مسئلہ بطورِ جواب تحریر فرما دیں۔

مستفتی : قطب الدین بقلم خود از دیواسنگھ ضلع منٹگمری

(نقل فتویٰ مولوی عبد العزیز غیر مقلد از دیواسنگھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص کو شہوت کی وجہ سے آلت میں انتشار آگیا تو اس نے اپنی بیوی یعنی جورو کو طلب کیا تو وہ نہ ملی لیکن شہوت سے آلت اسی طرح ہے تو وہ شخص اپنی بیٹی کی ٹانگوں میں آلت داخل کر دے تو کیا یہ حنفی مذہب میں جائز ہے۔ سائل : سلیمان زرگر

(جواب)

ہاں جی حنفی مذہب میں بلاشک دبے دھڑک جائز ہے، فتاوے عالمگیر کتاب النکاح ج ۱ ص ۹۹ میں ہے فمن انتشرت آلتہ فطلب امرأتہ واولجها

بین فخذی ابنتہا لا تحرم علیہا امہا ما لم تزداد انتشارا کذا فی التبیین، خلاصہ یہ کہ حنفی مذہب میں یہ جائز ہے بلکہ آلت کے زیادہ منتشر ہونے سے اس کی جورو حرام ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

کتبہ عبدالعزیز مہاجر ، ۲ ربیع الاول شریف ۸۷ھ

یہ فتوے فتویٰ نہیں بلکہ فتنہ ہے اور محض بہتان ہے، بلاشک و شبہ و ریب مذہب مہذب حنفی میں یہ فعلِ شنیع ہرگز ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی کوئی عقلمند اسے جائز کہہ سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیر اور تمام کتب مذہب میں صاف صاف تصریح ہے کہ لڑکی محرماتِ ابدیہ سے ہے، لڑکی کے ساتھ کسی صورت میں کبھی نکاح نہیں ہو سکتا اور جب نکاح ہی نہیں ہو سکتا تو یہ فعلِ شنیع کیسے جائز ہو؟ فتاوےٰ[1] عالمگیر کی اصل عبارت یہ ہے فمن ابتشرت الته فطلب امرأته واولجها بین فخذی ابنتہا لا تحرم علیہ امہا ما لم تزداد انتشارا کذا فی التبیین جس کا ترجمہ یہ ہے پس جو شخص منتشر ہوئی آلت اس کی، پس طلب کیا اس نے اپنی بیوی کو اور داخل کیا اسے اپنی عورت کی لڑکی کے دونوں رانوں میں تو اس شخص پر اس لڑکی کی ماں حرام نہیں ہو جاتی جب تک انتشار زیادہ نہ ہوا ہو، اس طرح تبیین میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلب کرے اور

[1] فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مجیدی کانپور ج ۲ ص ۵

رات وغیرہ کے اندھیرے میں بھول کر بیوی کے بجائے بیوی کی لڑکی کے رانوں میں داخل کر دے اور جدا ہو گیا، زنا نہیں کیا تو اگر اس وقت انتشار زیادہ ہو گیا تو اس کی بیوی حرام ہو جائے گی (کہ لڑکی کے ساتھ صرف اتنی ہی شہوت رانی سے اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے گو غلطی سے ہی ہو) اور اگر انتشار زیادہ نہ ہو تو بیوی حرام نہیں ہوتی (کہ لڑکی پر شہوت نہ پائی گئی) اور طلب بیوی والی شہوت ہی رہی تو یہ مسئلہ صرف بیوی کے حرام نہ ہونے کا ہے اور اس عبارت میں اس فعل کے جائز ہونے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں اور نہ ہی اس عبارت میں اپنی بیٹی سے تو وہ بیہودہ بات خلاصہ کیسے بنی؟ تو ثابت ہوا کہ غیر مقلد صاحب کا فتوے غلط ہے اور بہتان ہے اور غیر مقلد صاحب کے علم کا کیا کہنا کہ یہ چھوٹی سی عبارت بھی صحیح نہ لکھ سکا "علیہ" کو "علیھا"، "مالم تزدد" کو "مالم تزداد"، "التبیین" کو "التبین" لکھا، جسے اتنی سمجھ ہے وہ یونہی شور برپا کرتا ہے ورنہ اپنے بزرگوں کو بھی دیکھنا کہ وہ کیا لکھ گئے ہیں، ان کے بڑے بزرگ قاضی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۴۱۰ پر لکھتے ہیں لاتحرم علیہ امرأتہ اذا زنیٰ بامھا او بابنتھا (ترجمہ) نہیں حرام ہوتی مرد پر اس کی عورت جس وقت زنا کرے اس کی ماں یا اس کی لڑکی کے ساتھ؛ تو کیا وہ مولوی صاحب اس عبارت سے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک اپنی لڑکی اور ساس کے ساتھ زنا جائز ہے؟

تعجب ہے کہ ان کے نزدیک تو ساس اور عورت کی لڑکی کے ساتھ زنا کرنے سے بھی عورت حرام نہیں ہوتی اور اعتراض کرتے ہیں مذہبِ احناف پر، حضرتِ رب العالمین جل وعلا ہدایت فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک

و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مؤرخہ ۲ ربیع الاول شریف ۸۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت اور اس کا خاوند دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے داماد نے تقریباً عرصہ ڈیڑھ سال ہو چکا ہے کہ رات کے وقت جبکہ اس کی بیوی اور ساس ایک ہی چارپائی پر اکٹھی سوئی ہوئی تھیں آ کر اپنی ساس کو اپنی بیوی سمجھ کر چھوا اور پاؤں دبائے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ نکاح ٹوٹا ہے یا نہیں؛ جبکہ ان کا داماد اس کا قطعاً انکار کرتا ہے اور مدعیان نے بھی اس وقت اظہار نہیں کیا بلکہ اب جس وقت خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا ہے تو ایسا کہتے ہیں، وہ ان کا داماد قسم اٹھانے کو تیار ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور اس کی ساس قسم اٹھانے کو تیار ہے کہ ایسا ہوا ہے، تو ان میں کس کی قسم لی جا سکتی ہے؟

السائل: حافظ محمد اسلم (ساہیوال)

شرعاً داماد کا اپنی ساس کا پاؤں چھونا یا دبانا، اگر شہوت سے ہو تو نکاح ختم ہو جاتا

ہے مگر اندریں صورت جبکہ داماد انکار کرتا ہے ثبوت مشکل ہے کیونکہ ساس مدعیہ ہے اور داماد منکر ہے اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ البینۃ علی المدعی والیمین علیٰ من انکر حالانکہ یہاں کوئی گواہ نہیں، فتاوے عالمگیریہ ج ۲ ص ۵ میں ہے وان انکر الزوج ان یکون بشھوۃ فالقول قول الزوج، تنویر الابصار، درالمختار، شامی علی الدر ج ۲، ص ۳۸۹ میں ہے (وان ادعت الشھوۃ) فی تقبیلہ او تقبیلہا ابنہ (وانکرھا الرجل فھو مصدق) یوں ہی شامی نے فرمایا لانہ ینکر ثبوت الحرمۃ والقول للمنکر، خصوصًا دو سال کے بعد دعوے کرنا اور وہ بھی جبکہ زوجین میں جھگڑا پیدا ہوا بظاہر ساس کی تکذیب کا قرینہ ہے حالانکہ فقہائے کرام نے قرآن کا بھی اعتبار فرمایا ہے کما فی الشامیۃ فی ھذا الباب ایضًا لہٰذا اگر داماد حلف شرعی اٹھائے کہ مَس ہی نہیں کیا، یا کیا ہے مگر شہوت سے نہیں تو نکاح بدستورِ سابق برقرار رہے، در ساس کا کہنا قابلِ اعتبار نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا الحبیب الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ، $\frac{6}{77}$ ۱۶

باب الرضاع

بابُ الرّضاع

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ خیر الدین چار ماہ چند دن کا تھا کہ ہندہ کی پرورش میں گیا، اس وقت ہندہ کی گود میں اس کا لڑکا نیاز احمد ۳/۴ سال کا تھا، ہندہ فوت ہو چکی ہے اور مدت ۱۸/۲ سال گزر چکی، خیر الدین، نیاز احمد اور ان کے قریبی تو کہتے ہیں کہ خیر الدین نے ہندہ کا دودھ پیا ہی نہیں، ہندہ کے دودھ ہی نہ تھا، نیاز احمد بڑا ہو چکا تھا بلکہ گائے کے دودھ پر پرورش کی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خیر الدین نے ہندہ کا دودھ پیا تو ان حالات میں ہندہ کے کسی لڑکے کی لڑکی خیر الدین کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور کوئی مانع نہیں۔ بینوا توجروا

از پاکپتن شریف بمعرفت مولانا الحاج محمد شریف

صورتِ مذکورہ بالا میں جب تک نصاب شرعی شہادت یعنی دو مرد عدل یا دو

عورتیں اور ایک مرد عدول کی شہادت نہ ہو، خیر الدین پر ہندہ کی کوئی پوتی حرام نہیں ہوسکتی، خواہ کئی عورتیں عدلات یا غیر عدل متعدد مرد اپنا دیکھا بیان کریں، شہادت دیں البتہ اگر خیر الدین ان کی تصدیق کردے تو حرمت ثابت ہوجائے گی اگرچہ ایک عورت ہی کی تصدیق کرے، فتاوےٰ عالمگیر، بدائع صنائع میں ہے و النظم من الھندیۃ ولا یقبل فی الرضاع الا شہادۃ رجلین او رجل و امرأتین عدول کذا فی المحیط و ھکذا فی الخانیۃ و المبسوط و الدر و غیرھا من اسفار المذھب المھذب. ہندیہ وغیرہا میں ہے و ان صدقھا الرجل و کذبتہ المرأۃ فسد النکاح البتہ اشتباہ کی صورت میں پرہیز بہتر ہے، جتنا شبہ قوی ہوگا اتنا ہی بچنا بہتر ہوگا کہ یہ عمر بھر کا معاملہ ہے، ایسا نہ ہو کہ بھتیجی کو جو لڑکی کا حکم رکھتی ہے، بیوی بنائے رکھے مگر حرمت کا حکم بلا شہادتِ شرعیہ یا تصدیق یا اقرار کے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و صحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی الاشرفی غفرلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ معین شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ شمشیر علی بعمر ۲۰ سال کا نکاح پھوپھی زادہ بہن مسماۃ نوراں سے ہوا، شادی نہیں ہوئی، بوقتِ نکاح نکاح خواں کے روبرو کسی قسم کا کوئی ذکر اذکار یا اغراض نہ ہوا اور نہ ہی ذاتی طور پر نکاح خواں کو کوئی علم تھا لیکن چند دن بعد شنید میں آیا کہ شمشیر علی مذکور نے اپنی دادی مسماۃ جگاں کا دودھ پیا ہوا ہے نکاح خواں نے شمشیر علی کے والد مسمیٰ رب نواز اور چچا امیر محمد کو بلا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا

کہ شمشیر علی کی عمر تقریباً ایک سال کی تھی کہ اس کی ماں بیمار ہوگئی، حکمار کے فرمان کے مطابق شمشیر علی کو ماں کا دودھ پلانا بند کر دیا گیا تھا پھر بکری کے دودھ مکھن اور چوری پر پرورش شروع کی، ماہ دو ماہ بعد شمشیر علی کی ماں فوت ہوگئی اس کو دادی مسماۃ جگاں نے پرورش بدستور جاری رکھی، اس وقت مسماۃ جگاں کی عمر تقریباً ۶۵ سال کے قریب تھی، دوسرے اس کے ہاں شیر خوار بچہ نہ تھا مساۃ جگاں کے آخری بچہ مسمّی خدا بخش کی عمر تقریباً پندرہ سال سے زیادہ تھی نہ اس کے پستانوں میں دودھ تھا نہ اس نے اپنے پستان اپنے پوتے کے منہ میں دیئے، ہم نے اپنی آنکھوں سے پستان ناکح کے منہ میں نہیں دیکھے، اس وقت ناکح کی دادی مسماۃ جگاں فوت ہوچکی ہے ورنہ خود بیان کرتی نیز تسلی کے لئے نکاح خواں سے ناکح کے چچا ملوک اور خدا بخش، چچی گامی، اللہ وسائی پھوپھی، جٹو مائی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی ناکح کی پیدائش کے ایک سال بعد اس کی والدہ بیمار ہوکر ماہ دو ماہ بعد مرگئی تھی، ناکح کو دادی نے پالا پوسا تھا مگر پستان ہم نے مسمّی شمشیر علی کے منہ میں نہیں دیکھا مساۃ جگاں (دادی) کی عمر ۶۵ سال کے قریب ہوگی اور اس کے ہاں کوئی شیر خوار بچہ نہ تھا، اس کے آخری بچے خدا بخش کی عمر بھی پندرہ سال سے زیادہ تھی، یہ سب لوگ ناکح کے قریبی رشتہ دار صاحب اتفاق خیر خواہ اور قریبی ہی یہ ہیں پھر ان رشتہ داروں سے دریافت کرنا شروع کیا جن سے ناکح کا اتفاق نہ تھا، مسمّی اللہ بخش ناکح کی دادی کا سگا بھائی بعمر ۹۰ سال مساۃ امناں ناکح کی دادی کی بھاوجہ بعمر ۸۸ سال مساۃ امناں ناکح کی مانی کی ماں بیوہ فضلہ بعمر ۸۰ سال مسمّی عطا محمد بعمر ۴۰ سال ناکح کا ماموں مساۃ احمد، ناکح کی مانی مساۃ بھرا داں، مساۃ گنہور، ناکح کی مانی کی بہنیں مساۃ پٹھانی زوجہ لال، ناکح کی دادی کی بھاوجہ بعمر ۶۰ سال، ان سب کے بیان بھی یہی رہے کہ واقعی مسمّی شمشیر علی ناکح کی ماں بیمار ہوگئی تھی، اس وقت ناکح کی عمر تقریباً ایک سال تھی، ماہ دو ماہ بعد اس کی ماں مرگئی، اس کی دادی جگاں بعمر ۶۵ سال نے پالا پوسا تھا، اس کے ہاں شیر خوار بچہ نہ تھا، اس کے آخری بچے خدا بخش کی عمر اس وقت پندرہ سال سے

زیادہ تھی مگر دادی جگاں کا پستان شمشیر علی ناکح کے منہ میں ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا انہی لوگوں میں سے دو گواہ اور بھی ملے جن کے بیان درج ذیل ہیں، ان کا ناکح کے ورثاء سے کچھ برادری تنازع بھی ہے۔

مسمیٰ کریم بخش و مسمیٰ عظیم بخش پسران لال قوم جھنبہ ناکح کے رشتہ دار ہیں، کلمہ پڑھ کر اپنے خدا کی قسم اس طریقہ سے اٹھائی کہ ہمیں قسم ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں پیدا کیا جو عالم الغیب ہے، ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مسمیٰ شمشیر علی ناکح کو اپنی دادی کا پستان منہ دیا ہے دیکھا تھا مگر دودھ کا ہمیں علم نہیں ہے کہ آتا تھا یا نہ، ویسے یہ ٹھیک ہے کہ مساۃ جگاں کے ہاں کوئی دوسرا شیر خوار بچہ نہ تھا اور اس کے آخری بچے خدا بخش کی عمر پندرہ سال سے زیادہ تھی، اس وقت ہماری عمر فیض محمد ولد شیر محمد کی عمر کے برابر تھی، فیض محمد کو بلا کر دیکھا گیا جس کی عمر تقریباً دس بارہ سال کے قریب ہے مساۃ پٹھانی مذکور مسمیٰ کریم بخش و عظیم بخش کی ماں ہے جس کے بیان مندرجہ بالا بیانات میں گزر چکے ہیں اور اپنے بیٹوں کے خلاف میں یہ سب بیانات ایک کثیر مجمع میں دوبارہ لئے گئے اور پڑھ کر سنائے گئے لہٰذا التماس ہے کہ از روئے شرع شریف واضح فرمادیں کہ شمشیر علی ناکح کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ناکح منکوحہ، نکاح خواں، وکیل، گواہاں، ورثاء اور شامل شدگانِ نکاح کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

اگر صورتِ سوال درست ہے تو نکاح صحیح ہے کیونکہ رضاع صرف بے سرد پا شنید سے ثابت نہیں ہوتی، اس کا ثبوت اقرارِ ناکح یا شہادتِ شرعیہ سے ہی ہو سکتا ہے یعنی

پابندِ شریعت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں۔ فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ میں ہے الرضاع یظھر بامرین احدھما الاقرار والثانی البینۃ کذا فی البدائع ولا یقبل فی الرضاع الاشھادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ، ۷۶-۷-۲۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرعِ متین اندریں صورت کہ لڑکی لڑکے کا نکاح ہونے کے بعد بھی اور پہلے بھی لڑکی اور لڑکے کی مائیں کہتی تھیں کہ لڑکی کی ماں نے لڑکے کو دودھ پلایا ہے اور کوئی ان کے علاوہ گواہ نہیں، لڑکی اور لڑکا کہتے ہیں کہ دودھ نہیں پلایا گیا ہاں البتہ شریعت اس نکاح کو فسخ کر دے ہمیں شریعت منظور ہے۔ لڑکے کی والدہ کہتی ہے ایک دفعہ پلایا گیا ہے اور لڑکی کی والدہ مطلق کہتی ہے کہ بس پلایا ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: محمد حنیف چک ۴/ R تحصیل اوکاڑہ

صورتِ مسئولہ اگر واقعی اور صحیح ہے تو یہ نکاح نافذ وغیر منفسخ ہے کہ رضاع دو مرد یا ایک مرد، دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ سب گواہ عادل ہوں فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ میں ہے ولا یقبل فی الرضاع الاشہادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط، ہدایہ ج ۲ ص ۳۴۴ میں ہے ولا یقبل فی الرضاع النساء منفردات الخ اور اخبار قبل نکاح اور بعد نکاح میں بھی ظاہر الروایۃ میں کوئی فرق نہیں، شامی ج ۲ ص ۵۶۸ میں بحرالرائق سے ہے ان ظاہر المتون انہ لا یعمل بہ مطلقا فلیکن ھو المعتمد فی المذھب الخ، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۵ میں ہے ان کذبا ھا فالنکاح بحالہ ہاں بہتر اور افضل یہ ہے کہ مفارقت کر دیں مگر لازم نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین:

ایک بچے کی پیدائش کے بعد اس کی والدہ بیمار ہو گئی اور علاج کے لئے اپنے دیور

کے ہاں چلی گئی، وہاں ایک رات بچے کی والدہ بیماری کی وجہ سے بیہوش ہوگئی تو بچے کی چچی نے اس کو اپنے ساتھ سلا لیا، اب شک گذارا ہے کہ سوتے میں بچے نے دودھ نہ پی لیا ہو، اب اس بچے کی شادی اس کے چچا کی لڑکی سے ہونے والی تھی تو چچی نے وہم میں ڈال دیا ہے، موقع کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے اور وہ لڑکی اس لڑکے سے چار پانچ سال چھوٹی ہے کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟

السائل: اللہ دتہ ڈسکہ کلاں مکان ۸۹ ضلع سیالکوٹ

چھوٹے بڑے ہونے کا تو اعتبار نہیں مگر صرف شبہ سے رضاع ثابت نہیں ہوتی درالمختار[ع] ج ص ۲۰۹ میں ہے لو التقم الحلمة ولم يدر ادخل اللبن في حلقه ام لا لم يحرم لان في المانع شكا لہذا یہ نکاح جائز ہے، واللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۹ھ
۲۲-۸-۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اندریں مسئلہ کہ ایک لڑکی نے دوسری عورت کا شیر پی لیا

ع مطبع احمدی، دہلی

دوسری عورت کا لڑکا اس لڑکی کے ہم سن تھا، اب اس لڑکے کی شادی اس لڑکی کی بڑی ہمشیرہ کے ساتھ کرے، کیا وہ اس کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟

سائل: مستری محمد رمضان فریدی عفی عنہ

جائز ہے، بدائع صنائع ج ۴ ص ۵ میں ہے یجوز للرجل ان یتزوج اخت اختہ من الرضاع وھذا ظاھر۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وصلی اللہ علیٰ حبیبہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

السلام علیکم: عرضِ احوال یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں رقعہ ارسال ہے کہ جناب کو عرض کیا ہے کہ دو بہنیں ہیں، بڑی بہن کے لڑکے کو چھوٹی بہن نے شیر پلادیا ہے۔ عرض یہ ہے کہ شیر والے لڑکے کے علاوہ بڑا لڑکا یا چھوٹا لڑکے کو اس کی لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں، عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تحریر کردی جائے۔

سائل: محمد خان وٹو ماہو نکا سکنہ لالو پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

شیر پینے والے لڑکے کے علاوہ اس کے بڑے بھائی یا چھوٹے بھائی کے ساتھ شیر ملانے والی کی لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۴۲ میں ہے وتحل اخت اخیہ رضاعا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

مورخہ ۶۴-۸-۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ زید نے سلمیٰ سے نکاح کرنا چاہا مگر سلمیٰ کی والدہ ہندہ غیر عدلہ نے کہا کہ میں نے غلطی سے زید کو بچپن میں اپنا دودھ پلایا ہے اور اس پر کوئی شاہد نہیں اور زید وغیرہ اسے تسلیم بھی نہیں کرتے تو کیا زید کا سلمیٰ سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح سلمیٰ سے ہو سکتا ہے کہ رضاع خصوصًا غیر عدلہ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا، مبسوطِ سرخسی ج ۳ ص ۳۰۲، ۳۰۳ میں ہے شہادۃ المرأۃ الواحدۃ علی الرضاع لا تتم حجۃ الفرقۃ عندنا (الی ان قال) ولا فرق فی الفصلین بین ان تکون الشہادۃ بعد عقد النکاح او قبلہ۔ شامی ج ۲ ص ۵۶۸ میں ہے: لا تقبل شہادۃ المرضعۃ عند ابی حنیفۃ واصحابہ۔ فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ میں ہے ولا تقبل فی الرضاع الاشہادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط اور ایسے ہی کنز اور تنویر اور درالمختار وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۲، شامی ج ۲ ص ۵۶۸ میں ہے افاد انہ لا یثبت بخبر الواحد امرأۃ کان او رجلا قبل العقد او بعدہ صرح بہ فی الکافی والنہایۃ (الی ان قال) ظاہر المتون انہ لا یعمل بہ مطلقا فلیکن ھو المعتمد فی المذھب، فتاوےٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۹۱ ان اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشہدت امرأۃ قبل النکاح انہا ارضعتہما کان فی سعۃ من تکذیبہا نیز فتاوےٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۹۱ میں ہے وکما لا یفرق بینہما بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشہادتہن فکذلک قبل النکاح مگر جب ان کے دل میں یہ پڑے کہ یہ عورت سچی ہے تو بہتر ہے کہ بچے۔ فتاوےٰ عالمگیری وغیرہا میں ہے وان کان المخبر واحدا ووقع فی قلبہ انہ صادق فالاولی ان یتنزہ ویأخذ بالثقۃ وجد الاخبار قبل العقد او بعدہ ولا یجب علیہ ذلک کذا فی المحیط۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ
خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی القادری نورہ ربہ وقواہ علیٰ کل غبی وغوی

۱۳۶۲-۶-۴

سائل منظر کہ مساۃ عرشاں نے جب ڈھائی سال کی تھی تو اس نے اپنی نانی کا دودھ پینا
شروع کیا اور تقریباً چھ ماہ پیتی رہی تو اس کا نکاح مسمیٰ محمد ولد صدیق کے ساتھ جائز ہے حالانکہ یہ
صدیق مساۃ عرشاں کا ماموں اسی نانی کا لڑکا ہے جس کا دودھ پیتی رہی تھی۔
السائل: چراغ ولد اسمٰعیل قوم ماچھی چک 161/E.B ڈاکخانہ فتنہ ضلع منٹگمری
(نشان انگوٹھا سائل)

اگر مساۃ عرشاں نے صدیق کی ماں کا دودھ ڈھائی سال قمری کے اندر پیا ہے اگرچہ
ایک ہی قطرہ پیا ہو تو وہ صدیق کی بہن بن جائے گی اور صدیق کا لڑکا محمد اس کا بھتیجا اور وہ اس
کی پھوپھی ہوئی تو ان کا نکاح نہیں ہوسکتا، اور اگر پورے ڈھائی سال قمری کے پیچھے دودھ
پیا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نکاح جائز ہوگا، اچھی طرح تحقیق کرلیں، عمر بھر کے لئے

حرام وحلال کا معاملہ ہے خدانخواستہ اگر غلطی کریں تو عمر بھر زنا کا گناہ سب ذمہ داروں کو بھی ہوگا قمری سال بارہ ماہ کا چاند کے لحاظ سے ہوتا ہے اور انگریزی اور دیسی سال سے تقریبًا دس دن چھوٹا ہوتا ہے، اچھی طرح حساب لگالیں، حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶ میں ہے کل من تحرم بالقرابۃ والصھریۃ تحرم بالرضاع، ص ۴۲ میں ہے و وقت الرضاع فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ مقدر بثلثین شھرا۔ قرآنِ کریم میں ہے ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوات والارض۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ رجمادی الاخری ۷۴ھ ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ ایک عورت نے زید کو ایک سال کی عمر میں تقریبًا دودھ پلایا، آیا وہ عورت زید کو اپنی لڑکی دے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد رمضان از رتیاں ٹبیاں ضلع منٹگمری

زید عورتِ مذکورہ کا دودھ پینے کی وجہ سے لڑکا بن گیا ہے تو اس عورت کی لڑکی زید کی بہن بنی اور بہن سے نکاح یقیناً حرام اور سخت حرام ہے، اس میں کوئی ایماندار شک نہیں کرسکتا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی زید کی زوجہ منکوحہ جس میں سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، بعد پرورش مذکورین مؤنثین کے یا قبل مذکور مسمّٰی زید فضلِ الٰہی سے فوت ہوگیا تو فوت ہونے کے بعد مسمات مذکورہ نے کسی اور رجل سے نکاح کیا پھر اسی رجل کے نکاح میں حاملہ ہوئی اور ایک لڑکا جنی تو اس لڑکے کی مادر نے کسی اجنبی لڑکے کو دودھ پلایا، کیا وہ پہلی دونوں لڑکیوں سے یہ اجنبی نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

وہ لڑکیاں اور اجنبی لڑکا رضاعی بہن بھائی ہیں لہٰذا اس پر حرام ہیں اور اس صورت میں تو ، اگر لڑکے نے دودھ بھی نہ پیا ہوتا تب بھی اس پر حرام تھیں کہ دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، قرآنِ کریم میں ہے واخواتکم من الرضاعۃ اور حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب اخرجہ الشیخان نیز قرآنِ کریم میں ہے وان تجمعوا بین الاختین ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

قبلہ حضرت صاحب

السلام علیکم : بعد از سلامِ مسنون !

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ہمشیرہ کی سوکن کی لڑکی میرے لڑکے کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں جبکہ میرے لڑکے نے میری ہمشیرہ کا دودھ پیا ہوا ہے، کیا رضاعت ہمشیرہ کی سوکن کی لڑکی کے ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل : محمد یعقوب قوم ارائیں نزد مسجد بی کالونی سٹلج کاٹن ملز اوکاڑہ ۳/۷۶ ۱۹

اگراس سوکن کی لڑکی کے باپ کا دودھ آپ کے لڑکے نے پیا ہے بایں صورت کہ آپ کی ہمشیرہ کا دودھ جو پیا ہے وہ ہمشیرہ کے اس بچے کے ہونے کی وجہ سے ہے جو اس لڑکی کے باپ سے ہوا ہے تو آپ کا وہ نسبی لڑکا اس لڑکی کے باپ کا رضاعی بیٹا بن گیا ہے اور لڑکی کا رضاعی بھائی لہٰذا ان کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر ہمشیرہ کا وہ بچہ کسی اور خاوند سے ہے جس کے ساتھ آپ کے لڑکے نے دودھ پیا ہے یا وہ لڑکی سوکن کے کسی اور خاوند سے ہے تو پھر رضاعی بہن بھائی نہیں بنیں گے اور نکاح جائز ہے کما ھو مبین ومتبین فی اسفار المذھب الحنفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعلیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۹۶ھ
۲۳ / ۳ / ۷۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمّی محمد کا بچہ پیدا ہوا تو اس کی بیوی نے جو اس بچہ کی ماں ہے، مسمّی رجب علی کو مدتِ رضاع میں دودھ پلایا اور

اس وقت یہ خیال نہ تھا کہ رجب علی کو رشتہ دیں گے، تو کیا رجب علی مسمّیٰ محمد کی لڑکی جو اس دودھ پلانے والی بیوی کے بیٹ سے ہے، نکاح میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز مسمّیٰ محمد کی دوسری بیوی کے بیٹ سے جو لڑکی ہو اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نکاح ہوسکتا ہے بینوا اما جورین من رب العلمین۔

ابوالوفار از ٹھٹھہ سید علی

لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم بھائی کا نکاح بہن کے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے بلاشک وشبہ وگنجائش ریب مسئلہ مسئولہ میں مسمّیٰ محمد رجب علی کا رضاعی باپ بن گیا اور اس کی تمام لڑکیاں اس کی رضاعی بہنیں بن گئیں اور شریعتِ مطہرہ میں بہنوں کے ساتھ نکاح قطعاً نہیں ہوسکتا، خواہ باپ یا ماں دونوں یا ایک کے ذریعہ سے بہن بنے اور خیال نہ رہنے کا عذر بیہودہ ہے نسبی لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں کسی کو یہ خیال اور وہم نہیں آتا کہ اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کرے گا تو کیا بعد میں کرسکتا ہے؟ قطعاً نہیں! قرآنِ کریم میں صراحۃً ارشاد ہے واخواتکم من الرضاعۃ اور احادیثِ محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نمایاں طور پر یہی ثابت کر رہی ہیں، بخاری شریف ج ۲ ص ۷۸۸، سنن نسائی ج ۲ ص ۶۷، سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸، سنن ابوداؤد ج ا ص ۲۸۰، سننِ ترمذی ص ۱۴۸، صحیح مسلم ج ا ص ۴۶۶، سننِ بیہقی ج ۷ ص ۴۵۲، کنز العمال ج ۳ ص ۲۴۷ وغیرہا کتبِ معتبرۂ حدیث شریف میں ہے بالفاظِ متقاربہ مرفوعاً یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۳۴۲ وغیرہا اسفارِ مذہبِ مہذب میں بالکل صاف صاف یہی فتوے اور حکم مندرج

ہے و النظم من الهندية فالكل اخوة الرضيع و اخواته، یہ تو رضاعی باپ کی نسبی لڑکیاں ہیں شرعاً رضاعی لڑکیاں بھی رضاعی لڑکے پر حرام ہیں، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵۳، کنز العمال ج ۳ ص ۲۴۵، مبسوط ج ۳۰ ص ۲۹۳ وغیرہا میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فتوے موجود ہے سئل ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما عن رجل يكون له امرأتان فترضع احدٰهما صبيا و الاخرىٰ صبية قال لا اللقاح واحد لا تحل له۔ اور یہی حکم متون و شروح و فتاوے سے ثابت و مبرہن و مبین ہے، پس آفتاب نیمروز اور مہتاب نیم ماہ سے بھی نمایاں طور پر ثابت ہوا کہ رجب علی مسمّٰی محمد کی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا، اس حکم کا خلاف وہی کرے گا جو محض جاہل اور شرعی احکام سے غافل ہو یا بالکل دیوانہ یا شیطان کا فرزندِ فرزندانہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

النور غفرلہ

۷ ذی القعدۃ المبارکہ ۶۷ھ

الاستفتاء

چند سوالات کے مختصر جوابات

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

سوالات

سوال نمبرا : زید اور شمیم خالہ زاد بہن بھائی ہیں، زید نے شمیم کے ہمراہ اس کی والدہ کا دودھ پیا ہے اس طرح یہ دونوں رضاعی بہن بھائی بھی ہوئے۔

(ا) کیا ان دونوں کی شادی ہوسکتی ہے؟

(ب) کیا زید شمیم کی چھوٹی یا بڑی بہن سے شادی کرسکتا ہے؟

جوابات

(ا) ہرگز نہیں بحکم قرآنِ کریم بہن بھائی ہیں۔

(ب) شمیم کی کوئی بہن یا بھتیجی یا بھانجی یا اور کوئی ایسی لڑکی جو شمیم کے والد یا والدہ کی اولاد سے ہو، زید کے نکاح میں بحکم حدیث شریف نہیں آسکتی البتہ شمیم کی ایسی رضاعی بہن جو شمیم کے والدین میں سے کسی ایک کی رضاعی بچی بن سکے تو وہ جائز ہے مثلاً کسی اجنبی عورت کا شمیم نے دودھ پیا تھا تو اس عورت کی رضاعی یا نسبی لڑکی شمیم کی رضاعی بہن ہوگی اور زید کے لئے جائز ہوگی۔

(ج) کیا شمیم کی شادی زید کے دوسرے چھوٹے یا بڑے بھائیوں میں کسی کے ساتھ ہو سکتی ہے ؟

(ج) ہاں جائز ہے بحکم القرآن الکریم۔

(د) کیا شمیم اور زید کے علاوہ ان کے دوسرے بہن بھائیوں کی ایک دوسرے سے شادی ہو سکتی ہے ؟

(د) جائز ہے۔

سوال نمبر ۲ :۔ مسرت جبین اور شرف الدین کی آپس میں کسی قسم کی رشتہ داری نہیں اور نہ ہی ایک قوم کے ہیں، مسرت جبین نے اپنا دودھ شرف الدین کے کان میں ڈالا جبکہ اس کے کان میں درد تھا، ایسی عمر میں جبکہ یہ شادی شدہ بھی ہیں اور نوجوان بھی،

(ا) کیا اس دودھ کی وجہ سے شرعی حیثیت سے ان کے ایک دوسرے پر کوئی حقوق واجب ہو جائینگے ؟

(ا) مدت رضاع (دو یا ڈھائی سال) کے بعد حرمت رضاعیہ ثابت نہیں ہوتی بحکم الحدیث الشریف، لہٰذا کوئی رضاعی رشتہ نہیں بن سکتا۔

(ب) کیا یہ برادری رشتہ میں منسلک ہو جائیں گے ؟

(ب) ہرگز نہیں۔

(ج) اگر کچھ عرصہ بعد دونوں آپس میں شادی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں ؟

(ج) ہاں کر سکتے ہیں بحکم القرآن الکریم۔

(د) کیا ان دونوں کے بچوں کی ایکدوسرے سے شادی ہوسکتی ہے؟

سوال نمبر ۳۔ کیا بیوی کو خاوند کے کان میں دودھ ڈالنا چاہیئے جبکہ اس کو تکلیف ہو؟

(د) ہاں ان کے بچوں کی بھی ایک دوسرے سے شادی ہوسکتی ہے۔

(۳) ہاں ڈال سکتی ہے کہ مدتِ رضاع کے بعد حرمت نہیں ہوتی البتہ اگر خاوند بالکل چھوٹا بچہ مدتِ رضاع کے اندر ہو تو ہرگز نہ ڈالنا چاہیئے کہ ثبوتِ حرمت سے بچے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴؍ شعبان المعظم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ابھی دو ماہ کا بچہ تھا، اس کی والدہ مرگئی۔ زید کی دادی جو معمر تھی اور اس کی اولاد بھی ۵/۶ سال پہلے سے بند ہوچکی تھی، بچہ کو اپنی گود میں لے لیا، از راہِ محبت دادی کو قدرے دودھ بھی اتر آیا لیکن اس سے بچے کی خوراک پوری نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے گائے کا دودھ بھی بچے کو پلانا شروع کیا، یہ دودھ بھی بچہ کو ہضم ہوتا رہا اور اسی کے سہارے بچہ میعاد معین تک پرورش پاتا رہا، اب بچہ جوان ہے، دادی کی اولاد دودھ شریک ہونے کی وجہ سے بچہ مذکور کے بھائی بہن ہیں، نسبی رشتہ کے لحاظ سے چچے، پھوپھیاں ہیں اور یہ سب صاحبِ اولاد ہیں کیا ان کی لڑکیاں اس کے نکاح میں آسکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔ ۲۹-۶-۵۱

صورتِ مسئولہ میں زید کی دادی زید کی ماں اور اس کی اولاد زید کے نسبی چچے، تائے، پھوپھیاں اب بہن بھائی بن گئے اور ان کی اولاد بھتیجے بھتیجیاں، بھانجے بھانجیاں بن گئی لہذا ان کی لڑکیاں زید کے نکاح میں نہیں آسکتیں، اولاد بند ہونے یا دودھ کے کم ہونے کا قطعاً اعتبار نہیں حتّٰی کہ مردہ عورت کا دودھ گو ایک قطرہ بچے کے پیٹ میں چلا جائے تو حکمِ حرمت ثابت ہو جاتا ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۴۲ میں ہے حتی ان المرضعۃ لو ولدت (الی ان قالوا) فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ نیز اسی ص ۴۳ میں ہے لبن الحیۃ والمیتۃ سواء فی التحریم نیز اسی ص ۴۲ میں ہے قلیل الرضاع وکثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم، تو گائے وغیرہ کے دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر عورت کا دودھ دوہا جائے اور اس میں گائے بکری کا ملا دیا جائے تو بعد ازاں بچے کو پلا دیا جائے تو غالب یعنی زیادہ کا اعتبار ہوگا، فتاوٰے مذکور کے ص ۴۳ میں ہے ولو خلط لبن المرأۃ الخ اور یہاں ملانے کی شکل نہیں لہذا حرمتِ مذکورہ ثابت اور نکاح حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بحضور فیض گنجور منبعِ شریعت طریقت حقیقت معرفت دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ کے بعد بندہ درگاہ رب العالمین سے آپ کے درِ دولت کی عزوجاہ کا بر قرار خواستگار ہے۔

ایک عورت بیمار ہوجاتی ہے اور اس کی حالت نازک کے وقت صرف دو دن اس کی بہن نے بیمار عورت کے بچے کو دودھ پلایا ہوا ہے لہذا دودھ پلانے والی کی گود میں بھی اس وقت لڑکا ہی تھا اور پھر دوبارہ دودھ پلانے والی عورت کے حمل سے لڑکی پیدا ہوئی، آپ مطلع فرماویں کہ بیمار عورت کے بچے کو وہ لڑکی عقد میں آسکتی ہے یا نہیں؟ عین نوازش ہوگی، جواب جلدی لکھ کر مشکور فرماویں۔

السائل: مستری عبدالعزیز از شیر گڑھ براستہ ریناله خورد ضلع منٹگمری

وہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی ماں کی لڑکی ہے تو اس کی رضاعی بہن بنی اور بحکم قرآنِ کریم حرام قطعی ہے، قرآنِ کریم میں ہے واخواتکم من الرضاعۃ (پ۴) فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۸۹ میں ہے تتعدی الی اصول المرأۃ وفروعھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ

واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ

محترم جناب مفتی صاحب مدرسہ اسلامیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ : عرض ہے کہ عرصہ تقریباً ۲۰ سال ہوگئے ہیں کہ میری بھاوج سخت بیمار ہوگئی تھی اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی جس وقت وہ بیمار ہوئی تھی اس کی گود میں دو ماہ کا بچہ تھا، بچہ ماں کا دودھ نہیں پی سکتا تھا، اس مجبوری کی وجہ سے میری بیوی جس کی گود میں اس وقت ایک لڑکا تھا، اس کی عمر بھی تقریباً دو ماہ کی تھی تو میری بیوی نے میری بھاوج کے لڑکے کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد اس کی ماں صحت یاب ہوگئی، پھر میری بیوی کے ہاں تقریباً اڑھائی سال بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا، پھر اس کے تقریباً تین سال بعد ایک لڑکی میرے ہاں پیدا ہوئی۔ اب ہمارا خیال میری بھاوج کے لڑکے کے ساتھ اپنی لڑکی کا رشتہ کرنے کا ہے، میری بھاوج بیوہ ہے اور اس کا ایک ہی وہ یتیم لڑکا ہے آپ مہربانی فرما کر فتوے ارشاد فرمائیں کہ کیا ان دونوں کی یعنی میری لڑکی اور میری بھاوج کے لڑکے کی شادی ہوسکتی ہے!

از فرزند علی دوکاندار بوریوالہ دکان ۵۲/۳ دہاڑی بازار بوریوالہ

وہ لڑکا جس نے آپ کی بیوی کا دودھ پیا، آپ کا اور آپ کی بیوی کا رضاعی لڑکا بن گیا لہذا آپ دونوں کی یا کسی ایک کی لڑکی اس لڑکے کی رضاعی بہن بنے گی لہذا ایسی کوئی لڑکی جو آپ کی اسی بیوی سے یا آپ کی کسی اور بیوی سے ہو، اس لڑکے کے نکاح میں نہیں آسکتی، ایسا کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہے، یہ قرآنِ کریم اور حدیث پاک اور فقہ شریف کا مضبوط حکم ہے، قرآنِ کریم چوتھے پارے کے آخر میں ہے واخواتکم من الرضاعۃ یعنی تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ر صفر الخیر ۱۳۸۹ھ ۲۶/۴/۶۹ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک لڑکا جس کی والدہ بچپن یعنی شیر خوارگی میں فوت ہوگئی، اس کے بعد اس بچے کی سگی چچی نے اس بچے کو گود میں لیا اور شیر پلایا، شیر پی کر پرورش پائی، اس بچے کے ساتھ اس کی چچی کی لڑکی نے بھی

دودھ پی لیا۔ اس سے پہلے مذکورہ چچی کی دو بڑی لڑکیاں تھیں، ان دو میں سے ایک بڑی لڑکی اس لڑکے کے سگے ماموں کے نکاح میں آئی، اس لڑکے کے ماموں کی اب ایک نوجوان لڑکی ہے اور وہ بچہ بھی اب نوجوان ہے، از راہ کرم مطلع فرمادیں کہ اس لڑکے کا نکاح اس کے ماموں کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرما کر نوازیں۔

والسلام

تحریر ۸ ر اگست ۱۹۷۳ء سائل

سکنہ چک ۱۰۰/۵.B تحصیل منڈی بہاؤالدین ضلع بہاولپور

اس لڑکے کا نکاح اس ماموں زاد لڑکی سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ لڑکی اسکی بھانجی بھی ہے جس عورت کا دودھ پلایا جائے اس کی تمام اولاد دودھ پینے والے کے بہن بھائی بن جاتے ہیں کما فی الاحادیث المبارکۃ وکتب المذہب المہذب الحنفی، ہاں اگر وہ لڑکی ماموں کی کسی اور بیوی سے ہو تو اس کے مطابق حکم ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ ر رجب المرجب ۱۳۹۳ھ

۱۱ ۸/۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ سے متعلق، میری حقیقی خالہ نے حقیقی بڑے بھائی کے ساتھ میری حقیقی والدہ کا دودھ پیا ہے، دودھ پینے کی مدت دو تین بار صرف لمحات بنی ہے، دودھ خالہ کو شغلاً پلا یا گیا ہے، کیا خالہ کی لڑکی کا عقد میرے ساتھ شرعاً جائز ہے؟ یاد رہے کہ خالہ نے میرے بڑے بھائی کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے، میرے ساتھ مل کر نہیں پیا۔

باقر حسین ایکسائز سب انسپکٹر پاکپتن ۶۵-۱۲-۳

آپ کی وہ حقیقی خالہ دودھ پینے سے آپ کی حقیقی رضاعی بہن بن گئی تو اس کی لڑکی آپ کی بھانجی بنی اور بھانجی سے نکاح شرعاً حرام ہے اگرچہ رضاعی ہو اور اس بات میں ایک ساتھ دودھ پینا شرط نہیں بلکہ آگے پیچھے پینے سے بھی رضاع ثابت ہو جاتی ہے اور یہ فرق بھی نہیں کہ قصداً پلایا جائے یا شغلاً بلکہ دودھ حلق سے اتر جائے اگرچہ کم ہو تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲۴۲ میں ہے قلیل الرضاع و کثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم نیز اسی میں ہے والقلیل مفسر بما یعلم انہ وصل الی الجوف اور ص ۳۴۳ میں ہے ان القطرۃ من اللبن اذا دخلت حلق الصبی تکفی لثبوت الحرمۃ۔ نیز اسی میں (ص ۳۴۲)

ہے حتی ان المرضعۃ لو ولدت من ھٰذا الرجل او غیرہ قبل ہٰذا الارضاع او بعدہ الخ نیز ص ۶ میں ہے کل من تحرم بالقرابۃ والصھریۃ تحرم بالرضاع۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

گرامی قدر جناب مفتی اعظم صاحب دام سلامت

السلام علیکم، مزاجِ گرامی!

(پہلی بیوی) ایک بیوی خاتون بی سے — حاجی عطا محمد — دوسری بیوی سردار بیگم سے

محمد اسلم جہان خاں محمد اشرف ممتاز احمد امتیاز احمد سعید احمد مظفر نسیم

پہلی بیوی ۱۹۴۴ء میں فوت ہوگئی، دوسری شادی ۴۶ء میں ہوئی جو ۲۹/۵/۷۳ کو فوت ہوگئی، دوسری بیوی کے امتیاز احمد کے ساتھ ایک کس جاوید اقبال کو میری بیوی سردار بیگم نے اس وقت دودھ پلایا جبکہ جاوید اقبال کی والدہ کا دودھ نہ تھا، وہ تنگ تھا، ہماری نظروں میں جاوید اقبال جملہ سات بھائیوں کا بھائی ہوگیا ہے، کیا شرعاً یہ درست ہے؟ اب جہان خاں اپنی لڑکی کا رشتہ جاوید اقبال کو دینا چاہتا ہے، کیا شریعت میں یہ رشتہ جائز ہے یا نہ؟

براہ کرم فتویٰ مرتب فرما کر ارسال فرمائیں، مشکور ہونگا، کوئی خدمت ؟

حاجی عطا محمد ۱۳-۱۱-۷۳

حاجی ملک عطا محمد صاحب ریٹائرڈ A.S.P یعنی اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج ہمایوں !

ہاں آپ کا نظریہ درست ہے، جاوید اقبال آپ کا لڑکا اور آپ کے سب لڑکوں کا بھائی بن گیا ہے تو جہان خاں کی لڑکی اس کی بھتیجی ہے اور اس پر حرام ہے، متفق علیہ حدیث شریف میں ہے الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ یعنی وہ رشتے جو ولادت حرام کرتی ہے، ان کو دودھ پینا بھی حرام کر دیتا ہے تو جیسے جہان خاں کی لڑکی امتیاز احمد پر حرام ہے ویسے ہی جاوید اقبال پر بھی حرام ہے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۲۴۳ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ر شوال المکرم ۱۳۹۳ھ

۱۸/۱۱/۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنی چچا زاد سے نکاح کیا اور ایک بچہ پیدا ہو کر فوت ہوا اور دودھ خشک ہوگیا، بعد ازاں اسے حمل نہیں ہوا اور عورت کی شیر خوار بہن کو پرورش کے لئے لی اور عورت کو دودھ اتر آیا اور شیر خوار پیتی رہی تو کیا یہ لڑکی زید کے بھائی عمرو کے نکاح میں آسکتی ہے؟ بینوا توجروا

السائل: (مولانا) محمد عظیم نوری، امام مسجد چک نو ۱۲۵ ایل تحصیل وضلع ساہیوال

۱۴-۶-۷۷

ہاں بشرطِ صحتِ سوال جائز ہے کہ زید کا بھائی اس سے نکاح کرے کیونکہ زید کی بیوی کا یہ دودھ جو اس لڑکی نے پیا ہے، زید کے بچہ پیدا ہونے سے نہیں اترا بلکہ ویسے ہی اترا ہے تو وہ لڑکی زید کی نہیں بلکہ صرف زید کی بیوی کی لڑکی ہے اور پہلے کافی مدت جو بچہ ہوا اور دودھ اترا تو وہ خشک ہو چکا تھا چنانچہ مسئلہ لبن الفحل فتاویٰ قاضی خاں ص ۱۹۰، خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۱۱، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۴۳، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۱۳، کفایہ علی الہدایہ ج ۳ ص ۳۱۴، بحر الرائق ج ۳، ص ۲۲۶، شامی ج ۲ ص ۵۶۵، طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۹۴، حاشیہ کتاب الفقہ ج ۴ ص ۲۶۹ میں بالفاظِ متقاربہ والنظم للاول رجل تزوج امرأۃ فولدت منہ ولدا فارضعت ولدھا ثم یبس لبنھا ثم در لھا لبن بعد ذلک فارضعت صبیا کان

لهذا الصبی ان یتزوج اولاد هذا الرجل من غیر المرضعۃ ، اور جب زید کی لڑکی نہ بنی تو نکاح جائز ہے کہ بنت العم کی طرح بنت بنت العم بھی ما ورا ر ذالکم میں شامل اور حلال ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم و علی آلہ واصحابہ وبارک وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال)

۲۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ ۔ ۱۴-۶-۷۷

باب الکفو

بابُ الكُفو

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک لڑکی مراہقہ کھرل قوم جس کا چچا حقیقی اور بھائی عاقل بالغ موجود تھے، کسی کے اغوا سے ضلع بہاولنگر سے ضلع ملتان چلی گئی اور ایک غریب موچی کے ساتھ نکاح کر لیا اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت بالغ بھی ہو گئی ہو تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں حالانکہ کھرل شریف قوم ہیں اور ان کا رشتہ موچی کے ساتھ نہیں کیا جاتا اور بڑا باعثِ عار شمار کیا جاتا ہے۔

سائل : مولوی نور محمد، نور احمد صاحبان

بشرطِ صحتِ سوال حسب تصریحِ مفتیانِ عظام یہ نکاح، نکاح ہی نہیں بلکہ ایک عقدِ باطل

ہے، فتاوے قاضی خاں ص ۱۵۵، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۸۷، خیریہ ج ا ص ۲۵، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۰، ملتقی الابحر، مجمع الانہر، در المنتقی ج ا ص ۳۳۲، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۸ و ۴۰۹ میں ہے و النظم من الدر مع التنویر (و یفتی) فی غیر الکفو (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

مہر دار العلوم ہذا

ما قالہ الفقیہ الاعظم ھو الصحیح الاحکم

ابو الضیاء محمد باقر صدر المدرسین دار العلوم ہذا غفرلہ

تاریخ تحریر ۲۲ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک یتیم نابالغ لڑکی جو اپنی خالہ کے پاس پرورش پاتی تھی وہ اپنی بہن کو ملنے گئی تو ایک غیر قوم نے اس کو اغوا کر لیا اور جبرًا اپنی مرضی سے آپ نکاح کر لیا۔ دو سال کے بعد جب لڑکی نے تنگی محسوس کی تو کسی حیلے بہانے سے بھاگ کر اپنی خالہ کے پاس آگئی، بعد ازاں جوان ہوئی تو اس نکاح کا صاف صاف لفظوں میں رد کر دیا، اب سوا سال سے خالہ کے پاس ہی ہے تو کیا وہ لڑکی اپنی مرضی سے

اپنے کسی ہم قوم کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے یا پہلے ہی نکاح کی پابند ہے؟ بینوا توجروا

السائل: محمد حسین بمقام چک کمبوہ ڈاکخانہ حجرہ شاہ مقیم تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

(نوٹ) اس یتیم لڑکی کے وارثوں سے صرف تایا زاد بھائی ہیں، جب ان کو اس نکاح کا علم ہوا تو پسند نہ کیا۔ نشان انگوٹھا سائل محمد حسین

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو لڑکی اس نکاح کی ہرگز ہرگز پابند نہیں، اس بیچاری پر بڑا سخت ترین ظلم ہوا لہٰذا اپنے اختیار سے اپنے کسی ہم قوم کے ساتھ حسبِ دستورِ شرع نکاح کر سکتی ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۹ میں ہے وتثبت الولایۃ باسباب اربعۃ الخ نیز ص ۱۱ میں ہے نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ الخ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳-۵-۶۱

نوٹ: ذیل کا فتوٰی مولانا نصیر الدین رکن پوری علیہ الرحمہ سے طلب کیا گیا تو موصوف نے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا۔

بخدمت جناب فیض مآب مولانا و اولانا مولوی محمد نصیر الدین سلمہ اللہ تعالیٰ عن المصائب

بعد از السلام علیکم معروض آنکہ مسمیٰ محمد دین قوم ہبنہ عرصہ تقریباً اڑھائی سال ہوئے کہ اس کی شادی موضع بابو ساڑ و ریاست بہاولپور مسمیٰ ملا دل قوم گدرایا کی لڑکی کے ساتھ ہوئی واقعات یوں ہیں کہ میں نے اپنے بڑے بھائی اور دیگر شخص کو رشتہ کے لئے بھیجا جس پر لڑکی کے باپ نے کہا کہ ہم تمہارا گھر بار دیکھ کر فیصلہ کریں گے چنانچہ کچھ دنوں کے بعد لڑکی کا چچا میرے گھر آیا اور دیکھ کر جاتی دفعہ ان کو کہا آپ کچھ دنوں تک آجائیں، ہم صلاح و مشورہ کر کے آپ کو مکمل جواب دیں گے۔ جب یہ دوبارہ گئے تو انہوں نے کہا ہم مبلغ ۶۰۰ صد روپیہ نقد آپ سے لیں گے تب کریں گے، بعدہ باپ نے نکاح کر دیا اور بخیر و عافیت چھ ماہ گزر گئے تو وہ آئے اور میری عورت کو اپنے ساتھ لے گئے، وہاں جا کر انہوں نے عورت میرے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا، برادرانہ کوشش کرنے کے بعد مجبوراً عدالت میں دعوےٰ دائر کر دیا، دعویٰ کے آٹھ ماہ بعد انہوں نے بھی فسخ نکاح کے لئے عدالت میں دعویٰ کر دیا ہے کہ مسمیٰ محمد دین ہمارا ہم کفو یعنی ہم قوم نہیں حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان پہلے آشنائی اور ایک دوسرے سے ہمیشہ ملتے رہتے ہیں، یہ ان کا محض غلط بہانہ ہے اس کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

اگر صورتِ واقعہ یہی ہے جو سائل نے بیان کی تو ظاہر یہی ہے کہ لڑکی اور اس کے والد کو مسمیٰ محمد دین کے متعلق اچھی طرح واقفیت ہو گی خصوصاً جبکہ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ ہم تمہارا گھر بار دیکھ کر فیصلہ کریں گے اور لڑکی کے چچا نے گھر بار دیکھ کر کہا کہ آجائیں، صلاح و

مشورہ کے بعد مکمل جواب دیا جائے گا اور مکمل جواب یہ دیا کہ رشتہ دینا منظور کرلیا اور معاوضہ بھی مقرر کرلیا پھر نکاح ہوا اور خود باپ نے کردیا اور چھ ماہ خیر و عافیت سے گزرے لڑکی خاوند کے پاس رہی، کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ان کو مسمیٰ محمد دین کے متعلق ہم قوم ہونا معلوم نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں نکاح جائز ہوگا بلکہ فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۱۴ اور در المختار تحریرًا رد المحتار میں تقریرًا ہے ج ۲ ص ۳۴۷ والنظم من الهندية وان كان الاولياء هم الذين باشروا عقد النكاح برضاها ولم يعلموا انه كفوٴ او غير كفوٴ فلا خيار لواحد منهما تو صورتِ مسئولہ میں بطریقِ اولیٰ جواز ثابت ہوگیا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ و آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

آج مسمیٰ مماں ولد جوایا امام متوفی کا چچا قوم کوکارا آیا اور مسماۃ فاطمہ والدہ امام بھی آئی اور ان دونوں نے آپس میں سمجھوتہ کرلیا اور متفقہ طور پر مطالبہ کیا کہ متوفی امام کی نابالغہ لڑکی جو اپنی والدہ مسماۃ اللہ جوائی کے پاس ہے حالانکہ وہ ایک غیر کفو کے ساتھ نکاح کرچکی ہے تو وہ لڑکی مسماۃ فاطمہ کو جو اس کی حقیقی دادی ہے، دی جائے اور مسمیٰ مماں نے تسلیم کیا کہ میں دادی پوتی دونوں کی نگرانی اور پرورش کرتا رہوں گا، لڑکی دادی کے سپرد کی جائے اور شرعی حکم کے سائل ہوئے۔

نشان انگوٹھہ سائل مماں　　　　نشان انگوٹھہ مساۃ فاطمہ

اگر حقیقت سوال درست ہے اور لڑکی کی والدہ غیر کفو کے ساتھ نکاح کر کے لڑکی سمیت اس کے پاس ہے تو اس کا لڑکی پر کوئی حق نہیں، تمام مستند شرعی کتابوں میں یہی حکم ہے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۵۴۱ میں ہے او متزوجة بغیر محرم اور جب ماں کا حق نہیں رہا اور لڑکی کی نانی بھی نہیں (حسب بیانِ سائلاں) تو دادی ہی حقدار ہے اور یہ بھی تمام مستند کتابوں میں ہے، فتاوے عالمگیر کے لفظ یہ ہیں فام الاب اولی ممن سواھا اور دادی گو پیر عمر ہے مگر بالکل کمزور نہیں اور ساتھ ہی ماں مذکور بھی ذمہ داری قبول کرتا ہے تو لڑکی دادی کے سپرد کی جائے اور ماں کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ ر ذی الحجۃ المبارکہ ۷۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلے میں ایک جوان لڑکی کو جبراً بھگا کر ایک غیر قوم کے لڑکے نے لڑکی کی رضامندی کے بغیر جبراً نکاح کر لیا، لڑکی کے والدین

غیر قوم کے ہونے سے رضامند نہیں اور ایسی قوم کو رشتہ دینا سخت بے عزتی اور ہتک سمجھتے ہیں کیا لڑکی کا نکاح از روئے شریعت محمدی جائز ہے یا نہیں؟

خیر اندیش : چوہدری فضل محمد ولد چوہدری نور محمد قوم ارائیں

درگاہ بازار پاکپتن شریف ۷۳-۱۰-۵

جوان لڑکی کا نکاح جبراً یعنی اس کی رضاء واجازت کے بغیر ہرگز ہرگز نہیں ہوتا یہ مسئلہ مذہب مہذب حنفیہ کی تمام کتب فقہیہ میں روز روشن کی طرح واضح موجود ہے مثلاً کنز الدقائق میں ہے لا تجبر بکر بالغۃ علی النکاح لہٰذا غیر قوم کے سوال کی ضرورت ہی نہیں البتہ اگر لڑکی صرف دل سے رضامند نہ تھی مگر بظاہر راضی ہوگئی اور اجازت دے دی تو ایسی صورت میں غیر قوم کا مسئلہ ہے تو اگر وہ غیر ایسا گھٹیا قوم کا ہے کہ عام عرف اور رواج کے لحاظ سے لڑکی کے والد اور اقرباء کے لئے اس قوم کو رشتہ دینا سخت بے عزتی اور ہتک سمجھا جاتا ہو تو فتوے اس پر ہے کہ وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں چنانچہ فتاوے امام قاضی خاں ص ۱۵۵، فتح القدیر ج ۲ ص ۱۸۷، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۱۰، تنویر الابصار در المختار رد المحتار شامی کے ص ۴۰۸، ۴۰۹ میں ہے والنظم من التنویر والدر (ویفتی) فی غیر الکفوء (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی (لفساد الزمان) واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلی

آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۴؍رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ ۱۲/۱۰/۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی عمر تقریباً آٹھ دس سال جس کا والد فوت ہو چکا ہوا ہے اور اس کی والدہ اور بھائی عمر تیرہ سال دونوں اس لڑکی کے وارث ہیں، لڑکی کا ایک حقیقی چچا بھی ہے جو لڑکی کی ماں سے بالکل ترکِ تعلق کئے ہوئے ہے، لڑکی کی ماں اپنے آپ کو اسلامی شرعی قیود سے مستثنیٰ سمجھے ہوئے ہے حتیٰ کہ کلمہ شریف تک نہیں جانتی اور نہ ہی لڑکی کا بھائی نماز، روزہ کو جانتا تک ہے۔ لڑکی کی ماں لڑکی کو ساتھ لیکر لڑکی کے تیرہ سال بھائی کی موجودگی میں حسب رضامندی خود کچھ روپے لے کر لڑکی کا نکاح شرعی کسی لڑکے سے کر دیتی ہے۔ لڑکی نابالغ ہے اپنے سسرال کے گھر دو مہینے رہتی ہے، مابعد لڑکی کی ماں اور بھائی اسے لیکر فرار ہو جاتے ہیں اور سابقہ نکاح سے تقریباً دو برس بعد اسی لڑکی کا نکاح دونوں ماں بیٹا مل کر کسی اور آدمی سے کچھ روپے لے کر کر دیتے ہیں، ابھی تک لڑکی نابالغ تھی، دوسرے سسرال کے گھر جا کر لڑکی بالغ ہو کر حقوقِ زوجیت ادا کرتی ہے، عرصہ دو سال تک دوسرے خاوند کے گھر رہ کر لڑکی کو پھر ماں اغوا کر لیتی ہے اور اپنے بڑے لڑکے کی رضامندی سے اپنے پاس لے آتی ہے۔ اب وہ عورت اپنی اس لڑکی کو ایک تیسری جگہ فروخت کرنا چاہتی ہے، لڑکی اب جوان ہے۔ تیسری جگہ فروخت ہونے اور بھائی اور ماں کی رضا پر لبیک کہنے کو ہرگز تیار نہیں، اب اس لڑکی نے اپنے ماسی زاد بھائی کے پاس پناہ لی ہے

وہ آدمی نماز روزہ کا پابند اور شرعی حدود و قیود سے کچھ واقف ہے، لڑکی کے حصول کے لئے ماں اور بھائی دونوں بہمراہی نئے خریداران کوشاں ہیں، لڑکی کی آرزو ہے کہ میں گنہگاری کی زندگی سے نجات پاؤں اور جائز زندگی بسر کروں، وہ پوچھتی ہے کہ میرا جائز ٹھکانہ کونسا ہے یا مجھے اب کہاں زندگی گزارنی چاہیئے، اب وہ جائز طور پر نکاح کی خواہاں ہے، اس صورت میں شریعت کی طرف سے کیا حکم ہے؟ پہلے نکاح کے وقت بھائی اگرچہ بلحاظ سن وسال نابالغ تھا تاہم حالاتِ دنیا سے متأثر اور والدہ بوڑھی عورت جو عیاشی قسم کے کاموں میں شغف رکھتی ہے اور کیا اب اس پناہ دینے والی لڑکی کے ماسی زاد بھائی کو کیا کرنا چاہیئے جبکہ لڑکی کی ماں اور ہمراہی تیسرے خریداران اس سے لڑکی طلب کرتے ہیں؟

السائل : عبداللطیف مجروح، منڈی ہیرا سنگھ

چند امور کے متعلق استفسار پر سائل نے دوبارہ سوال بھیجا جو درج ذیل ہے:

ابوالخیر غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی نابالغہ جس کا والد فوت ہو چکا ہے اور اس کا بھائی تیرہ چودہ سالہ اچھا سڈول اور قدوقامت رکھنے والا ہے اور اس کی والدہ جو دونوں علم شریعت سے قطعی طور پر ناآشنا ہیں حتیٰ کہ نماز تک بھی نہیں جانتے، لڑکا اپنے آپ کو جوان محسوس کرتا ہے اور اس کے ذہن سے جوانی کے تاثرات ذیل کے اشخاص تک بھی پہنچے اور ان کے سامنے اس نے اپنے جوان ہونے کا دعویٰ کیا، والدہ اور بھائی دونوں نے مل کر ایک غیر رشتہ دار سے کچھ رقم لیکر اس نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا، کچھ عرصہ بعد لڑکی کو اس کے سسرال کے گھر سے لیکر فرار ہو گئے اور ایک دوسری جگہ ان سے کہیں دور رہائش پذیر ہو گئے۔ دو سال بعد دوبارہ والدہ اور بھائی نے ایک اور جگہ سے کچھ اور عوض میں لڑکے کے لئے بیوی لیکر

دوبارہ فروخت کر دی اور نکاح بھی کر دیا۔ نکاح ثانی پر بھی لڑکی نابالغہ تھی، نکاح سے کچھ ماہ بعد لڑکی جوان ہو گئی، جوان ہونے کے بعد لڑکی کے دل میں اپنے موجودہ شوہر کے متعلق نفرت رہی اور ان کا باہمی ربط قائم نہ رہ سکا ویسے وہ بطور میاں بیوی رہے، اب والدہ نے لڑکی کو اس جگہ سے بھی نکال لیا اور تیسری جگہ سے کچھ روپے لیکر فروخت کر دینا چاہا مگر لڑکی نے انکار کر دیا، لڑکی عمداً نہ پہلے سسرال کے گھر جانے پر رضامند ہے اور نہ دوسرے کے ہاں، وہ دونوں سے نفرت کرتی ہے۔ لڑکی کا ایک حقیقی چچا بھی ہے جس نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد اپنی بھاوجہ کی بے قاعدگیوں سے متأثر ہو کر اس کو بالکل عاق کر دیا تھا، وہ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا، کوئی رائے یا اعتراض ان کے کسی معاملہ میں نہیں کرنا چاہتا، اب لڑکی کہیں فروخت نہیں ہونا چاہتی، اب اہل شریعت کیا فتوے دیتے ہیں کہ اس لڑکی کا جائز وارث کون ہے؟ اب جبکہ تیسرے فریق اس کی والدہ اور بھائی کی معیت میں لڑکی کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اس حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟ پہلا نکاح لڑکی کا اس کی والدہ اور بھائی نے غیر کف میں کیا تھا جو اس کے لئے باعثِ عار تھا۔

خوشی محمد ولد محمد اسمٰعیل ساکن منڈی ہیرا سنگھ ۔ عبداللطیف مجروح منڈی ہیرا سنگھ
محمد اسمٰعیل مستری ساکن منڈی ہیرا سنگھ

اگر سوال واقعی اور صحیح ہے تو حسبِ تصریح ائمۂ احناف علیہم الرحمۃ نکاح اول جو غیر کفو میں ہوا سرے سے شرعاً ہوا ہی نہیں اور اگر چچا بھی اجازت دیتا تب بھی نہ ہوتا کہ غیر باپ دادے کا کیا ہوا نکاح نابالغہ غیر کفو میں منعقد ہی نہیں ہوتا باتفاق ائمہ کرام، فتاویٰ عالمگیر

ج ۲ ص ۱۵ میں ہے اجمعوا علیٰ انہ لا یجوز ذلک من غیر الاب و الجد ولا من القاضی کذا فی فتاوی قاضی خان اور وہ دوسرا بھی اگر غیر کفو میں ہوا یا مہر مثل میں کمی فاحش کے ساتھ ہوا تو وہ بھی نہ ہوا کہ باپ دادے کا غیر ایسا نہیں کر سکتا کما مر، اور اگر وہ دوسرا خاوند ہم کفو تھا اور مہر بھی فاحش کمی والا نہ تھا تو وہ نکاح منعقد ہو گیا کہ بھائی کے ہوتے چچا ولی نہیں البتہ لڑکی کو بعد از بلوغ اختیار فسخ تھا مگر لڑکی وہ بھی ضائع کر بیٹھی کہ نفرت دل میں رہی، زبان سے کچھ نہ کہا اور بطریق میاں بیوی رہی تو اب اختیار نہیں رہا، فتاوی عالمگیری ج۲ ص ۱۰ میں ہے وانما یبطل خیارھا اذا رضیت بالنکاح صریحا او یوجد منہا فعل یستدل بہ علی الرضا کالتمکین من الجماع الخ تو اس صورت میں لڑکی پر لازم ہے کہ وہ اس دوسرے خاوند کے گھر جا کر آباد ہو جائے اور اتفاق نہ بنے تو طلاق حاصل کر لے اور پہلی دو صورتوں میں خود مختار ہے اپنی رضا و رغبت سے حسب دستور شرع جہاں چاہے نکاح کر لے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سادات کرام کی عورتوں

؎ کہ مہر مثل مثلاً یکصد تھا اور پچاس بنا دیا ۱۲

کا نکاح ہاشمیوں کے سوا کسی غیر قوم کے آدمی کے ساتھ اگر اس عورت کے وارث منعقد کریں تو کیا سیدزادی کا نکاح کسی دوسری نیچ قوم کے آدمی کے ساتھ منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل : غلام مہر علی، فاضل حزب الاحناف، مہتمم مدرسہ عربی نورالمدارس مسجد نور، مسجد منڈی چشتیاں شریف

پُر ظاہر کہ عورتوں سے مراد عاقلات بالغات ایامی راضیہ بالنکاح ہیں اور ایسے ہی وارث سے ولی شرعی ناکح حسب و نسب سے قبل از عقد واقف مراد اور آدمی سے مسلم عاقل بالغ تو ایسے نکاح کے انعقاد و نفاذ کا لزوم از روئے تصریحات کتب مذہبیہ متون و شروح حواشی و فتاوے امس و شمس کی طرح واضح و ہویدا ہے اور خدام اسفار ائمہ کے نزدیک ضروریات ادلیہ سے اطمینان قلب کے لئے فتاوے مبارک رضویہ کتاب النکاح حصہ سوم ص ۱۱۷، ۱۱۸ کا ایک مختصر مگر جامع فتویٰ حوالہ قلم ہے :۔

مرسلہ حاجی موسیٰ عربی ۳ر ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ سادات کرام بیبیوں سے غیر قوم غیر سید مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ کا نکاح جائز ہے یا نہ؟

الجواب

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلہ

سے ہو سکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی ہو یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی؛ رہے غیرِ قریش جیسے انصاری یا مغل پٹھان، ان میں عالمِ دین معظمِ مسلمین ہو اس سے بھی مطلقاً نکاح ہو سکتا ہے ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اس غیر قریش کے ساتھ نکاح کرنے والا ولی باپ دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے، اگر باپ دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کر چکے ہیں تو اب ان کے لئے بھی نہ ہو سکے گا، اور اگر بالغہ ہے اور اس کا ولی نہیں تو اپنی خوشی سے اس غیر قریشی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ دادا پر دادا ان کی اولاد و نسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے بیش از نکاح اس شخص کو غیر قریشی جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔

ان تمام مسائل کی تفصیل درالمختار و ردالمحتار وغیرہا کتبِ معتمدۂ مذہب و رفقیر کے فتاوے میں متعدد جگہ ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم، انتہیٰ بلفظہ الکریم

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مورخہ ۴ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ

باب الولی

بابُ الوَلیّ

الاستفتاء

عالی جناب قبلہ وکعبہ جناب مولوی ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب سلمہٗ بہ تعالیٰ

السلام علیکم :

کیا فرماتے ہیں آپ دربارۂ نکاح بالغہ لبشرع دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی ایک عورت بنام ہاجرہ بی بی دختر کالو قوم کھٹیال مسلمان عمر تقریباً چودہ سالہ جس کو عرصہ دس ماہ سے خونِ حیض باقاعدہ جاری ہوا در اس نے بیرضائے خود تقریباً سات ماہ خونِ حیض جاری ہونے کے بعد مسمیٰ ظہور حسین ولد فیروز الدین جعفری قریشی مسلمان سے بحق بقصد رد پیہ معجل وغیر معجل نکاح کیا ہوا آیا وہ نکاح بلحاظِ شریعت بحق خود مختاری بالغہ جائز ہو سکتا ہے یا نہیں جبکہ بالغہ کا والد کچھ عرصہ سے فوت ہو چکا ہو ؟

العبد : ظہور حسین ملازم شفاخانہ چک بیدی ۱۶ $\frac{5}{46}$

اگر سوال واقعی اور درست ہے تو مساۃ ہاجرہ بی بی شرعاً بالغ ہو چکی ہے تکملہ بحرالرائق

ص ۸۵، شامی ج ۵ ص ۱۳۲، ہدایہ ج ۳ ص ۳۴۱، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۶۰۲ میں ہے
والنظم من الهندية بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال
والجارية بالاحتلام والحيض والحبل كذا فى المختار اور بالغہ باختیار
خود بغیر رضائے ولی نکاح کر سکتی ہے، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۷، فتح القدیر ج ۳
ص ۱۵۷، ہدایہ، کفایہ، عنایہ ج ۳ ص ۱۵۷، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۹، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۱ میں
ہے والنظم من الهندية نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولى
عند ابى حنيفة وابى يوسف فى ظاهر الرواية كذا فى التبيين
لہذا صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح اور درست ہے۔

والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالى
على سيدنا ومولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد بقدر
حسنه وجماله وجوده وافضاله وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ القادری النعیمی غفرلہ

۱۳ رجمادی الاخری ۱۳۶۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عاقل بالغ عمر انیس
برس، اس کے ولی حقیقی باپ نے بغیر رضامندی لڑکی کے ایک شخص سے نکاح کرنا شروع کر دیا
لڑکی کا کوئی رجوع نہیں تھا بلکہ پہلے دو تین دفعہ باپ کو عرض کی کہ میں اس سے شادی

کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ واضح ہو کہ لڑکی کا منگناں پہلے اور جگہ یعنی اس کے ماموں کے بیٹے سے ہوا جس پر وہ راضی تھی، تفصیل یہ ہے کہ اس کے باپ نے قاضی اور پنچائت کو حکم دیا کہ لڑکی کا نکاح کر دو جس پر وہ راضی نہ تھی چنانچہ لڑکی مذکورہ مکان کے اندر جاکر اندر سے تالا لگالیا اور رونا پیٹنا شروع کیا۔ غرض لڑکی نے نہ کوئی کلمہ پڑھا، نہ ایجاب قبول، نہ رجسٹر پر نکاح درج ہوا نہ انگوٹھا وغیرہ لگایا گیا۔ چند دن کے بعد لڑکی کے حقیقی برادر و حقیقی والد نے لڑکی کا نکاح پہلے منگیتر سے کے ساتھ کر دیا جس پر وہ راضی تھی بعدۂ انہوں نے ڈھونگ رچایا کہ لڑکی کا نکاح پہلے کیا گیا۔ برائے مہربانی جواب کتب حدیث رسول اکرم سے جواب بحوالہ دیں۔ اللہ آپ کو اجرِ عظیم دے گا۔ جواب جلد از جلد مہربانی کر کے اسی سوال کے نیچے درج فرمائیں، خدا کے لئے بواسطہ رسولِ اکرم جواب تحریر کر کے روانہ فرمادیں۔

السائل : صوفی مولوی محمد حیات امام مسجد الف ۳۶ نظام قرنہ

جوان عورت عاقلہ بالغہ کنواری یا بیوہ اپنے آپ کی اپنے ولی باپ وغیرہ سے زیادہ حقدار ہے۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۸۶، سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۷۷، ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۲، معانی الآثار طحاوی ج ۲ ص ۸ وغیرہا کتب احادیث میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے الایم احق بنفسہا من ولیہا لہٰذا بلا اجازتِ عورت کسی کو اجازت نہیں کہ نکاح کر سکے، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، سنن ابی داؤد

ج۱ص ۲۸۵، سنن ترمذی ج۱ص ۱۴۳، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن بیہقی ج ۷ص ۱۲۲ وغیرہا کتبِ احادیث میں بالفاظِ متقاربہ حضرتِ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ مرفوع ہے لاتنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن تو اگر ولی عورت کی ناپسندیدگی کی صورت میں نکاح کر دے تو عورت خود مختار پر لازم نہیں ہوگا خصوصاً صورتِ مذکورہ میں بوجہ انکار محض مردود و نار وا ہو گیا سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۸۵، ۲۸۶، سنن نسائی ج ۲ ص ۷۸، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷، ۱۱۸ وغیرہا میں حضرتِ ابنِ عباس سے ہے ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکرت لہ ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سننِ بیہقی ج ۷ص ۱۱۷ میں حضرتِ ابنِ عباس سے یہ بھی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد نکاح بکر و ثیب انکحھما ابوھما وھما کارھتان۔ اور جب باپ ظالم کا کیا ہوا نکاح مردود و باطل ہو گیا تو دوسرا نکاح جو رضا ء لڑکی سے کیا گیا صحیح ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴؍ ذی الحجۃ المبارکہ ۷۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ عجاں قوم شیخ نومسلم کی شادی مسمیٰ سراج نومسلم کے ساتھ ہوئی اور اس سے ایک لڑکا مسمیٰ امین پیدا ہوا اور

سراج فوت ہو گیا تو دو سال کے بعد عجاں مذکورہ نے غلام محمد نومسلم (جو ہندو مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوا تھا) سے نکاح کیا اور اس سے ایک لڑکی مسماۃ ہاجراں پیدا ہوئی اور غلام محمد بھی فوت ہو گیا، اس کے بعد دو سال گزرے تو اجاں مذکورہ نے مسمٰی نوشیر قوم مراثی سے نکاح کر لیا، اس وقت سے مسمٰی نوشیر مذکور نے امین اور ہاجراں مذکورہ کی پرورش شروع کی، کئی سالوں کے بعد جب لڑکی جوان نہیں ہوئی تھی، نوشیر نے امین کو کہا کہ مٹکوں پر ہاجراں کی شادی کر دیں مگر امین اور اس کی والدہ عجاں نے کہا کہ ہم خود دیکھ لیں گے، طلب گار آئے مگر امین کو رشتہ دینے پر کوئی بھی راضی نہ ہوا، جب نوشیر کے پرورش کرتے ہوئے بیس سال گزر گئے اور نوشیر نے ہاجراں کی شادی کا سامان بھی تیار کیا ہوا تھا کہ ایک نومسلم بٹے پر ہاجراں کی شادی کرنا چاہتا تھا مگر ہاجراں نے اس نومسلم کو پسند نہ کیا اور مسمی ماقوم شیخ نومسلم کے ساتھ اغوا ہو کر چلی گئی اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اس سے باقاعدہ نکاح کر لیا اور نوشیر کا تیار کردہ سامان شادی کا جو تقریباً مبلغ یکصد کا تھا وہ بھی ساتھ لے گئی تھی، بعدازاں نوشیر نے بڑی کوشش کی اور ڈیڑھ ماہ تک لگاتار تگ و دو کرتا رہا۔ کرایہ اور مرکھائی رشوت وغیرہ پر روپیہ خرچ کرتا رہا تو وہ لڑکی مسماۃ ہاجراں پکڑی گئی اور نوشیر مذکور نے اس کو اپنے گھر واپس لے آنا چاہا تو مسماۃ ہاجراں کہنے لگی کہ میں چونکہ غلام محمد نومسلم کی لڑکی ہوں تو مسمی نوشیر مراثی کا میرے اوپر کوئی حق نہیں اور مسمٰی امین جو سراج شیخ نومسلم کا لڑکا ہے اس کا بھی میرے اوپر کوئی حق نہیں کہ وہ غیر قوم کا ہے اور میرے باپ کے دوسرے سارے رشتہ دار ہندو تھے وہ انقلاب کے وقت ہندوستان چلے گئے ہیں لہٰذا میرے اوپر کسی کا کوئی حق نہیں، میں عاقلہ بالغہ ہوں، اپنی خوشی سے خاوند چن لیا ہے اور نکاح کر لیا ہے اس جگہ کافی پہریں اکٹھی تھیں تو پہریں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مراثی نے چونکہ تمہاری پرورش اور حفاظت بیس سال تک کی ہے تو یہ وارث اور حقدار ہے تو پہریں نے ہاجراں نوشیر

کے قبضہ میں دے دی اور وہ اپنے گھر سے کرآ گیا۔ اب امین مذکور کہتا ہے کہ ہاجراں کا مالک میں ہوں، میری ہمشیرہ ہے اور نوشیر مراثی کہتا ہے کہ حقدار میں ہوں کہ میں نے بیس سال تک پرورش کی ہے اور اس کے واپس لانے پر کہا یہ مرکھائی رشوت وغیرہ پر کافی روپیہ خرچ کیا ہے، میرے اوپر قرض چڑھ گیا ہے، قرض والے مجھے تنگ کرتے ہیں، اس لئے میں بھی حقدار ہوں، امین کہتا ہے تو کوئی حقدار نہیں، میں اس لڑکی اور اس کے باپ کے مال کا بھی مالک ہوں، ہاجراں کا ایک بھائی نابالغ مسمیٰ ستار نوشیر مراثی کا لڑکا بھی ہے، تو شریعت اس میں کیا فیصلہ فرماتی ہے، کون سچا ہے، بینوا توجروا۔

العبد : علی محمد ولد میاں سلیمان کلاس حمید۔ نشان انگوٹھا

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو مساۃ ہاجراں سچی ہے اور نوشیر مراثی اور امین شیخ یا ستار مراثی کا اس پر ایسا کوئی حق نہیں کہ جہاں چاہیں اس کا نکاح کر دیں یا فروخت کر دیں یا اس کے اپنے کئے ہوئے نکاح کو توڑ دیں۔ مساۃ ہاجراں کی عمر بائیس سال سے بھی زیادہ بنتی ہے اور ہے عاقلہ بالغہ تو اس پر ان لوگوں کا کیا حق ہو سکتا ہے فتاوےٰ عالمگیری میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل خصوصاً امین کا کہنا کہ میں اس کا مالک ہوں اور اس کے باپ کے مال کا مالک ہوں کہ لڑکی کے باپ کا نہ وہ لڑکا ہے اور نہ ہی کوئی اور وارث ہے بلکہ اس کی قوم کا ہی نہیں ہاں مجاں کا صرف آٹھواں حصہ غلام محمد متوفی کے کل ترکہ سے حق ہے باقی سب لڑکی ہاجراں کا حق ہے کہ غلام محمد کا کوئی اور وارث ہی نہیں تھا، اس کے دوسرے رشتہ دار سب

ہندو سنے اور ہندو مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لہٰذا امین کا دعویٰ محض غلط اور بیہودہ ہے اور
جب ہاجراں خود مختار ہے اور یہ لوگ بطمع زر یا رشتہ اس پر ظلم کرتے رہے اور اس کی شادی
اس کی مرضی کے مطابق نہ کی، پھر اس نے اپنی شادی اپنی رضا سے کر لی تو اس کا نکاح شرعاً
جائز و نافذ ہے، کوئی اسے توڑ نہیں سکتا، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے نفذ نکاح حرۃ
مکلفۃ بلا ولی تو مراثی نوشیر کا کوشش کرنا اور رشوت مرکھائی کرایہ وغیرہ پر اس لئے
خرچ کرنا کہ لڑکی کو واپس لائے، یہ لڑکی پر ظلم ہے، اہلِ اسلام پر لازم کہ اس مظلومہ لڑکی کی
امداد کریں اور ان لوگوں سے اس کو نجات دلائیں، ہاں اگر لڑکی اس کا سامان لے گئی
ہے تو وہ لڑکی کی غلطی ہے، واپس کر دے اور اگر اس کے باپ غلام محمد کا مال ہے تو
اس سے اپنے شرعی حصہ کی حقدار بھی ہے۔

باقی نوشیر کا اس لڑکی کے نان و نفقہ پر خرچ کرنا تو لڑکی سے اس کا مطالبہ نہیں
کر سکتا، خدا واسطے خرچ کیا، مسلمان یتیموں پر برائے ثواب خرچ کیا ہی کرتے ہیں اور اس کا
مطالبہ یتیموں سے نہیں کرتے اور اگر بعوض مال خرچ کیا تھا اور لڑکی کا مال اسی وقت لڑکی
کی ماں نے بطور قیمت دے دیا تھا تو اس میں کچھ گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور اگر کہے کہ لڑکی کو
فروخت کر کے روپیہ لوں گا تو یہ محض غلط اور بے اصل ہے، آزاد کی بیع شرعاً بالکل باطل ہے
کما نصوا علیہ قاطبۃ، اور اگر نکاح کے عوض روپیہ کا آرزومند تھا تو یہ بھی غلط
ہے کہ وہ رشوت ہے کما فی رد المحتار و البحر وغیرھما۔

رہا پیرن کا مراثی کو لڑکی کا وارث بنا دینا تو یہ بھی شرعاً ناجائز ہے کہ وہ آزاد خود مختار
ہے، مال نہیں ہے بلکہ بلا وجہ مال بھی میراث نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی
اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۷ر جمادی الاولیٰ ۷۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ بکر نے اپنی لڑکی سلمٰی کا رشتہ زید کو دینا کیا اور پھر دن مقرر کر دئے کہ فلاں تاریخ کو نکاح کر دوں گا مگر اس مقرر تاریخ سے پہلے بیس دن اپنے پختہ وعدوں سے پھر گیا، اس وقت سلمٰی مذکورہ کی عمر پچیس سال کی تھی تو لڑکی اپنے آپ چند دن کے انتظار کے بعد زید کے گھر چلی گئی اور زید نے ڈپٹی صاحب کے پاس سلمٰی کے بیان دلوا کر نکاح کر لیا اور نکاح سلمٰی کی اجازتِ صریحہ سے ایک مولوی صاحب نے پڑھایا اور گیارہ ماہ سلمٰی اس کے پاس رہی اور اسے حمل بھی ہو گیا مگر انقلابِ حاضر میں ہجرت کرتے ہوئے پاکستان کی سرحد کے قریب سلمٰی کے باپ نے زید سے جبراً بلا رضاءِ سلمٰی، سلمٰی کو مار پیٹ کر چھین لیا بعد ازاں سلمٰی سے لڑکی پیدا ہوئی اور اس کے باپ نے بعض علماء سے فتوے حاصل کر لیا کہ یہ نکاح ولی کی اجازت سے نہیں ہوا لہٰذا باطل ہے، بنائً علیہ بکر نے سلمٰی کا نکاح کسی اور جگہ کر دیا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا نکاحِ مذکورہ زید و سلمٰی صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکر نے جو دوسرا نکاح کر دیا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا۔

سائل: ابراہیم ولد سوہنا قوم ترکھان مہاجر حال حجرہ شاہ مقیم

۳ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ، ۱۳ مئی ۴۸ء

اسلام نے جہان جہان والوں کو جور و استبداد کے آہنی پنجوں سے نجات دلوائی،

وہاں مظلوم عورت کو بھی مظالم سے آزادی عطا فرمائی، آیاتِ قرآن شریف اور احادیثِ منیفہ
اس مدعٰی پر شواہدِ عادلہ ہیں، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے حتی تنکح زوجا غیرہ
نیز حکم ہوتا ہے فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اور فرمایا ہے فلا جناح
علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف، نیز فرمانِ مبین ہے یا ایھا الذین
آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا اور فرمایا ہے واخذن منکم
میثاقا غلیظا۔ ان ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت عاقلہ بالغہ حرہ نکاح کے
معاملہ میں مختار ہے اور احادیثِ شریفہ سے بھی اس امر کا ثبوت بکثرت ملتا ہے بلکہ صراحۃً فرمانِ
والاشان ہے امروا النساء فی انفسھن فان الثیب تعرب عن نفسھا
والبکر رضاءھا صمتھا۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۳، کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۶، نیز کنز العمال
ج ۸ ص ۲۴۷ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے امر النساء
بایدیھن واذنھن سکوتھن اور اسی صفحہ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے ہے لا نکاح الا باذن الرجل والمرأۃ اور سننِ نسائی ج ۲ ص ۸۷ اور کنز العمال
ج ۸ ص ۲۴۶ میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے استأمروا النساء فی
ابعاضھن۔ صحیح مستدرک ج ۲ ص ۱۶۷ میں حضرت ابنِ عمر رضی تعالیٰ عنہما سے ہے لا تنکح
النساء حتی تستأمروھن فاذا سکتن فھو اذنھن اور سکوت بکر کے حق میں
ہی اذن ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷۷، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۲، کنز العمال
ج ۸ ص ۲۴۶، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۸
وغیرہا کتبِ حدیث شریف میں بکلماتِ متقاربہ یہ مضمون حضرتِ ابوہریرہ کی روایت سے مرفوعاً
ہے لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن بلکہ صحیح مسلم
ج ۱ ص ۴۵۵، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۶، نسائی ج ۲ ص ۷۷، ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳، ابن ماجہ
ص ۱۳۶، طحاوی ج ۲ ص ۷، بیہقی ج ۷ ص ۱۲۲ وغیرہا کتبِ حدیث میں سیدنا ابنِ عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الایم احق بنفسہا
من ولیہا، بے خاوند عورت اپنے آپ کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور چونکہ کنواری عادةً
شرمیلی ہوتی ہے اس لئے اس کی تخصیص بعد تعمیم فرمادی اور فرمایا والبکر تستاذن فی
نفسہا واذنہا صماتہا اور کنواری سے اذن مانگا جائے اس کی ذات میں اور اذن
اس کا سکوت ہے۔

ان تمام احادیثِ شریفہ کا خلاصہ یہ کہ عورت عاقلہ بالغہ حرہ خواہ کنواری ہو خواہ بیوہ
یا مطلقہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور وہ خود مختار ہے اور خود مختار
بھی ایسی کہ دوسرے کو بھی مختار بنا سکتی ہے کہ اسی کا نام اذن اور اجازت ہے اور عقلِ سلیم
کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مشروعیتِ نکاح کے مصالح اور فوائد اسی صورت میں باحسن وجوہ
پورے ہوسکتے ہیں اور حقوقِ زوجیت کا بارِ گراں صرف عورت پر ہی ہوتا ہے تو عاقلہ
بالغہ حُرّہ کو اپنے فرائض کی ادائیگی پر خود مختارانہ غور نہایت ہی ضروری ہوتا ہے البتہ
بہترین صورت یہی ہے کہ اپنے والد اور والدہ کی وساطت سے غور و خوض کرے کہ
بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو مگر والدین جب خود غرضی کی لعنت میں گرفتار ہوں اور
عورت کو مجبور کرنا چاہیں تو قطعاً نہیں کرسکتے حتیٰ کہ اگر اس کی اجازت کے سوا نکاح
کیا جائے اگرچہ اس کا باپ ہی کرے تو بغیر اس کی اجازتِ صریحہ کے جائز نہیں ہوسکتا
بخاری ج ۲ ص ۷۷۱، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۹، سنن نسائی ج ۲ ص ۷،
ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۶ میں ثیب کے متعلق ہے والنظم من البخاری عن
خنساء بنت خذام الانصاریۃ ان اباھا زوجھا وھی ثیب فکرھت
ذٰلک فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرد نکاحہا اور بکر کے
متعلق سنن نسائی ج ۲ ص ۷۸، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۵، ۲۸۶ سنن ابن ماجہ ص ۱۳۵، سنن بیہقی
ج ۷ ص ۱۱۷، ۱۱۸، کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۶ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

سے ہے ان جاریة بکرا اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم فذکرت لہ ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیز سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ان رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد نکاح بکر وثیب انکحھما ابوھما وھما کارھتان فرد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکاحھما، اور سنن نسائی، ابن ماجہ کی روایات کے آخر میں ہے والنظم من ابن ماجۃ فقالت اجزت ماصنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس للاٰباء من الامر شیئ یعنی اس کنواری لڑکی نے عرض کیا کہ میں نے اپنے باپ کے کہنے کو جائز رکھا مگر میرا مطلب یہ تھا کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بارے میں ان کے باپوں کو کچھ اختیار نہیں تو امس وشمس کی طرح واضح اور لائح ہوا کہ صورتِ مذکورہ میں سلمیٰ کا نکاح زید سے ہو گیا اور آئین شرعی حکومتِ مغلیہ کا بھی یہی حکم تھا چنانچہ فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۱ میں ہے نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی نیز اسی میں ہے لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا حتیٰ کہ فرنگی حکومت نے بھی اسلامی قوانین کی رو سے یہی حکم جاری کیا ہوا تھا جس پر آج تک حکومتِ خداداد پاکستان بھی عامل ہے اور سلمیٰ عاقلہ بالغہ حرہ نے بڑے انتظار کے بعد اپنے اختیار وا ذن سے نکاح کرایا ہے اور اس کے اذن کی ضرورت تھی چنانچہ صحیح حدیث متفق سے گزر چکا حتی تستأذن وہ پوری ہو گئی اور عبارۃ النساء والاعذار بھی نہیں ہو سکتا کہ نکاح خواں مرد ہے، باقی وہ احادیث جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ولی کی اجازت کے سوا نکاح نہیں ہوتا تو گو وہ بظاہر دلائل مجوزہ مذکورہ سے متصادم ومتعارض ہیں مگر طرقِ معہودہ ترجیح وتوفیق سے تلفیق وتطبیق ہو سکتی ہے کہ وحی جلی وخفی میں حقیقۃً تعارض

ناممکن ہے صرف ہمارے قصورِ عقل سے ہی صورتِ تعارض پیدا ہو جاتی ہے جسے ائمۂ دین متین ومحققین سلف صالحین نے باحسن وجوہ رفع فرما دیا اولاً تو احادیث اختیار قوت کے لحاظ سے ارجح ہے کما بین فی محلہ وحقق وتقوی باتفاق الصحیحین والسنن الاربعۃ علی تخریج احادیث الاستیذان ثانیاً یہ کہ توفیق دلائل طرفین ممکن ہے تو اسلم یہی ہے کہ اسی راہ کو اختیار کیا جائے یعنی دلائل اختیار حرہ عاقلہ بالغہ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس کی اہلیت غور و استصواب کی بنا پر اور دوسرے دلائل غیر بالغہ یا مجنونہ یا کنیز کے ساتھ مخصوص ہیں کہ ان میں اہلیت استصواب وغور نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولی سے مراد یہی مولیٰ ہو چنانچہ ابوداؤد سنن بیہقی کی احادیث میں بالترتیب ہے بغیر اذن موالیہا اور بغیر اذن مولاھا وارد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ولی سے مراد وہ ہو جسے عورت اجازت و اختیار نکاح دے خواہ کوئی ہو کہ ولی معانی متعددہ کے لئے لغت عرب میں مستعمل ہوتا ہے بلکہ ولی کا یہ معنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع سے مستفاد ہے کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۶ میں ہے قال رسول اللہ تعالی علیہ وسلم لا نکاح الا بولی قیل یا رسول اللہ من الولی قال رجل من المسلمین یعنی ولی کے سوا نکاح نہیں، عرض کی گئی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) ولی کون ہے؟ فرمایا کوئی مرد مسلمانوں سے؛ اور اس معنی کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا ہے والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض، اور احتمالات مذکورہ کے علاوہ اور بھی احتمالات ہیں، تو اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے ولی کا ایک معنی متعین کر کے صریح دلائل اختیار کو ترک کر دینا نہایت ہی بعید ہے۔

کاش ہمارے مہربان نزاکتِ زمانہ کو ملحوظ فرماتے ہوئے ایسی حرکات سے باز آجاتے حالانکہ صورتِ مذکورہ میں تو سلمیٰ کا باپ بکر ولی ہونے کے قابل ہی نہیں کہ

اس نے فرمانِ خداوندی اوفوا بالعقود کی خلاف ورزی کی اور انکحوا الایامٰی منکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پچیس برس تک لڑکی کو مقید رکھا، اور مشکوٰۃ شریف کی حدیثِ مرفوع میں توراتِ شریف سے منقول ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کو پہنچے تو اس لڑکی سے جو گناہ ہو وہ باپ پر ہے اور اس ظالم نے بارہ اور بارہ چوبیس سال سے بھی ایک سال زائد مقید رکھا۔ آخر لڑکی نے ناراض ہو کر راہِ فرار اختیار کیا، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسخوط یعنی جس پر ناراضگی ہو، ولی نہیں بن سکتا۔ کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۷ میں ہے فان انکحہا ولی مسخوط فنکاحہا باطل اور سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۴ میں ہے فان انکحہا ولی مسخوط علیہ فنکاحہا باطل اور حضرت امام شافعی جن کے دامان میں یہ لوگ اکثر پناہ لیا کرتے ہیں، وہ بھی فاسق کو ولی شمار نہیں فرماتے، میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۱۱۶ اور رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ج ۲ ص ۶۴ میں ہے ولا ولایۃ للفاسق عند الشافعی و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

بہرحال ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروز کی مانند روشن و ہویدا ہوا کہ سلمیٰ کا نکاح زید کے ساتھ منعقد و صحیح ہو گیا اور پھر دخول وغیرہ سے متاکد ہو گیا کہ کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۶ اور سننِ بیہقی ج ۷ ص ۱۱۲ میں ہے والنظم من الکنز کان علی اذا رفع الیہ رجل تزوج امرأۃ بغیر ولی فدخل بہا امضاہ تو ان علماء کو حق نہیں تھا کہ بطلانِ نکاح کا فتوے دیتے اور بکر کو بھی جائز نہیں تھا کہ نکاح پر نکاح کرتا، کیا قرآنِ کریم کا ارشادِ مبین صراحۃً موجود نہیں والمحصنات من النساء لہٰذا نکاحِ ثانی باطل ہے اور نہایت ہی ضروری ہے کہ عورت کو زید کے گھر بھیجا جائے کہ وہ صاحبِ نکاحِ صحیح ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم وعلمہما اتم واحکم جل جلال ربنا المعطی وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ وحبیبہ العاطی فالمعطی وعلیٰ

آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ الحنفی القادری الاشرفی النعیمی غفرلہ

الجواب صحیح والمجیب مصیب

العبد المذنب زبیر احمد المتوطن بگڑی ضلع منٹگمری

۲۱ ۶/۷۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت عدتِ وفات گزار رہی ہے اور عدت میں اس کے چلا جانے کا غالبًا وہم ہے، بنائر علیہ عدت کا لحاظ رکھتے ہوئے رو برو حاضرینِ مجلس کے ایک قاضی صاحب نے برائے حبس کے ایک عورت اور مرد کے بالتراضی انگوٹھے لگا کر کہہ دیا کہ تمہارا نکاح ہو گیا ہے اور وہ اپنا نکاح سمجھ کر گھر واپس ہو گئے ہیں یہ حیلہ اس لئے کیا گیا تا کہ عورت کے نہ جانے پر اطمینان ہو جائے، پھر عدت گزرنے پر نکاح کر لیا جائے گا ؛ اس حیلۂ مذکورہ سے نکاح ہوتا ہے یا نہیں ؟ اگر ہوتا ہے تو عدت میں ہوا لہٰذا کرنے کرانے والے پر کیا تعزیر ہونی چاہیئے ؟ اگر نہیں ہوتا تب بھی اس کے متعلق تحریر فرمادیں کیونکہ زنا کرانے پر یہ بھی ایک طریقہ جائز ثابت کر دینا ہے، بحوالہ کتب و ادلہ صحیحہ جواب تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

یہ فعلِ شنیع قطعاً نکاح نہیں کہ صرف انگوٹھے لگانا نکاح نہیں بن سکتا اگرچہ عورت عدت میں بھی نہ ہو کہ نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے اور وہ الفاظ ہیں، فتاوی عالمگیر ج۲ ص۱ میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول کذا فی الکافی والایجاب ما یتلفظ بہ اولا من ای جانب کان والقبول جوابہ ھکذا فی العنایۃ اور صورتِ مذکورہ میں تو ایجاب وقبول کے الفاظ کہہ لینا بھی قطعاً نکاح نہیں ہو سکتا کہ عورت عدت میں ہے اور حقیقتِ عدت مدت مقررہ تک نکاح کرنا اور زیب وزینت لگانا لزومی طور پر چھوڑنا ہے، شامی ج۲ ص ۸۲۳ میں ہے فحقیقتہ الترک للتزوج والزینۃ اللازم شرعا فی مدۃ معینۃ شرعا۔ قرآنِ کریم میں ہے ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ یعنی نکاح کی گرہ پکی نہ کرو عدت کے پورے ہونے تک؛

فقہائے عظام نے فرمایا کہ عدت پورے ہونے تک پہلا نکاح نکاحِ ثانی کے حرام ہونے کے حق میں حکماً جمیع وجوہ سے قائم رہتا ہے۔ بدائع صنائع ج۲ ص ۲۶۸، ۲۶۹ اور ج۳ ص ۲۰۴ میں ہے والنظم منہ واما المطلقۃ ثلثا وبائنا والمتوفی عنہا زوجہا فلان النکاح حال قیام العدۃ قائم من کل وجہ لقیام بعض آثارہ کالثابت من کل وجہ فی باب الحرمۃ، اور جب حکماً پہلا نکاح قائم ہے تو وہ عورت عدت پوری ہونے سے پہلے شرعاً محلِ نکاح ہی نہیں؛ فتح القدیر ج۳ ص ۱۱۷، ۱۱۸ میں ہے وانتفاء محلیۃ المرأۃ للنکاح شرعا باسباب (الی ان قال) الخامس حق الغیر کالمنکوحۃ والمعتدۃ

تو دوسرے نکاح کے جواز و انعقاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا کوئی امام بھی اس نکاح کا قائل نہیں اور کسی کے نزدیک منعقد نہیں ہوتا، فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۶۷ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص، میں ہے والنظم للامام فقیہ النفس ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر و معتدۃ الغیر عند الکل۔ بحر الرائق ج ۴ ص ۱۰۴، شامی ج ۲ ص ۸۳۵ میں ہے لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا اور یہی وجہ ہے کہ عدت کے اندر صراحۃً مطالبۂ نکاح اور وعدۂ نکاح بھی ممنوع ہے، قرآن کریم میں ہے ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۹ میں ہے لا یجوز التصریح بالخطبۃ فی حال قیام العدۃ تو جو شخص عدت پوری ہونے سے پہلے دیدہ و دانستہ نکاح کرنا حلال جانے، قاضی ہو یا گواہ یا کوئی اور، تو وہ کافر ہو جاتا ہے فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۱۰۷، ۱۰۸ میں سوال و جواب میں ہے الذین یطلقون نساءھم فیتزوج الرجل منھم زوجۃ الاخر المدخولۃ بعد طلاقہ بجمعۃ او اقل وکذلک بعد الموت لا یعتدون مطلقا و یستحلون ذلک (الی ان قال) من استحل حکما علم امرہ وحرمتہ فی دین نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو کافر، تو ان سب پر لازم کہ کلمۂ اسلام از سر نو پڑھیں اور سچے دل سے تائب ہوں اور چونکہ ان سب کے اپنے اپنے نکاح بوجہ کفر ٹوٹ چکے لہٰذا نکاح از سرِ نو کریں اور اگر عدت کے اندر نکاح کرنا حلال تو نہیں جانتے مگر محض عورت کے ڈرانے اور پابند کرنے کی وجہ سے کوئی مصنوعی صورت بنائیں تو کافر نہیں ہوں گے مگر پھر بھی یہ کام سراسر ظلم اور فریب اور جھوٹ ہے، شرعاً صحیح وعدہ بھی ممنوع ہے تو مصنوعی صورتِ نکاح

بنانا اگرچہ تراضی سے ہو، کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں بلکہ محض حرام اور خمر و خنزیر کے برابر ہے اور پھر عورت کے محبوس اور پابند کرنے کا کیا معنٰی؟ کافروں کا یہ دستور تھا کہ خاوند مرنے کے بعد خاوند کے قریبی رشتہ دار عورت پر قبضہ جما لیا کرتے تھے تو حضرت رب العالمین جل وعلا نے یہ حرام کر دیا، ارشاد فرمایا یا ایھا الذین اٰمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النکاح کرھا "اے ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی"۔

تفسیر در المنثور ج ۲ ص ۱۳۱ میں ہے اخرج البخاری و ابوداؤد والنسائی والبیھقی فی سننہ و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم من طریق عکرمۃ عن ابن عباس فی قولہ تعالٰی یا ایھا الذین اٰمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا قال کانوا اذا مات الرجل کان اولیاؤہ احق بامراتہ ان شاء بعضھم تزوجھا وان شاء وا زوجوھا وان شاء وا لم یزوجوھا فھم احق بھا من اھلھا فنزلت ھذہ الاٰیۃ فی ذٰلک بلکہ عاقلہ بالغہ عورت پر اگرچہ کنواری ہی ہو، کوئی جبراً نکاح نہیں ٹھونس سکتا اگرچہ سلطانِ اسلام ہو، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۱۱ میں ہے لا یجوز نکاح احد علٰی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنھا بکرا کانت او ثیبا اور صورتِ مذکورہ میں گو ظاہر یہی ہے کہ وہ قاضی اور حاضرینِ مجلس عدت کے اندر نکاح کرنا حلال نہیں جانتے اور محض ڈرانے اور پابند کرنے کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے مگر پھر بھی گناہِ عظیم سے بچ نہیں سکتے کہ عورت کی رضا حاصل کرنے کے لئے نکاح کا صاف صاف نام لیا اور نکاح بنایا اور کہا کہ نکاح ہو گیا ہے، یہ سب حرام اور جھوٹ ہے، پھر وہ عورت و مرد سمجھ گئے کہ نکاح ہو گیا ہے، یہ ان کے حق میں بدترین دھوکا کیا گیا جو گمراہی اور گمراہ گری ہے اور بےشمار

زناکاریوں کا دروازہ کھولنا ہے، وہ قاضی اور گواہان وحاضرین سب کے سب ان بدکاریوں میں شریک ہیں، ان سب پر فرضِ عین کہ سچے دل سے توبۂ ظاہرہ کریں اور اس مرد وعورت کو واضح طور پر بتادیں کہ یہ نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوا تاکہ وہ زنا سے بچیں اور دھوکا میں نہ رہیں ورنہ بدترین عذابِ جہنم کے لئے تیار رہیں، باقی رہی تعزیر تو وہ بہت بڑی سخت ہے مگر جب کوئی لگانے والا ہی نہیں تو لکھنے کا کیا معنی؟ اس دورِ آزادی وبے باکی میں کیا کہا جائے؟ یہی غنیمت ہے کہ سچے دل سے علانیہ تائب ہوجائیں اور ایسے افعالِ شنیعہ سے باز آجائیں والی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔ ہاں عدت گزرنے کے بعد اگر عورت اپنی رضا ورغبت اور اختیار سے پسند کرے تو اسی مرد کے ساتھ حسبِ دستورِ شرعی نکاح ہوسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم: مزاج شریف!

لڑکی شمیم اختر کا ماموں دشمن پارٹی کی بہو سے بدکار تھا، وقوعہ کی رات

دشمنان کسی بہانہ سے لڑکی کے ماموں کو گھر سے بلا کر کنوئیں پر لے گئے تو دشمن کی عورت کے دل میں خیال آیا کہ میرا خاوند لڑکی مذکورہ کے ماموں کو قتل کر دے گا، اس نے دوڑ کر لڑکی کی نانی کو خبر کر دی کہ میرا خاوند جو تمہارے لڑکے کو اس وقت بلا کر کنوئیں پر لے گیا ہے تمہارے لڑکے کو قتل کر دے گا اس واسطے دو چار آدمی ساتھ لیجاؤ اور لڑکے کو چھڑا لاؤ، چنانچہ لڑکی کے نانکے دونوں میاں بیوی اسی وقت کنوئیں پر گئے اور ساتھ ہی لڑکی کو اس خیال پر لے گئے کہ لڑکی ساتھ بطور میلا یعنی کنبہ کے ہو گی اور ان کے دل میں رحم آجائے گا تو لڑکے کو چھوڑ دیں گے، چنانچہ کنوئیں پر جا کے ان سے دونوں میاں بیوی نے کہا لڑکے کو چھوڑ دو مگر انہوں نے کہا کہ تم لڑکی کا نکاح ہمیں دے دو تو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ ہم تمہارے لڑکے کو ضرور قتل کر دیں گے لہٰذا دونوں میاں بیوی نکاح دینے پر رضامند نہ ہوئے تو انہوں نے زبردستی شروع کر دی یعنی نانے کو علیحدہ مکان میں بند کر دیا اور نانی کو علیحدہ مکان میں بند کر کے لڑکی سے زبردستی نکاح پڑھوانا شروع کر دیا، لڑکی کو کہا اگر تو نے نکاح نہ پڑھا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے، تمہیں مار چھوڑیں گے چنانچہ لڑکی نے رونا شروع کر دیا اور روتے روتے نکاح پڑھتی رہی جو کہ صحیح لفظوں میں بھی نہ پڑھ سکی کیونکہ لڑکی کی رضامندی نہیں تھی، نانی نانا کی مرضی نہیں تھی، یہ سارا کھیل ڈرا دھمکا کر کھیلا گیا، چونکہ میں مسمیٰ جلال دین لڑکی کا نانا یا ہوں میں اس وقت یہاں کھرپے میں اپنے گھر تھا، یہ کھیل پاکپتن کے علاقہ کے گاؤں جا لندھریاں میں کھیلا گیا یعنی نہ تو نانکوں کی مرضی تھی اور نہ ہی میری مرضی تھی، اصل وارث تو میں ہی ہوں اور لڑکی کے دو نوجوان بھائی بھی وارث ہیں، وہ دونوں بھی اس وقت یہاں موضع کھرپے میں تھے اس لئے ہم وارثوں کی رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہماری قوم بھٹی ہے اور وہ لوگ جٹ۔ لڑکی اس وقت جوان ضرور تھی۔

خیر اندیش : جلال دین موضع ۳۴۳/ایس پی کھرپے ضلع منٹگمری

نوٹ :- جلال دین نے بیان دیا ہے کہ لڑکی اس وقت تیرہ سال کی تھی اور جوان نہیں تھی تو میں نے کہا کہ تحریر میں جوان لکھی ہے تو اس نے کہا کہ میں نے جوان نہیں کہا تھا مگر میں خود جاہل ہوں، لکھنے والے نے یوں لکھ لیا، بہرحال لڑکی جوان نہیں تھی۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ر ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

اگر سوال مع ترمیم بیانِ زبانی صحیح و درست ہے تو شمیم اختر کا یہ مصنوعی نکاح قطعاً نہیں ہوا، غیر بالغہ لڑکی کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں ہوتا اور ولی عصبہ ہے، عصبہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ولی نہیں کما فی الھندیۃ وغیرھا من المعتبرات بلکہ اگر یہ ولی بھائی یا تایا بھی نکاح کر دیتا جب بھی غیر کفو ہونے کے سبب منعقد نہ ہو سکتا، فتاوےٰ ہندیہ ج ۲ ص ۱۵ میں ہے واجمعوا علیٰ انہ لا یجوز من غیر الاب والجد ولا من القاضی کذا فی فتاویٰ قاضیخان بلکہ اگر لڑکی جوان ہوتی اور اپنے طور خوشی سے نکاح پڑھتی تب بھی صورتِ مذکورہ میں مفتیٰ بہ قول پر اصلاً منعقد نہ ہوتا، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۴۰۸، ۴۰۹ وغیرہا کتبِ معتمدۂ مذہبیہ میں ہے ویفتی فی غیر الکفوٴ بعدم الجواز اصلاً و ھو المختار للفتویٰ، بہرحال یہ نکاح، نکاح نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ رذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ کا نکاح ہندہ کی مرضی کے خلاف اور اس کے والدین و دیگر ورثاء کے ساتھ جبر وظلم زدوکوب کرکے پڑھا گیا، ہندہ کے والدین اور ورثاء یہی کہتے رہے کہ ہم نکاح نہیں دیتے، زمیندار ان دبہ اور نکاح خواں نے جبراً وظلماً وقہراً نکاح کا ایجاب وقبول کرلیا، آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ مکرر معروض کہ ہندہ کا نکاح غیر کفو میں کیا گیا ہے۔

المستفتی: ابوالیسر محمد اسمٰعیل عفا اللہ عنہ المہتمم دارالعلوم غوثیہ الواقعۃ فی قریۃ چک ٹوانہ، ۱۱ شعبان المعظم ۱۳۶۷ھ

صورتِ مذکورہ میں نکاح صحیح نہیں ہوا کہ ہندہ اگر عاقلہ بالغہ ہے تو اس کا نکاح اس کی رضا کے بغیر نہیں ہوسکتا اور نہ اس پر کسی کا جبر ہوسکتا ہے اگرچہ باپ یا بادشاہ

ہی ہو اور اگر صغیرہ یا مجنونہ ہے تو ولی کے سوا اس کا نکاح کوئی نہیں کر سکتا، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۲، فتاوی قاضی خان ج ۲ ص ۱۵۵ شرائط نکاح میں ہے منہا رضا المرأۃ اذا کانت بالغۃ بکرا کانت او ثیبا فلا یملک الولی اجبارھا علی النکاح عندنا کذا فی فتاوی قاضیخان، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱۱ میں ہے لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا درالمختار، ردالمحتار ج ۲ ص ۱۰ ۴، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۰، ہدایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۱ میں ہے والنظم من الھدایۃ لایجوز للولی اجبار البکر البالغۃ علی النکاح، فتاوی قاضیخان ج ۱ ص ۱۶۳، مبسوط ج ۴ ص ۲۱۹، ج ۴ ص ۲۲۳، ہدایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۵، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۹، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۲۸۴ کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۸، ۱۱۹ میں ہے والنظم من الھدایۃ والترتیب فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب بالاقرب، مبسوط ج ۴ ص ۲۲۲ میں ہے ولایجوز لغیر الولی تزویج الصغیر والصغیرۃ۔

ان تصریحات مذکورہ اور ان کی ہم مثل متعدد کتب مذہب مہذب اور آیات و احادیث سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ انکار عاقدہ و ولی کی صورت میں اجنبیوں کا ایجاب و قبول غیر معتبر و بیہودہ حرکت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلہ ذیل ہیں کہ ایک لڑکی جس کا والد اور دادا دونوں فوت ہو چکے ہیں اور نہ ہی کوئی حقیقی بھائی ہیں اور اس لڑکی کے پانچ حقیقی چچے زندہ موجود ہیں، اس لڑکی کے ایک حقیقی چچے کے ساتھ اس لڑکی کی والدہ کا نکاح بھی ہے، اس لڑکی کی والدہ اپنے خاوند سے گھریلو معاملات کی وجہ سے ناراض ہو کر کہیں چلی گئی اور اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف اس کے چاچوں کی عدم موجودگی اور عدم علم میں کسی آدمی سے کر دیا، جب چچوں کو علم ہوا تو انہوں نے سخت ناراضگی اور مرمٹنے کا اظہار کیا یہاں تک کہ خانہ جنگی کا سخت خدشہ ہے۔ وہ لڑکی اب بالغ ہو چکی ہے اور بالغ ہوتے ہی اس نے اپنے نکاح سے انکار کر دیا روبرو گواہوں کے اور اب تک لڑکی اس لڑکے سے الگ رہی ہے جس سے نکاح کیا گیا تھا، یہ بیان لڑکی کی والدہ اور چچے کا ہے، نیز وہ لڑکی اپنے چچوں کی مرضی کے مطابق کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل : حافظ فتح محمد وٹو سکنہ چالکوٹ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

گواہ شد : حاجی محمد عارف وٹو مولوی غلام محمد و مولوی محمد طفیل نوری

(نوٹ) یہ استفتاء حافظ فتح محمد خاں صاحب وٹو نے اپنی تحقیق اور تسلی کر کے اپنی طرف سے بھیجا ہے۔

یہ نکاح جو نابالغہ لڑکی بارہ سالہ عمر کا اس کی ماں نے اس کی مرضی اور حقیقی پانچ چچوں کی اطلاع و اجازت کے بغیر کر دیا، نکاح موقوف تھا یعنی اگر کوئی چچا اطلاع پا کر اجازت دے دیتا تو جائز ہو جاتا مگر جب سب چچوں نے اطلاع پاتے ہی سخت ناراضگی اور مرمٹنے کا اظہار کیا تو وہ نکاح موقوف باطل ہو گیا اور جبکہ لڑکی اس لڑکے سے بالکل علیحدہ رہی ہے تو عدت بھی نہیں لہٰذا اب لڑکی کو اجازت ہے کہ حسبِ دستور شرع شریف اور نکاح کر سکتی ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۲۸۵ طبع مصر میں ہے وان زوج الصغیر او الصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ، نیز اس کے ص ۲۸۳، ۲۸۴ میں ہے، وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ الخ بہرحال ماں (جو چچوں کے ہوتے ہوئے ولی نہیں بن سکتی) کا یہ کیا ہوا نکاح ختم ہو چکا اور لڑکی کو نکاح جدید کی اجازت ہے بشرطیکہ سوال صحیح اور واقعی ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ۱-۶-۷۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ عظام اندریں صورت کہ زید نے اپنی لڑکی نابالغہ کی نسبت ایسے مرد سے کرنے کا فیصلہ کیا جو بہرا اور گونگا ہے اور دس پندرہ دن کے بعد منگنی بھی کر دی۔ پھر یہ بات تمام برادری اور بہت سے دوسرے لوگوں میں بھی مشہور ہوئی۔ منگنی سے تقریباً ڈیڑھ سال بعد تقریباً ایک ماہ کے دن مقرر کر دیئے، اس دوران میں زید کی ہمشیرہ نے بھی کہا اور کئی دوسرے افراد سے بھی جو معزز شمار کیے جاتے تھے کہلوایا مگر زید نے ایک نہ مانی، زید کو ہمشیرہ نے یہ بھی کہا کہ ایک ہزار روپیہ بھی زیورات بھی، روٹی وغیرہ بھی ہم دیتے ہیں، یہ رشتہ میرے لڑکے کو دے دے حالانکہ اس کا لڑکا بے عیب اور ہم کفو تھا اور اس بات پر میرا چھوٹا بھائی عاقل بالغ دولا بھی متفق تھا کہ بھانجے کو رشتہ دیا جائے۔ ایک زمیندار نے بھی ہدایت کی کہ برادری جس طرح کہتی ہے تیرے لئے وہی بہتر ہے مگر زید ہر چند یہی جواب دیتا رہا کہ میں زبان کر بیٹھا ہوں لہٰذا ادھر ہی رشتہ کروں گا منگنی کے دن مندرجہ ذیل اشیاء زید نے لینی مقرر کیں :-

چار سو روپیہ کچھ زیور اور دو وقت کی روٹی،

اب جب دن مقرر ہو گئے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ روٹی ہم نہیں دیں گے تو زید نے جواب دیا کہ پھر ماہ کاتک میں آئیں، اب میرے پاس بھی روٹی نہیں چنانچہ کافی لے دے کے بعد طے پایا کہ دو سو روپیہ زید کو اور دے دیا جائے اور روٹی زید ہی کے ذمہ رہے اور نکاح ہوا۔

القصہ اب جبکہ لڑکی بالغ ہوئی تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ تو بالکل ناکارہ

ہے، نہ بات سننے کا نہ کرنے کا چنانچہ وہ اب جبکہ میکے چھوڑ کے جاتی نہیں، زید کو محسوس ہوا اور مسئلہ پوچھنے چلا، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قسم کی بے احتیاطیوں اور سوء اختیاریوں کے باوجود نکاح صحیح نافذ ہوا یا نہ؟ بینوا اماجورین من رب العلمین۔

سائل: مسمی محمد سلیمان از اروڑہ میاں خاں

میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ بات ٹھیک ہے۔

(عطا محمد بقلم خود، اروڑہ میاں خاں)

میں اس کی تاکید کرتا ہوں۔ (خادم: حکیم محمد عارف منڈی بصیر پور)

اگر سوال و بیانِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو از روئے تحقیقِ ائمہ کرام و علمائے عظام شرعِ مطہر مذہبِ مہذب حنفیہ میں یہ نکاح باتفاق و اجماع باطل ہے، ایسے غلط ملط اور بے جوڑ رشتے سراسر باعثِ تکلیف و نقصان اور محض وبالِ جان، عمر بھر کے لئے مرض لاعلاج اور رسوا ہان مزاج ہوا کرتے ہیں، پھر ڈیڑھ سال سے زائد زمانہ تک یہ مشہور و معروف اور موضوعِ بحث بنا رہا اور خویش و اقربا، و دیگر بھی خواہ مشورے دیتے رہے، سمجھاتے رہے مگر اس نے نہ ملتے ہوئے سراسر سفاہت و طمعِ زر اور پھر حمیتِ جاہلیہ و نام نہاد زبان پروری کے لحاظ سے نکاح کر دیا، تو ایسی صورت میں باپ مختار و مجاز نہیں رہتا تھا کہ خود ولایت نظریہ کا یہی تقاضا ہے، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۴۵ میں ہے والاضرار لایدخل تحت ولایۃ الولی۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۴، کفایہ ج ۳ ص ۱۹۵،

بحرالرائق ج ۳ ص ۱۳۵، فتاوے غزی ص ۲۵، فتاوے عالمگیری عن السراج الوہاج ج ۲ ص ۱۵، تنویر الابصار، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۸۱۴، منحۃ الخالق عن النہر الفائق و شرح المجمع لابن ملک ج ۳ ص ۱۳۵ میں ہے والنظم من شرح المجمع لوعرف من الاب سوء الاختیار لسفہہ او لطمعہ لایجوز عقدہ اتفاقا نیز شامی علیہ الرحمہ نے فرمایا والحاصل ان المانع ہو کون الاب مشہورا بسوء الاختیار قبل العقد خصوصاً یہاں تو ہم کفو و قابل لڑکا بھی خاطب و طالب تھا تو یہ محض ظلم "ظلمات بعضہا فوق بعض" بناً ء اس و شمس کی طرح ولایتِ نظریہ کی علانیہ خلاف ورزی ہے بنا ءً علیہ یہ نکاح صحیح و نافذ نہیں بلکہ محض باطل و ناروا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۶ شوال المکرم ۷۳ھ ۲۸/۶/۵۴

اصاب من اجاب
فقیر قادری ابوالحسنات سید محمد احمد قادری
خطیب مسجد وزیر خاں لاہور

الجواب صحیح عندی واللہ اعلم بالصواب۔
کتبہ العبد الضعیف غلام علی غفرلہ الولی
المدرس فی المدرسۃ العربیۃ الکائنۃ فی اوکاڑہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ بکر منکوحہ زید کو

اغوا کر کے لے گیا اور اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے چار سال کی عمر میں لڑکی کا نکاح بلا اجازتِ زید کر دیا اور زید نے اس کا نکاح رد کر دیا۔ آیا یہ نکاح شرعاً نافذ ہے یا نہیں؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

منکوحۂ زید کی لڑکی زید کی لڑکی ہے، بکر کا اس پر کوئی حقِ ولایت نہیں تو بکر کا نکاح کر دینا فضولی ٹھہرے گا اور فضولی ہونے کی وجہ سے ردِ زید سے باطل و مردود ہو گیا لہٰذا یہ نکاح باطل و مردود ہے جس کے نفاذ کی اب اصلاً کوئی صورت نہیں الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ اللہ ربہ وفواہ علیٰ کل غبی وغوی وشقی۔

۲۸ / ذی الحجۃ ۱۳۶۳ھ

الجواب صحیح لا ریب فیہ

فقیر غلام رسول غفرلہ

نائب مدرس[عہ] دار العلوم حنفیہ فریدیہ فرید پور جاگیر ضلع منٹگمری

عہ حال شیخ الحدیث جامع رضویہ فیصل آباد (محب)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و بزرگانِ شرعِ متین ایک عورت کا نکاح زید سے ہے بموجب رسم و رواج شادی نہیں ہوئی تھی، اس کے والدین نے بلا طلاق حاصل کئے اسکو کسی اور جگہ بیاہ دیا، کچھ عرصہ کے بعد عورت سے لڑکی پیدا ہوئی، لڑکی تولد ہونے کے چار سال بعد ثانی خاوند عورت نے ایک لڑکے کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح کر دیا آیا وہ نکاح درست ہے؟

ثانی محض زانی ہے، عورت کا خاوند اور لڑکی کا باپ شرعًا وہی ہے جس کے ساتھ نکاح ہوا تھا، رسمی شادی کا قطعاً اعتبار نہیں لہٰذا یہ نکاح بلا اجازتِ والدِ شرعی شرعًا درست نہیں کہ وہی ولی ہے اور نکاح نابالغہ کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے وکل ذا ابین من ان یبین واظہر من ان یبرھن۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید کی منکوحہ بیوی بغیر طلاق حاصل کئے عمر کے ساتھ چلی گئی، عمر کے ہاں ازدواجی زندگی بسر کرنے کے دوران میں اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نکاح عمر نے گیارہ سال کی عمر میں کسی جگہ کر دیا، اس نکاح کے بارے میں کیا حکم ہے حالانکہ وہ لڑکی نابالغہ تھی اور جبکہ زید اس نکاح میں قطعاً رضامند نہیں تھا۔

سائل، محمد صدیق بھٹہ ساکن ۲۸/۴-L تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

شرعاً وہ لڑکی زید کی ہے تو اس کا نکاح جب تک نابالغ رہے، زید کر سکتا ہے، عمر کے لئے حقِ ولایت نہیں تو وہ نکاح موقوف براجازتِ زید تھا اور جب تک وہ اجازت نہ دے، رد کر سکتا ہے، فتاوٰے عالمگیری ج ۲ ص ۹ میں ہے تثبت الولایۃ باسباب اربعۃ الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی فلک شیر کا نکاح عرصہ دس سال سے مسماۃ چراغاں کے ساتھ کیا گیا ہے اور مسمّٰی فلک شیر کی عمر دس سال کی تھی اور اس کا ولی شرعی چچا رحمت علی تھا جس کی اجازت سے نکاح ہوا اور مسماۃ چراغاں کی عمر نیز دس سال کی تھی اور ولی شرعی اس کا چچا ولی محمد تھا جس نے نکاح کر دیا اور نکاح میں کوئی مانع شرعی نہ تھا اور مسماۃ چار سال سے بالغہ ہو چکی ہے، آیا یہ نکاح صحیح ہو چکا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی : رحمت علی ساکن چک بیدی نانک سر۔

و المستفتی الثانی : ولی محمد ساکن چراما نیکا۔

اگر صورتِ مذکورہ بالا واقعیہ ہے کہ وقتِ نکاح لڑکے اور لڑکی کے ولی شرعی چچے تھے یعنی ان کے ماسوا کوئی ولی اقرب موجود نہ تھا اور انہی نے نکاح کر دیا اور مانع شرعی کوئی بھی موجود نہ تھا تو صحتِ نکاحِ مذکورہ میں کوئی شک و شبہ نہیں، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۹ میں ہے و کل ھؤلاء لھم ولایۃ الاجبار علی البنت و الذکر فی حال صغرھما و حال کبرھما اذا جنا کذا فی البحر الرائق و کذا فی

سائر اسفار المذهب متونا وشروحا وفتاوى۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ علی

حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ ربہ وقواہ علی کل غبی وغوی وشقی

الجواب هو الموافق للصواب

خادم الطلبہ: محمد چراغ دین مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ نعیمیہ

الجواب صحیح والمجیب مصیب

خادم العلماء محمد بشیر احمد صدر مدرس مدرسہ آستانہ عالیہ بسی شریف ہوشیار پور

حال وارد دار العلوم حنفیہ فریدیہ فرید پور جاگیر

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

باسمہ تعالیٰ

ایک لڑکی نابالغ کا نکاح والد کے چچا نے کر دیا تھا اور والد نے انکار کر دیا مجلسِ نکاح سے چلا گیا، لڑکی کی عمر تین سال کی تھی، جب نو دس سال کی ہوئی تو لڑکی نے انکار کر دیا کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں ہے، اب تک کہتی ہے کہ یہ نکاح مجھے منظور نہیں ہے اور والدہ اس کی کہتی ہے کہ جب میری لڑکی کو پہلا حیض آیا تو اس نے انکار کر دیا۔ الغرض قبل بلوغ بعد بلوغ انکار کرتی رہی، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو قابلِ فسخ ہے یا نہیں؟

انڑکن پورہ

صورتِ مسئولہ میں نکاح نہیں ہے، فتاوئے عالمگیری ج ۲ ص ۱۰ میں ہے وان زوج الصغیر والصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ یعنی اگر نابالغ اور نابالغہ کا نکاح دور کا ولی کردے اور نزدیکی ولی حاضر ہو اور وہ قابلِ ولایت بھی ہو (دیوانہ یا بچہ یا کافر نہ ہو) تو یہ نکاح نزدیکی ولی کی اجازت پر موقوف ہے اور جب باپ انکار کرتا ہے اور راضی نہیں ہوا تو یہ نکاح جائز نہیں البتہ اگر عدمِ اہلیتِ ولایت ہو اور اس کے چچا سے قریب کوئی اور ولی نہ ہو تو نکاح جائز ہوگا اور اس کا فسخ لڑکی کے انکار مذکور کے ثبوتِ شرعی پر بشرط القضاء ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۰ ۴/۴۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ۱۹۳۸ء

میں اپنے حقیقی لڑکے کا نکاح مسمیٰ قطلبہ ولد ترتیب کی لڑکی کے ساتھ کیا، بموجب رواج رسومِ علاقہ تمام برادری والوں کی بھی شمولیت ہوئی اور قطلبہ کی طرف سے اس کے تینوں بھائی یعنی لڑکی کے حقیقی چچے اور لڑکی کے دادا دادی بھی شامل تھے، لڑکی اور لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے چونکہ قطلبہ لڑکی کا باپ تھا اور میں لڑکے کا بموجب حکم شرع شریف ایجاب وقبول ہم دونوں کے موضع چک ۴/۲۳-ایل قطلبہ کے گھر میں ہوئی، احتیاطاً لڑکے اور لڑکی کو بھی کلمات پڑھا کر روبرو گواہاں کے ایجاب وقبول کرایا گیا، اب قطلبہ مذکور اپنی لڑکی کا نکاح اور جگہ کرنا چاہتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ پہلا نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ اس وقت لڑکی نابالغہ تھی اور رجسٹر پر بھی انگوٹھے نہیں لگے، اس واسطے پہلا نکاح ناجائز ہے لہٰذا بموجب حکم شرع شریف وکتب فقہ واحادیث سے ثابت کریں کہ پہلا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر پہلا نکاح جائز ہے تو دوبارہ نکاح کرنے والے یا جن کی اس نکاح میں شمولیت ہوگئی، کس سزا کے مستحق ہوں گے اور ان کا کیا حشر ہوگا، کتب واحادیثِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے جواب دیں، اجر ملے گا۔

السائل: بہادر علی از منڈی حویلی متصل اسٹیشن وساکے والا ضلع منٹگمری

بلاشک وشبہ دریبِ صورتِ مسؤلہ میں نکاح منعقد ہوچکا، اس کے انعقاد میں ائمۂ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق واجماع ہے اور اس انعقاد وجواز پر

قرآنِ کریم ناطق ہے، ارشاد ہوتا ہے واللّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر واللّٰئی لم یحضن، عدت فرعِ نکاح ہے اور نکاح اصل اور اصل کے بغیر فرع کا وجود متصور ہی نہیں تو اس آیتِ کریمہ سے صراحۃً ثابت ہوگیا کہ نابالغہ کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور طلاق ہونے پر عدت پڑتی ہے اور احادیثِ طیبہ سے متواتر طور پر اس کا ثبوت صریح ہے کہ حضرتِ صدیقِ اکبر ابوبکر خلیفۂ اولین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لختِ جگر حضرتِ صدیقہ ام المؤمنین محبوبۂ محبوبِ رب العالمین حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح صرف چھ سال کی عمر میں کردیا اور پھر حضرت قدامہ بن مظعون بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرتِ زبیر حواری حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنی لڑکی کا نکاح پیدا ہونے کے دن ہی کردیا اور کسی صاحب نے اس کا انکار نہ کیا، کتبِ مذہبِ مہذبِ حنفیہ میں صراحۃً اس کا ثبوتِ بیّن موجود ہے چنانچہ فتاوےٰ عالمگیر وغیرہا میں ہے وکل ھٰؤلاء لھم ولایۃ الاجبار علی البنت والذکر فی حال صغرھما۔

باقی رہا یہ عذرِ خام کہ رجسٹر پر انگوٹھے نہیں لگے محض بے بنیاد اور رکھو کھلا ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ دلائل شرعیہ اس کا رد کرتی ہیں، یہ انگوٹھوں والا رجسٹر اس زمانِ پُرفتن کی نئی ایجاد ہے، شرعاً نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے، فتاوےٰ عالمگیر وغیرہا میں ہے ینعقد بالایجاب والقبول تو اس کا یہ عذر شریعتِ مطہرہ پر افترا بلکہ شریعتِ بیضا کا مقابلہ ہے۔

الحاصل امس وشمس کی طرح واضح ولائح ہوا کہ نکاحِ مذکور صحیح ونافذ ہے تو دوبارہ نکاح کرنا نکاح پر نکاح کرنا ہوگا جس کی حرمت قرآنِ کریم سے صاف ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے والمحصنٰت من النساء اور اس جرمِ عظیم کے مرتکب کی سزا کے وہی مدارج و اقسام ہیں جو شریعتِ مطہرہ کی کھلی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے معہود ومعلوم ہیں لہٰذا

اہلِ اسلام پر لازم کہ اس کو اس فعلِ شنیع کے ارتکاب سے حتی المقدور سختی سے روکیں کہ حدیث میں وارد ہے، صحیح مسلم وغیرہ میں ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ الحدیث - واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ شعبان المعظم ۶۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا، ایجاب وقبول دونوں کے والدوں نے کیا ہے، شاہدین موجود ہیں، کیا یہ نکاح صحیح اور جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نور محمد بھٹہ سکنہ چک ۲۱۹ لکھانوالہ ۴ ربیع الاول شریف

ایسا نکاح صحیح ونافذ ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول رکنِ نکاح بلا مانع پائے گئے، فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ۱ میں ہے فاما رکنہ فالایجاب والقبول نیز اسی میں ہے، ج ۲ ص ۱۰ فان زوجہما الاب والجد فلا خیار لہما بعد بلوغہما اور ایسے

ہی تمام کتبِ مذہب مہذب میں صراحۃً مذکور و مبرہن و مبین ہے اور احادیثِ حضور پر نور فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ قرآنِ کریم سے صاف صاف ثابت ہے وللتفصیل وقت آخر ولا خفاء علیٰ من لہ ادنی ربط بھما۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ مسمیٰ محمد دین کی لڑکی آٹھ سالہ نابالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے سوا کیا گیا، اطلاع ملنے پر مسمیٰ مذکور نے سخت ناپسند اور رد کر دیا تو شرعًا اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا اس لڑکی کا نکاح اور جگہ کیا جا سکتا ہے۔

سائل: گیلانی سید محمد علی شاہ سکنہ حویلی لکھا

سائل زبانی مظہر کہ نکاح کفو میں ہوا حالانکہ والد لڑکی کا نزدیک ہی موجود و معلوم تھا تو شرعًا یہ نکاح موقوف بر اجازت والد لڑکی مسمیٰ محمد دین مذکور تھا جو اس کے رد سے رد ہو گیا لہٰذا اب لڑکی مذکورہ کا نکاح اور جگہ کر سکتے ہیں، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۱۰، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۴ میں ہے والنظم من الدر فلو زوج الابعد حال

قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔

بہرحال صورتِ مذکورہ بالامیں وہ نکاح مردود ہوچکا اب اور جگہ نکاح ہوسکتا ہے کہ باپ عاقل قابل واہلِ ولایت ہی ولی اقرب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ربیع الثانی ۷۱ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ رسولِ کریم اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی بعمر دس برس کا نکاح والد کے موجود ہوتے ہوئے لڑکی کی والدہ کسی سے نکاح کردیتی ہے اور والد کی مرضی کے برخلاف نکاح کیا گیا، کیا یہ نکاح شریعت جائز رکھے گی یا نہ؟ بینوا توجروا۔

جواب بحوالہ کتب معتبرہ فقہ یا حدیث دیا جاوے۔

تصدیق کیا جاتا ہے کہ لڑکی تقریباً بالعمر گیارہ سالہ نابالغہ ہے، میں نے بچشم خود دیکھی ہے۔

حکیم محمد عبدالحق ولد حاجی مولوی جلال الدین بقلم خود

(نوٹ، لڑکی کے والد نے زبانی بیان کیا کہ یہ نکاح میرے پس پشت ہوا ہے اور جب مجھے پتہ چلا تو میں نے کہا بُرا کیا، میرے اجازت کے سوا کیا میرے سینے میں گولی لگا دی اس سے تو بہتر تھا کہ میں مرجاتا اور اب تک میں ناراض ہوں اور اجازت نہیں دی، تو اس نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا ماجورین۔

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح ہے اور باپ نے یہ کلمات رد نکاح کے کہے تو وہ نکاح مردود باطل ہوگیا ہے، فتاوے عالمگیر ص ۷، امیں ہے کہ اگر فضولی کو صاحب اجازت کے بئس ماصنعت تو ظاہر الروایۃ کی رو سے یہ رد ہے اور اسی پر فتوے ہے وفی ظاھر الروایۃ یکون ردا وعلیہ الفتویٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح باپ کے روکنے کے باوجود دادا نے کر دیا اس طرح پر کہ اس لڑکی کے عوض اپنے

لڑکے کے لئے رشتہ حاصل کرے، لڑکی مذکورہ کے باپ نے پہلے بھی مخالفت کی اور بعد میں بھی مخالفت کر رہا ہے اور نکاح اس کی غیر حاضری میں ہوا ہے باوجودیکہ وہ اسی گاؤں میں تھا، اب لڑکی مذکورہ بالغ ہوچکی ہے اور وہ بھی نکاحِ مذکورہ کی سخت مخالف ہے تو اندریں صورت شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل : محمد علی از بھینی عثمان خاں گدھوکا

ریاست بہاولپور

۷ رمحرم الحرام ۷۰ھ

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو نکاحِ مذکور سرے سے ہوا ہی نہیں کہ باپ کے ہوتے ہوئے باپ کی مرضی کے خلاف کسی کو نکاح کا اختیار نہیں کما فی اسفار المذہب المہذب متوناً و شروحاً و حواشی و فتاویٰ۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید نے بکر کی بیوی کو اغوا کر لیا اور

ساتھ ہی اس کی شیر خوار بچی کو بھی لے گیا، پیچھے بکر نے اس کی بیوی کو اپنے گھر بٹھا لیا۔ اس کے تین چار سال بعد زید قتل کے مقدمہ میں سزا ہو گیا، عورت وہاں اکیلی رہ گئی، اس نے اس نابالغ لڑکی جس کو اس وقت ماہواری شروع نہیں ہوئی تھی، عمر نو سال تھی اور وہ ساتھ لے گئی تھی، کا نکاح وہاں کے کسی باشندے سے کر دیا۔ اس کے بعد جب زید سزا ختم ہونے پر واپس آیا تو اپنی منکوحہ کو لڑکی کے نکاح کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اپنی منکوحہ کو مع بچی کے لے کر واپس جہاں سے گئے تھے آ گیا یعنی بکر سے اس کی رسائی ہو گئی۔ بکر کو جب معلوم ہوا کہ اس کی نابالغ بچی کا نکاح ہو گیا ہے تو اس نے بہت ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا اب لڑکی جو بالغ ہو چکی ہے، بالغ ہونے پر اس لڑکی نے اس نکاح سے انکار کر دیا ہے اور وہ اس نکاح کو نکاح تصور نہیں کرتی جو اس کی اور اس کے والد کی مرضی کے خلاف ہوا ہے لہذا اس کے متعلق فتوے صادر فرمایا جاوے کہ آیا وہ نکاح جو نابالغی کی حالت میں اور باپ کی عدم موجودگی اور اجازت کے بغیر ہوا تھا، جائز ہے یا نہیں؟

نشان انگوٹھا شہاب دین

العبد: شہاب دین ولد رمضان قوم مسلم شیخ سکنہ شادے والا ۲۱ ۱۱/۱۲

میں تصدیق کرتا ہوں کہ سائل کا بیان مندرجہ پشت ہذا درست ہے۔

محمد ہاشم علی بقلم خود بصیر پور

سائل زبانی مظہر کہ والد کو نکاح کا علم چھ سات ماہ کے بعد ہوا اور اس وقت بھی لڑکی

نابالغ ہی تھی، باپ نے نہ پسند رکھا تو یہ نکاح جو اصل میں باپ کی اجازت پر موقوف تھا باپ کی ناراضگی اور نہ پسند کرنے سے رد ہو گیا تو اب اس لڑکی کا نکاح حسبِ دستورِ شرع کسی اور کے ساتھ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ سوال صحیح اور درست ہو، درالمختار میں ہے

فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۱/۱۱/۶۳

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب

السلام علیکم: گذارش ہے کہ بندہ کا ایک سوال آپ کی خدمت میں پیش ہے:

میری لڑکی مسماۃ عالم خاتون کا نکاح میرے تایا مکھن نے میری اجازت کے بغیر کر دیا ہے، بندہ اور میری بیوی گھر پر موجود نہ تھے، گھر آکر ہمیں پتہ چلا کہ میرے تایا نے میری لڑکی کا نکاح بخشایا ولد بیگ کے ساتھ جو کہ ہمارا رشتہ دار بھی تھا، کر دیا ہے بندہ اپنے تایا مسمیٰ مکھن کے ساتھ سخت ناراض ہوا اور لڑائی جھگڑا کیا، یہ نکاح مجھے یہ نکاح منظور نہیں۔ اس وقت سے اب تک میری لڑکی میرے پاس ہے، اس وقت لڑکی کی عمر ۱۰ سال تھی، اب چودہ سال ہو چکی ہے، شریعت کی رو سے لڑکی کا نکاح دوسری اور جگہ کرتا ہوں، مہربانی فرمائی جاوے، لڑکی نے جوان ہونے پر

روبرو مندرجہ ذیل گواہاں کے نکاح سے انکار کر دیا۔

(تصدیق نمبردار) میں تصدیق کرتا ہوں کہ مسمیٰ محمد دین بالکل سچائی پر ہے، یہ کارگزاری میرے سامنے ہوئی ہے۔ محمد باقر خاں نمبردار چک ۳۳/ ۵ بقلم خود

گواہ شد

محمد شاہ امام مسجد چک ۳۳/ ۵، محمد دین والد لڑکی چک ۳۳/ ۵ (نشان انگوٹھا)

مسماۃ عالم خاتون نابالغہ کا ولی شرعی اس کا والد محمد دین تھا اور اس کے گھر پر موجود نہ ہونے کے سبب اس کا تایا نکاح کرنے کا حق دار نہیں تھا جبکہ محمد دین والد کے متعلق علم تھا کہ کہیں نزدیک ہی گیا ہوا ہے اور واپس آنے والا ہے لہٰذا وہ نکاح محمد دین کی اجازت پر موقوف تھا اور جب وہ سخت ناراض ہوا اور لڑائی جھگڑا کیا اور نکاح نامنظور کیا تو وہ نکاح اٹھ گیا لہٰذا اس لڑکی کا نکاح حسبِ دستورِ شریعت دوسری جگہ کیا جا سکتا ہے، درالمختار میں ہے لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ ہاں اگر اس وقت محمد دین دیوانہ ہو یا ایسا لاپتہ ہو کہ تلاش کے باوجود بھی اس کا کہیں سراغ نہ ملا ہو تو تایا کے لئے حق ثابت ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں لڑکی کو بالغ ہونے پر نکاح فاسد کرنے کا اختیار رہے جو اجازتِ قاضیٔ شرعی سے لازم الفساد ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم

واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۳۰ محرم الحرام ۷۸ھ

الاستفتاء

از بیلہ نگر ۲۴ ۵۸ قبلہ محترم بزرگوارم مولوی نوراللہ صاحب جی

السلام علیکم : مزاجِ گرامی !

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرعِ متین بارے اس مسئلہ کے کہ مسمیٰ گوماں شیخ کی لڑکی مساۃ شماں جس کی عمر اب تقریباً پندرہ سال ہے، آج سے چھ سال پہلے اس کا نکاح شرعی اس کے برادرِ حقیقی مسمیٰ صادق نے اپنے باپ مسمیٰ گوماں کی بلا اجازت کرایا تھا، کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟ مساۃ شماں کا جب شرعی نکاح ہوا تھا، اس کی عمر ۹ سال کی تھی۔

آپ کا تابعدار : ملک امان اللہ ممبر یونین کونسل نمبر ۱۹۲، محب علی اوناڑ

سائل مسمیٰ گوماں ولد موں قوم شیخ۔

لڑکی کا والد زبانی بیان کرتا ہے کہ جب مجھے اس نکاح کا علم ہوا تو میں نے ناپسند کیا اور لڑکی کو اپنے پاس لے گیا اور اب تک لڑکی میرے پاس ہے۔

یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا اور چونکہ باپ نے پسند نہ کیا اور ناراض ہوا تو وہ نکاح رد ہو گیا، در المختار میں ہے فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ، تو یہ سوال اگر واقعی اور صحیح ہے تو وہ نکاح نکاح نہیں رہا، باپ کو اجازت ہے جہاں چاہے لڑکی کا نکاح حسبِ دستورِ شرع کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ ۱۱ نو ۶۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرعِ متین اس مسئلہ میں، ایک لڑکی یتیمہ نابالغہ جس کی عمر تقریباً سات سال ہے اس کا نکاح بوجود اقرب ولی حقیقی بھائی و تایا کے اس کے ماموں نے بغرض حصولِ زر کے کر دیا ہے غیر موجودگی اقرب ولی کے، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اب لڑکی مذکورہ اپنے حقیقی بڑے بھائی کے پاس ہے جس کو عرصہ تقریباً ایک

سال کا ہو گیا ہے۔

(۳) یہ لڑکی اب تک نابالغہ ہے۔

(۴) نکاح سے مطلع ہو کر ولی حقیقی بھائی اور نانا یا سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ یہ نکاح ہمیں منظور نہیں اور لڑکی واپس کرنے کی کوشش میں مصروف ہوئے،

علمائے دین اس نکاح میں بروئے شریعت محمدی فتوے دیں۔

طالب مسئلہ ہذا: بندہ خاکی ولد میاں بلھا ساکن تلانوالہ، سراج دین بقلم خود

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے بلا غیبت منقطعہ ولی ابعد کا نکاح موقوف براجازت ولی اقرب ہوتا ہے، فتاوئے عالمگیر ج ۲ ص ۱۰ میں ہے و ان زوج الصغیر او الصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ اور جب وہ ناراض ہیں اور منظور نہیں کرتے اور لڑکی واپس کرنے میں کوشاں رہے تو وہ نکاح اٹھ گیا اور لڑکی کا نکاح ولی اقرب اپنی تجویز سے بلاشبہ کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے بھائی کی لڑکی صغیرہ عدم موجودگی باپ کے جو کہ ایک شہر میں قیام رکھتے ہیں اور بلا اجازت باپ حقیقی کے اور بلا رضامندی کے لڑکی شیر خوردہ تھی جو کہ جھولی مادر میں تھی، چچا نے اپنے آپ کو وارث قرار دیکر جانبین نابالغین کی طرف سے اجازت دے کر نکاح کر دیا، باپ خبر سن کر ناراض ہوا جو کہ آج تک ناراض ہے اور لڑکی جب بالغہ ہوئی تو خبر نکاح سنکر انکار کر دیا۔ اب لڑکی جوان ہے، سابقہ کو تسلیم نہیں، کیا بغیر اجازتِ والدِ حقیقی کے نکاح نافذ ہو سکتا ہے یا کہ نہ؟ اب لڑکی جوان ہے، اجازتِ نکاح حاصل کرنا چاہتی ہے، کہیں دوسری جگہ والدین کی رضامندی سے نکاح کرنا چاہتی ہوں، اجازت دی جاوے جواب باصواب عطا فرمایا جاوے، بینوا توجروا۔

(نوٹ) کوئی حقِ مہر مقرر نہیں ہوا۔

سید کریم حیدر شاہ بخاری قادری غفرلہ

سوال میں کافی اجمال ہے لہذا وضاحت کریں کہ :۔

۱۔ یہ صغیرہ جو والدہ کی گود میں تھی کہاں تھی؟ کیا اسی مکان میں تھی جس میں اس کے والد بھی رہتے تھے؟

۲۔ صغیرہ کا والد صغیرہ سے کتنی مسافت پر تھا؟

۳۔ چچا نے صغیرہ کی جائے رہائش کے گاؤں یا شہر میں نکاح کرایا یا کسی دوسری آبادی میں؟

۴۔ چچا کو والد کے متعلق علم تھا کہ کس گاؤں یا شہر میں ہے؟

۵۔ کیا چچا فوری طور پر والد کو منگا سکتا تھا یا اس سے اجازت لے سکتا تھا یا

نہیں؟ مفصل جواب آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ جواب باصواب دیا جائیگا۔

(نوٹ) سائل و مستفتی صاحب اپنے دستخط مع تاریخ کریں۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

الجواب

۱۔ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ لڑکی میرے پاس تھی، چک ۷ سے ملنے کے لئے آئی تھی میں مربعہ میں تھا۔

۲۔ جس وقت نکاح پڑھا گیا تھا لڑکی کا والد پانچ مربعہ کے فاصل پر تھا، چک ۷ میں تھا۔

۳۔ یہ چچا غفور شاہ رہتا تھا اور نکاح غفور شاہ میں پڑھا گیا تھا، چک ۷ اور غفور شاہ کو پانچ مربعہ کا فاصلہ۔

۴۔ یہ چچا کو معلوم تھا کہ میرا بھائی چک ۷ میں ہے جو کہ پانچ مربعہ کا فاصلہ تھا۔

۵۔ یہ چچا فوری طور منگوا سکتا تھا، اگر والد کو طلب کرتا تو فوری آجاتا لیکن نہیں منگوایا گیا اور اجازت لے سکتا تھا مگر اس نے بلوایا نہیں اور اجازت نہیں لی۔

پانچ سوالوں کا تحریری ملاحظہ فرمایا جاوے۔

سید کریم حیدر شاہ غفرلہ

یہ نکاح محض نکاح موقوف تھا جو باپ کی اجازت سے ہو سکتا تھا اور جب باپ نے اجازت نہیں دی بلکہ ایسی ناراضگی کی جو اب تک جاری ہے اور ان کا نکاح کی صریح واضح دلیل ہے تو وہ نکاح موقوف مردود ہو گیا اور باپ اگر ناراضگی نہ کرتا اور اجازت بھی نہ

وہتا تو پھر بھی یہ نکاح لڑکی کے جوان ہوتے ہی خبر نکاح سنکر انکار کر دینے سے مردود ہو جاتا تو ایسا نکاح جو بالکل مردود ہو گیا، نافذ کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا لڑکی آزاد ہے حسب دستور شرع اطہر جس دوسرے شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، جاہلوں نے شرع کو کھلونا بنالیا ہے مسئلہ غیبوبت ولی میں غیبوبت لغویہ مراد لے کر دھوکا دیتے ہیں حالانکہ اس غیبوبت سے مراد غیبوبت منقطعہ ہے جو مسئلہ زیر بحث میں کسی معنیٰ پر بھی نہیں پائی جاتی۔ بدائع صنائع ج۲ ص ۲۵۰ میں ہے انما یتقدم الاقرب علی الابعد اذا کان الاقرب حاضرا او غائبا غیبۃ غیر منقطعۃ فاما اذا کان غائبا غیبۃ منقطعۃ فللابعد ان یزوج فی قول اصحابنا الثلاثۃ۔ فتاویٰ عالمگیر ج۲ ص۱۰ میں ہے ان کان الاقرب غائبا غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط نیز اسی میں ہے ثم قدر الغیبۃ بمسافۃ القصر وھو اختیار اکثر المتأخرین وعلیہ الفتوی وقال شمس الائمۃ السرخسی (الی ان قالوا) حتی لو کان مختفیا فی البلدۃ لا یوقف علیہ یکون غیبۃ منقطعۃ کذا فی شرح مجمع البحرین۔ قرآن کریم میں ہے ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومحبوبنا الاعظم وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ

۶۹/۲۲

الاستفتاء

بخدمت جناب محترم المقام ذوالعزۃ والاحتشام قبلہ الحاج مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج شریف ! سلام مسنون ومنون خیریت وعافیت طرفین کے بعد مؤدبانہ التماس ہے آپ حضور سے ایک فتوے حاصل کرنے کو یہ عریضہ پیشِ خدمت ہے امید ہے کہ آپ مہربانی فرمائیں گے :

ایک نابالغ لڑکی جو اپنے چچا کے ہاں رہی اور اس نے ہی پرورش کی، ابھی نابالغہ تھی کہ چچا نے اپنے گھر میں اس کا نکاح کر دیا۔

(نوٹ) اس لڑکی کا والد زندہ تھا اور اب تک زندہ ہے مگر نکاح کے ٹائم موجود نہ تھا، سب کچھ لڑکی کے چچا نے کیا اور یہ جو کچھ ہوا نابالغی میں ہوا، نکاح ویسے ہی پڑھا گیا، فارم وغیرہ پر نہیں کئے گئے، عمر بھی سولہ سال کی نہ تھی کیونکہ قانون ایوبی میں تو لڑکی کی عمر سولہ سال کی اور لڑکے کی عمر اٹھارہ سال کی ہو اور گواہ بھی چار ہوں، تمام وارث وغیرہ موجود ہوں تب نکاح ہوتا ہے، اس لڑکی کے نکاح کے ٹائم نہ تو والد تھا اور نہ ہی فارم وغیرہ پر نکاح رجسٹرڈ کیا گیا اور نہ ہی چار گواہ جمع ہوئے اور عمر بھی بہت چھوٹی تھی، آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں ؟

اس کے متعلق پوری تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں کیونکہ فریقین کے اندر بڑی کشمکش ہو رہی ہے۔ لڑکی والے کہتے ہیں نکاح نہیں ہوا اور لڑکے والے

کہتے ہیں، نکاح ہوگیا، آپ حضور جو فیصلہ اور فتوے عطا فرمائیں گے اس پر عمل ہوگا۔

فقط والسلام مع الکرام

ابوالطاہر محمد عبدالستار چک ۹۷/۶۔آر، ساہیوال، ۳۱ بر زبیر، محمد مہنگا چک ۹۷/۶۔آر،

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :۔

اگر لڑکی بالغ تھی یعنی اسے حیض آگیا تھا اگرچہ سولہ سال سے کم تھی اور اس نے نکاح کی اجازت دی یا نکاح ہونے کے بعد اس کو جائز رکھا تو یہ نکاح صحیح ہوا اور یونہی اگر لڑکی کو حیض نہیں آیا تھا، شرعًا نابالغہ تھی اور لڑکی کے باپ نے لڑکی کے چچا کو اجازت دے دی تو وہ نکاح درست ہوا اگرچہ باپ مجلسِ نکاح میں حاضر نہیں تھا اور اگر پہلے اجازت نہیں دی مگر نکاح کی اطلاع ملنے پر رد نہیں کیا بلکہ اجازت دے دی تو پھر بھی نکاح ہوگیا اور اگر باپ نے پہلے بھی اجازت نہ دی اور بعد میں بھی نہ دی اور رد بھی نہیں کیا اور لڑکی شرعًا نابالغہ تھی اور بالغ ہونے کے بعد رد نہ کیا بلکہ اجازت دے دی تو پھر بھی نکاح درست ہوگیا۔ یہ پانچ صورتیں ہیں ان میں سے جو صورت بھی پائی گئی، نکاح درست ہوگیا اور اگر ان میں سے ایک صورت بھی نہ پائی گئی بلکہ لڑکی نے اپنے بلوغت کے وقت رد کردیا یا نابالغی کے وقت اس کے باپ نے رد کردیا تو وہ نکاح نہ رہا کیونکہ ایسا نکاح نکاحِ موقوف ہے جو صاحبِ حق کی اجازت سے جائز ہو جاتا ہے اور رد سے مردود ہو جاتا ہے اور اجازت جس طرح زبان کیساتھ ہوتی ہے یونہی ایسے کام سے

بھی ہو جاتی ہے کما فی الفتاوی الھندیۃ وغیرھا۔ رہا ایوبی قانون تو محبوب ایوب کی ایک بھیانک کڑی ہے اس کا شرعًا کوئی اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفر لہٗ

۱۶ رجب المرجب ۱۳۹۲ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابالغ لڑکی کا نابالغ لڑکے سے باذنِ والدین نکاح ہوا، لڑکی سنِ بلوغت پر پہنچکر عقدِ ثانی کی بغیر طلاق کے مختار ہو سکتی ہے؟

۲۔ نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟ نیز بالغ لڑکے کی طلاق معتبر ہو سکتی ہے؟

۳۔ نابالغ لڑکے نے نابالغ لڑکی کو طلاق دے دی، سنِ بلوغت سے پہلے لڑکی کا دوبارہ نکاح ہو گیا، لڑکی کا مقام بلوغت پر پہنچنے کا کیا حکم ہے؟

۴۔ تین سال کی لڑکی کا ان الفاظ سے نکاح درست ہو سکتا ہے کہ قاضی اس کو یہ کہے کہ فلاں بن فلاں کو بر دے ان دو گواہ اپنے نکاح میں قبول کرلے اور وہ اتنے الفاظ کہہ کر ہنس دے کہ میری ماں کو معلوم ہے، ہاں یہ سب کچھ باذنِ والدین ہے۔

سائل

حافظ محمد ایوب بمقام چک ۵ رنیاں ارائیاں

ڈاکخانہ خواص پر استنمر طھہ بلوچاں تحصیل و ضلع شیخوپورہ

۱۔ والد کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجاتا ہے لہٰذا لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار نہیں۔

۲۔ نابالغ شرعاً طلاق نہیں دے سکتا اور اگر لفظِ طلاق کہہ دے تو اس کا اعتبار نہیں۔

۳۔ یہ طلاق نہیں ہوئی لہٰذا لڑکی کا کسی اور سے دوبارہ نکاح غیر معتبر ہے اور وہ حسب سابق اسی پہلے لڑکے کی منکوحہ ہے۔

۴۔ لڑکی تین سالہ کے الفاظ کا کوئی لحاظ نہیں، باپ وغیرہ ولی کی اجازت والفاظ کا اعتبار ہے کما بین کل ذٰلك فی محلہ من اسفار المذھب المھذب الحنفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ ۵/۵/۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ عورت کی وہ لڑکی جو سابقہ متوفی خاوند سے ہے نئے خاوند کے بھائی کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس لڑکی

کا ولی چچا زندہ ہے مگر نکاح کی اجازت نہیں دیتا اور لڑکی نابالغ ہے تو نکاح کی اجازت کون دے؟ بینوا توجروا۔

سائل : غلام حسین از کوٹ لالیانوالہ مؤرخہ ۲۲ صفر المظفر ۸۰ھ

اگر کوئی اور مانع نہیں تو جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ماوراء ذٰلکم اور چچا اگر عاقل بالغ مسلمان دیندار ہے تو اس کی اجازت کے بغیر نابالغہ کا نکاح مشکل ہے کما فی اسفار المذھب المھذب - واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ صفر المظفر ۸۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید کی بیوی ناراض ہو کر میکے چلی گئی جو صرف سات میل کے فاصلہ پر تھے اور چھ سالہ لڑکی بھی ساتھ لے گئی پھر بلا اجازت ورضائے زید، زید کی اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جا کر کر دیا تو کیا

ماں کا یہ کیا ہوا نکاح جائز ہو سکتا ہے؟ حالانکہ زید باپ عاقل نے جب اطلاع ملی تو فوراً انکار کر دیا اور ناجائز کر دیا۔ بینوا توجروا

سائل: محمد رمضان سکنہ پاکپتن شریف خاص ضلع منٹگمری

باپ کے زندہ اور موجود ہونے کی صورت میں ماں ہرگز ہرگز ولی نہیں ہو سکتی تو اس کا کیا ہوا نکاح موقوف تھا جو باپ کے انکار و رد سے رد ہو گیا، فتاویٰ عالمگیر میں ہے فان کان الاقرب حاضرا (ای غیر غائب غیبۃ منقطعۃ) وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۶-۱-۵۸

ہم حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ مسماۃ حسیناں دختر نور محمد نابالغہ یتیم کا نکاح باجازت والدہ ہوا حالانکہ متوفی نور محمد والد حسیناں کے تایا زاد بھائی رجب اور علادل جو ولی شرعی

ہیں موجود تھے اور وہ راضی نہ تھے اور صاف صاف کہتے تھے کہ ہمیں یہ نکاح منظور نہیں، پھر جب لڑکی جوان ہوئی تو رجب اور علاول مذکورین کی اجازت سے لڑکی مذکورہ نے اکبر ولد سکندر اپنے ہم کفو سے نکاح کر لیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

گواہ شد　　　　　　گواہ شد

نشان انگوٹھا بشیر احمد باز ید بیکا وٹو ، نشان انگوٹھا سکندر ولد حیات حصہ دار صابوکے مہار

نشان انگوٹھا ولی محمد حصہ دار صابوکے مہار ، نشان انگوٹھا رجب علی قوم مہار

اگر صورتِ مندرجہ واقعی اور صحیح ہے تو پہلا نکاح صحیح نہیں اور رجب و علاول کے رد کرنے سے باطل ہو گیا تو دوسرا نکاح صحیح ہو گا کما فی عامۃ اسفار المذہب المھذب متونا و شروحا و فتاویٰ و حواشی اور اگر پہلے نکاح کے وقت لڑکی بالغہ تھی اور نکاح بھی ایسے لڑکے سے ہوا جو ہم کفو تھا اور حق مہر بھی حسب دستور مقرر ہوا تو پہلا نکاح درست ہے اور دوسرا ناجائز۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۵ رجب المرجب ۷۵ھ

(نوٹ) یہ فتوےٰ ہے فیصلہ نہیں، فیصلہ کے لئے فریقین کے بیانات شہادتیں وغیرہ

با قاعدہ حاضری سے منزوری ہیں۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ ایک نابالغہ لڑکی جس کا باپ عرصہ سے فوت ہوچکا ہے جو صرف اس ایک لڑکی کا ہی باپ تھا اور اس کا باپ (جو لڑکی کا دادا ہے) پہلے ہی فوت ہوچکا تھا اور اس کا حقیقی بھائی (جو لڑکی کا حقیقی چچا ہے) جو صرف ایک ہی تھا، وہ بھی پہلے لاولد فوت ہوچکا البتہ اس کے تین سوتیلے بھائی جو اس کے باپ کے لڑکے ہیں (لڑکی کے سوتیلے چچے) اور عاقل بالغ ہیں، زندہ ہیں، اندریں حالات لڑکی کی والدہ نے اس کے چچاؤں کی اجازت ورضا کے بغیر اس نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیا ہے، آیا یہ نکاح نافذ ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: مسمیٰ سلطان دایہ از زتاکھتا　　　　نشان انگوٹھا سائل

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو وہ نکاح نافذ نہیں کہ اس صورت میں ماں ولی نہیں بلکہ چچاؤں کی اجازت پر موقوف ہوا جو کسی ایک چچا کی منظوری سے نافذ وصحیح ہوسکتا ہے اور ان کے انکار ورد سے مردود و باطل ہوجائے گا، فتاوٰے

ہندیہ مجیدیہ ج ۲ ص ۱۰ میں ہے فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ- نیز اسی میں ہے واذا اجتمع للصغیر والصغیرۃ ولیان مستویان کالاخوین والعمین فایھما زوج جاز عندنا کذا فی فتاویٰ قاضی خان سواء اجاز الآخر او فسخ ونحوہ فی عامۃ اسفار المذھب متونا وشروحا وفتاویٰ وحواشی ولیحرر ما اذا انکر واحد مع سکوت الآخر-

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم-

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہ

۳۰ رجمادی الاخریٰ ۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ہادیانِ راہِ متین اس صورت میں کہ ایک عورت اغوار ہو کر چلی گئی اور اپنی لڑکی ۳، ۴ سالہ کو ہمراہ لے گئی ادھر ادھر ہی بلا اجازت و رضاء والدِ لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کر دیا جس کی عمر چالیس سال تھی، بعد ازاں لڑکی کا حقیقی بھائی جو کہ عاقل بالغ تھا، لڑکی کو اپنے گھر واپس لایا، پھر لڑکی کا باپ جو کہ عاقل تھا اور اس نے اجازت نہیں دی تھی، فوت ہو گیا۔ اب حقیقی بھائی چاہتا ہے کہ لڑکی کا نکاح جائز طریقے پر

کسی اور سے کر دیوے تو اس کے لئے جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: سجاد خاں ولد سردار خاں قوم بھٹی ساکن سومیاں جودھ سنگھ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

نشان انگوٹھا ۵۸/۱

گواہ شد (دستخط)

فیروز الدین ولد صدر دین قوم کمہار ساکن منڈی بصیر پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

گواہ شد (دستخط) غلام محمد ولد صدر دین قوم کمہار ساکن منڈی بصیر پور

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو لڑکی مذکورہ کا ماں کا کیا ہوا نکاح، نکاح فضولی ہے کہ باپ عاقل موجود تھا اور وہی ولی تھا لہٰذا اس کے حقیقی بھائی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر والد نے اجازت نہیں دی تھی تو والد فوت ہونے کے بعد نابالغہ بہن کا حسبِ دستورِ شرع شریف نکاح کر دے کما فی عامۃ اسفار المذھب المھذب

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ
وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ ایک بیوہ عورت

جس نے اپنی نابالغہ دختر کا نکاح اس کے چچا یا کسی اور ولی عاقل بالغ کی اجازت کے بغیر خود بخود کر دیا ہے اور لڑکی بعد از بلوغ انکار بھی کرتی رہی ہے، آیا وہ نکاح صحیح و درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(نوٹ، چچا عاقل بالغ موجود تھا جس نے اس نکاح کو پسند نہیں کیا بلکہ صاف صاف انکار کیا اور چچا سب سے قریب ولی تھا۔

المستفتی: سید محمد قوم موچی سکنہ چشتی قطب الدین تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

اگر صورت سوال صحیح اور واقعی ہے تو وہ نکاح نافذ و صحیح نہیں اور چچا کے رد سے مردود ہو گیا و ذا ظاہر باتفاق الائمۃ کما فی اسفار المذہب المہذب، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۵-۱-۵۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین بیچ اس مسئلہ کے:

۱۔ مساۃ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم نابالغہ دختر حاجی ولی محمد مرحوم قوم ارائیں سکنہ جموں وتحصیل تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری کا نکاح مسمیٰ نور احمد ولد میاں شکر علی مہاجر قوم ارائیں سکنہ نارد کے تھانہ پتوکی کے ساتھ ان کے ورثاء میاں کمال دین ولد میاں محمد بخش کی بغیر رضامندی کے اس کی والدہ نے کیا۔

۲۔ حاجی ولی محمد مرحوم نے اپنی لڑکی مساۃ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم کی نابالغہ اپنی حینِ حیات میں روبرو میاں قطب الدین، میاں محمد حنیف صاحبزادہ نکی ملنیکے و میاں علی محمد مرحوم تایا حقیقی مساۃ مذکورہ کی مسمیٰ غلام نبی ولد میاں قمر الدین مرحوم سکنہ رتیاں ٹبیاں کے ساتھ منگنی کی الٰہی نیت خیر کر دی۔

۳۔ مساۃ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم مذکورہ نابالغہ نکاح ہونے کے وقت حد سے زیادہ روئی اور پیٹی اور انکار کر رہی تھی مگر ماں کے ظلم و تشدد سے بے بس تھی مگر اب بھی یہی کہتی ہے کہ جس سے میرے والد مرحوم نے رشتہ کر دیا تھا، اس سے شادی کروں گی دوسرا مجھے منظور نہیں، اگر علمائے کرام نے اس نکاح کو فسخ قرار نہ پایا تو میں بالغہ ہونے پر خود عدالت میں پیش ہو کر نکاح کو فسخ کراں گی۔

۴۔ مسمیٰ نور احمد ولد شکر علی ارائیں مہاجر کو مساۃ کرم الٰہی والدہ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم نے اس شرط پر گھر بٹھایا تھا کہ میں تجھے مساۃ بشیر بیگم جس کی عمر ۱۶ سال کی تھی، نکاح دوں گی لیکن بشیر بیگم نے اس سے نکاح کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ یہ کہا کہ میں بالغہ ہوں، میں اپنی رضامندی سے مسمیٰ غلام حیدر کے ساتھ نکاح کروں گی لہٰذا مساۃ بشیر بیگم کا نکاح مسمیٰ غلام حیدر سے ہو گیا۔

۵۔ اس کے بعد مسمیٰ نور احمد ولد شکر علی کو یہ کہا گیا کہ تم بشیر بیگم کی بجائے امیر بیگم عرف حفیظ بیگم کے ساتھ کر دو جس پر نور احمد نے صاف انکار کر دیا، والدہ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم نابالغہ نے یہ کہا کہ اگر تم امیر بیگم نابالغہ سے نکاح نہیں کرو گے تو میں بشیر بیگم کا نکاح

غلام حیدر کو نہیں دوں گی چنانچہ غلام حیدر نے مسمی نور احمد کو حد سے زیادہ منت سماجت کر کے نابالغہ مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ کر لیا، نور احمد مذکور نے یہ کہا کہ میں وقت گزارنے کی خاطر نکاح کر لیتا ہوں۔

محمد بخش تایا نا د بھائی نابالغہ امیر بیگم
(دستخط)

غلام حیدر
(دستخط)

میاں کمال الدین تایا نابالغہ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم
(نشان انگوٹھا)

تابعدار عبدالرحمن تحریر کنندہ

سائل نے زبانی بیان کیا کہ میاں کمال دین صاحب ہوش وحواس حاجی ولی محمد مرحوم کے حقیقی تایا نواب کا لڑکا ہے اور یہی سب سے زیادہ قریب عصبہ بوقت نکاح امیر بیگم کے موجود گاؤں میں تھا اور سخت ناراض اور مخالف اس کے نکاح کے اس وقت بھی تھا اور بعد میں بھی اب تک ناراض ہے اور ہرگز پسند نہیں کرتا۔

صورتِ مندرجہ بالا میں مسماۃ کرم الٰہی والدہ حفیظ بیگم نابالغہ کو اس نکاح کر دینے کا قطعاً کوئی حق نہیں تھا کہ عصبہ بنفسہٖ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں بن سکتی چنانچہ کتبِ مذہبِ مہذبِ حنفیہ صاف صاف تصریح فرما رہی ہیں، تنویر الابصار میں ہے فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام تو یہاں کمال دین عاقل بالغ عصبہ کی ناراضگی اور مخالفت کی صورت میں یہ نکاح شرعاً نکاح نہیں ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

ابوالخیر غفرلہ

۱۸ شعبان المعظم ۷۳ھ ۵۴/۴/۲۲

مکرمی معظمی حضرت قبلہ جناب استاذی مولانا صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم : مزاج مقدس ! معروض آنکہ مندرجہ ذیل مسئلہ میں فتویٰ تحریر کریں،

صورتِ مسئلہ یہ ہے :

مسماۃ نعاموں بعمر دس سال جس کا کہ والد اور دادا فوت ہو چکے تھے، اس کے تایا، چاچا تھے ہی نہیں یعنی سب مر چکے تھے، صرف ایک بھائی بعمر تین چار سال موجود تھا، مسماۃ مذکورہ کی والدہ نے نکاحِ ثانی کر لیا۔ اب مسماۃ نعاموں مذکورہ کا نکاح اس کے سوتیلے والد نے کرنا چاہا جس پر مذکورہ کی والدہ نے نکاح پر عدم رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے قاضی و گواہاں کو گالی گلوچ بھی نکالی مگر اس کے سوتیلے والد نے باوجود عدم رضامندیٔ والدہ نکاح کر دیا۔ اب مذکورہ بالا صورتِ مسئلہ میں فتوے تحریر فرما دیں کہ یہ نکاح شرعاً درست ہے کہ نہیں ؟ والسلام

دعاگو : محمد سعید از مانو والہ بقلم خود ۲۵/۱/۱۲

(نوٹ) سائل زبانی بیان کرتا ہے کہ سوتیلا والد لڑکی کا حیدی نہیں تھا اور لڑکی

اس وقت نابالغہ تھی اور اب تک اپنے خاوند کے پاس نہیں گئی اور کبھی اکیلے بھی نہیں ہوئے۔

نشان انگوٹھا سائل مسمّٰی جان محمد ۲۰/۱۰/۶۲

اگر واقعی یہی صورت ہے تو وہ سوتیلے کا کیا ہوا نکاح شرعًا نکاح نہیں کہ اس لڑکی کی والدہ ہی اس کی ولی تھی اور جب وہ انکار کرتی رہی تو نکاح کیسے ہوا، فتاوٰی عالمگیریہ ج۲ ص۹ میں ہے وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملک تزویجھما فی ظاھر الروایۃ عن ابی حنیفۃ وبغیرہ والاقرب عند ابی حنیفۃ الام، تو واضح ہوا کہ یہ نکاح درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۵/۱۰/۶۲

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مفتیانِ عظام اندریں مسئلہ کہ عرض ہے کہ ایک لڑکی مسماۃ سیدی جس کا والد زندہ ہے اس کی عدم موجودگی میں آج سے تقریبًا گیارہ بارہ سال پہلے

جبکہ بچی نابالغہ تھی، اس بچی کی والدہ جس نے دوسری جگہ نکاح ثانی کیا ہوا ہے، اس نے اپنے پہلے خاوند کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ نکاح کر دیا۔ جب لڑکی نے ہوش سنبھالی اس وقت سے لڑکی اپنا نکاح برقرار نہیں رکھنا چاہتی، اب لڑکی بالغ ہے جس کی عمر تقریباً پندرہ سال ہے: بچی ابھی نانی کے پاس رہتی ہے اور دوسری جگہ نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے آیا وہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

۱۔ لڑکی کی والدہ تقسیم پاکستان کے وقت ہندوستان میں سکھوں کے قبضہ میں رہ گئی تھی جب پاکستانی فوج اسے واپس پاکستان لائی تو اسے پہلے خاوند نے اس وجوہ کے تحت طلاق دے دی کیونکہ وہ عرصہ تین سال سکھوں کے قبضہ میں رہ چکی تھی۔

۲۔ اس وقت جبکہ مساۃ مذکورہ ہندوستان سے واپس آئی، اس کا نکاح ثانی کئے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تھا، چونکہ وہ تین بچوں کو ساتھ لے کر آئی تھی، بچوں کی پرورش کا زیادہ تر انتظام موجودہ خاوند نے کیا۔

مندرجہ بالا سوالات کے تحت فتوے فرما کر اور شریعت کی رو سے روشناس فرمائیں، بینوا توجروا۔

(نوٹ) اس لڑکی کا باپ تین چار میل پر تھا اور آج تک اجازت نہیں دی۔

السائل: محمد شفیع بقلم خود چک ۵۳۷/ E.B

شرعاً یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہوا بلکہ باپ کی اجازت پر موقوف تھا اور پھر باپ کے

سکوت کی صورت میں لڑکی کی اجازت پر لڑکی کے جوان ہونے کے بعد موقوف تھا اور جب لڑکی نے رد کر دیا تو لبشرط حکم قاضی اسلام رد ہو سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸/۷/۶۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے اپنے لڑکے (۱۸ یا ۱۹ سالہ) اور خاوند متوفی کے بھائیوں کی غیر حاضری میں حالانکہ ان تمام کا مقام معلوم تھا، ان سے اجازت مشورہ ہو سکتا تھا مگر بلا اجازت) اپنی ایک لڑکی نابالغہ (۸ یا نو سالہ) کا کسی شخص غیر رشتہ دار سے (خفیۃً) نکاح کر دیا (اور جب انہیں نکاح کا علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور اس نکاح کو پسند نہ کیا اور لڑکے نے اپنی والدہ بیوہ مذکورہ کو زدو کوب بھی کیا) پھر وہ شخص کچھ دن (۵ یوم) اس کے پاس (قبل علم ورثا) رہ کر (مدت پانچ سال سے چلا گیا اور لڑکی کے ساتھ اسکی کوئی بات نہیں ہوتی) اب وہ لڑکی جس کا نکاح والدہ نے کر دیا تھا بالغ ہو گئی ہے اسکی ماں مذکورہ کا اور بھائی ہے، لڑکی مذکورہ کا ارادہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح کر دیں،

سابقہ نکاح کو معدوم سمجھتے ہیں، آیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الملتمس : فقیر عبدالرحمٰن بقلم خود از حویلی

نشان انگوٹھا سائلہ مسمات فجاں بیوہ مذکورہ۔

۲۲/۲/۴۹

(گواہ شد ۱) ہاشم علی ولد رحم دین بصیر پور (گواہ شد ۲) محمد طفیل ولد شیر محمد حصار بصیر پور (دستخط)

اگر صورتِ سوال مع الترمیم واقعی اور صحیح ہے تو وہ نکاح موقوف تھا، لڑکے کی اجازت پر جو اس کی نا پسندیدگی سے مرتفع ہوا، درالمختار وغیرہا اسفارِ مذہبِ مہذب میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ (الی ان قال) فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام اور اسی میں ہے فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ اور جب مرتفع ہوا تو اب نکاح کر سکتے ہیں، حضرت رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ کا ارشاد ہے وانکحوا الایامیٰ منکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ جنت دختر ابراہیم

جب دو سال کی تھی تو اس کے والدین نے خدا واسطے اپنی خوشی سے مجھے دے دی اور خود بالکل بے تعلق ہو گئے، بعد ازاں ابراہیم فوت ہو گیا، جنت کی ماں فاطمہ نے نیا عقد کر لیا اور جنت مذکورہ میرے پاس پرورش پاتی رہی، والدہ کے ملنے کے واسطے گئی اور انہوں نے مجبورًا اپنے پاس رکھ لی اور ایک مولوی صاحب نے میرے حق فیصلہ کر دیا جس کی نقل میرے پاس مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور اپنی برادری میں کسی لڑکے کے ساتھ عقد کر لیا اور لڑکے کے والوں سے رشتہ بطور بٹہ لینا کر لیا محض اپنی پیٹ پرستی کی اس عقد کی اجازت کسی ولی سے نہیں لی گئی اور نہ ہی لڑکی کی والدہ سے اجازت لی گئی، لڑکی کی والدہ حال پکار کرتی رہی مگر کسی نے نہ سنی، پھر کسی ہمارے حیلہ بہانہ سے لڑکی میرے پاس آگئی اور کافی عرصہ کے بعد اب بالغ ہوئی ہے، بلوغت کی نشانی دیکھتے ہی اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ نکاح مجھے پسند نہیں اور میں نہیں رکھنی اور گواہ بھی بنا لئے، اس میں حق حق بیان کریں، کیا وہ نکاح درست ہے کہ نہیں؟

(نوٹ) لڑکی کے ولی ہم ہیں، اس کے باپ کا قریبی رشتہ بالکل نہیں ہے۔

سائل: مسمّٰی لہنا نانا حقیقی لڑکی کا قوم بھٹی سکنہ اروڑہ جاگیر

(نشان انگوٹھا سائل لہنا) ۱۰ر شوال المکرم ۱۳۷۳ھ

اگر سوالِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح جائز نہیں، مبسوط ج ۴ ص ۲۲۲ میں ہے ولا یجوز لغیر الولی تزویج الصغیر والصغیرۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم

لا نکاح الا بولی، ثم اقول الولی فی هٰذہ الصورۃ الام[عہ] ولما انکرت وقت العقد اشد الانکار فلا ینعقد فضولیا ایضا ولو فرض سکوتہا وقت العقد فقد بطل بانکارھا بعد العقد فانہا قائمۃ علی الانکار بالاصرار، بہرحال بشرطِ صحتِ سوال وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں بلکہ بڑا سخت ظلم کیا گیا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ ر ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ

۸/۸/۵۴

اس میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ عظام، ایک شخص فوت ہوگیا، اس کی بیوی اپنی بچیاں کے نکاح کے ماموں حقدار ہوں گے یا چاچے یا اس کی بیوی کا باپ یا سسرال، کون دونوں میں ہے، اس کی بچیاں کے نکاح کے کون زیادہ ذمے دار ہے، آپ تفسیر طور بحوالہ جات کتب معتبر سے درج فرمائیں۔

فقیر چراغ الدین از چک گ ب ۴۲۲، ڈاکخانہ گ ب ۴۱۴ تحصیل ٹوبہ ضلع لائلپور ۲۸ ۷/۷

عہ لانہا بعد العصبات مقدمۃ علی اب الام کما صرح بہ ساداتنا الحنفیۃ ۱۲ منہ غفرلہ

نابالغہ بچیوں کا ولی عصبہ ہے جو چچے ہیں اور اگر بالغہ ہیں تو خود مختار، کما فی جمیع اسفار المذھب الحنفی المھذب متونا وشروحا وفتاوی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۰ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ، ۲۷/۶/۷۷

باب خیار البلوغ

بابُ خیارُ البلوغ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ہوش وحواس کی صحت میں اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح دوسرے شخص کے نابالغ لڑکے کے ساتھ کر دیا، اس نکاح کو عرصہ چار سال کا ہو گیا ہے، اب لڑکی چند ماہ سے بالغہ ہے اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے، اب لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ میری لڑکی کو اپنے نابالغ لڑکے سے طلاق دلوا دو ورنہ میں خیارِ بلوغ فی النکاح کی وجہ سے نکاح فسخ کرالوں گا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا اس لڑکی کو خیارِ بلوغ بھی ہے یا نہیں؟

۲۔ نابالغ لڑکا اپنی منکوحہ کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ خیارِ بلوغ کب تک ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد یعقوب از چک ۵ وَن آئل تحصیل اوکاڑہ بقلم خود

جب باپ نے نکاح کر دیا تو خیارِ بلوغ قطعاً نہیں، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۰ فان زوجہما الاب والجد فلاخیار لہما۔

۲۔ نابالغ طلاق نہیں دے سکتا اگرچہ عاقل ہو عالمگیری جلد ۲ ص ۴۸ لا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل۔

۳۔ کنواری لڑکی جو غیر مبنی بیاہی ہو اس کو جس صورت میں اختیار ملتا ہے وہ فوری ہوتا ہے یعنی بالغ ہوتے ہی انکار کرے حتیٰ کہ اگر چپ رہے تو اختیار باطل ہو جائے گا، ص ۱۰ حتی لو سکتت کما بلغت وھی بکر بطل الخیار۔ (عالمگیری ج ۲)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲ ربیع الاول شریف ۱۳۷۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین دریں بارہ ایں مسئلہ کہ زید

نے اپنی دختر نابالغ پسر نابالغہ کے ساتھ نکاح کیا، اب پسر والے دختر کو پسند نہیں کرتے، بہت زید بکر کے پاس گیا مگر پسر والوں نے یعنی بکر نے زید کی کوئی بات نہ مانی بلکہ صاف جواب دیا، زید بکر کے پاس چند دفعہ گیا، زید تنگ آکر ایک علماء کے پاس گیا، علماء نے صورت بیان کی تو اس طرح کہ جس وقت حیض کا پہلا قطرہ آوے اسی وقت روبرو گواہاں کے دختر یہ بات کہے کہ یہ خاوند مجھ کو مطلق منظور نہیں۔ یہ گواہ ہیں: بہادل ولد مستقیم لوہار، نور محمد ولد حیدر درویش کے، اب لڑکی چھ ماہ کے بعد بالغ ہوگئی اور مذکورہ گواہوں کے روبرو زبان پر مذکورہ بالا کلمات ادا کر دیے بینوا بالکتاب توجروا بالثواب۔

باپ اور دادے کا باقاعدہ کیا ہوا نکاحِ صحیح اس طرح فسخ نہیں ہو سکتا، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۰، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۷، ۴۱۸ میں ہے والنظم من الھندیۃ فان زوجھما الاب والجد فلاخیار لھما بعد بلوغھما تو جب تک لڑکا بالغ ہونے کے بعد طلاق نہ دے تو نکاح فسخ نہیں ہو سکتا کہ قرآنِ کریم نے نکاح خاوند کے قبضہ میں رکھا ہے، فرمایا الذی بیدہ عقدۃ النکاح اور حدیث شریف میں ہے کہ طلاق کا وہ مالک ہے جو جماع کر سکتا ہے انما الطلاق لمن اخذ بالساق رواہ ابن ماجۃ فی سننہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا ص ۱۵۲۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و
اصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۰ ذی الحجۃ المبارکہ ۲۷ھ

الاستفتاء

سائل مظہر کہ اس نے اپنی لڑکی کا نکاح رضا و رغبت سے اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا جبکہ لڑکی کی عمر دو سال کی تھی، اب لڑکا جوان ہے مگر بیمار ہے، لڑکی بھی جوان ہو گئی ہے مگر وہ اس کے گھر آباد ہونا پسند نہیں کرتی تو کیا کوئی صورت لڑکی کی خلاصی کی ہو سکتی ہے؟

سائل: سید ولد ولاور کلہا از گگنبلا پور

باپ کا کیا ہوا نابالغہ لڑکی کا نکاح فسخ نہیں ہو سکتا، فتاویٰ عالمگیر اور دوسرے مستند فتاویٰ اور فقہ حنفی کی تمام معتبر کتابوں میں صاف صاف یہی تحریر ہے، فتاویٰ کے لفظ ج ۲ ص ۱۰ میں یہ ہیں فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما

نکاح کا معاملہ بڑا نازک ہے نکاح والی عورت کا نکاح اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ ماں اور بہن کا نکاح حرام ہے، قرآنِ کریم میں محرمات کے بیان میں ہے والمحصنات من النساء تو اگر جدائی ہی مقصود ہے تو لڑکے سے طلاق حاصل کی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

لقمان ولد محمد الدین قوم کھوکھر نے اپنی نابالغ لڑکی خورشید بیگم نابالغ بھتیجے محمد شعبان ولد میاں چراغ دین قوم کھوکھر سے روبرو گواہاں نکاح شرعی کر دیا، ایسا نکاح از روئے شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم معتبر ہے یا نہیں؟ نکاح شرعی کو ہوئے قریباً دس گیارہ سال ہو گئے ہیں، بعد بلوغ لڑکی مذکورہ کے بغیر طلاق حاصل کئے نکاحِ ثانی بجز شوہر اول سے کسی اور کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ جواب لکھ کر عنداللہ ماجور رہوں۔

محمد شعبان ولد میاں چراغ دین قوم کھوکھر نمائندہ اخبارات بصیر پور

اگر یہ سوال صحیح ہے اور صورتِ واقعیہ یہی ہے تو وہ نکاح لازم ہو چکا،

لڑکی کو بعد از بلوغ بھی یہ اختیار نہیں کہ نکاح فسخ کر سکے، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۱۰ میں ہے،
فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما لہٰذا
بلا طلاق کسی اور شخص سے اس لڑکی کا نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، فتاویٰ عالمگیر
ج ۲ ص ۷ میں ہے لایجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ اور قرآنِ کریم
میں ہے والمحصنٰت من النساء، ہاں اگر محمد شعبان کا نکاح اس کے والد
کی اجازت کے سوا کیا گیا اور اس نے نہ پسند رکھا تو یہ نکاح نہ رہا، یا محمد شعبان کا
باپ گزر چکا ہو اور چچا کی اجازت سے نکاح ہوا تو بعد از بلوغ محمد شعبان فسخ کر سکتا
ہے مگر لڑکی کو حقِ فسخ نہیں۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ
وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱۳/۱۱/۶۳

واجب الاحترام مفتی صاحب بصیر پور

السلام علیکم! بعد خدمتِ اقدس عرض ہے کہ حسبِ ذیل مسئلہ کا فتوے
از روئے شریعت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم مستند ثبوت سے واضح فرما کر شکریہ کا
موقع بخشیں، مہربانی ہوگی۔

ایک نابالغ لڑکی دو سال کا نکاحِ شرعی اس کے والدین نے ایک لڑکے سے کر دیا، اب وہ لڑکی بالغ ہو چکی ہے، لڑکی نے پہلی ماہواری آنے پر مذکورہ نکاح سے انکار کر دیا کہ میرا اس لڑکے سے کوئی نکاح نہیں ہے لہٰذا اب میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی، کیا لڑکی کے ایسے انکار سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے

فقط السلام علیکم، مورخہ ۱۰/۹/۷۰

محمود ولد نور محمد قوم سوئیں سیال پکا حاجی مجید تحصیل خانیوال ضلع ملتان

ڈاک خانہ میاں چنوں

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ ۔

یہ نکاح لازم ہے اور لڑکی کا یہ انکار کہ میرا اس لڑکے سے کوئی نکاح نہیں ہے محض جھوٹ اور غلط بیانی ہے کیونکہ والدین نے باقاعدہ نکاح کیا ہے تو اس کی نفی جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہیں، البتہ یہ ایک اور مسئلہ ہے کہ باپ، دادا کے غیر کا کیا ہوا نکاح نابالغہ لڑکی ماہواری دیکھتے ہی فسخ کر سکتی ہے یعنی توڑ سکتی ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ نکاح ہونے کا اقرار کرتے ہوئے رد کرتی ہے، پھر اس کے لئے بھی شرطیں ہیں مگر وہ بھی باپ کے کئے ہوئے نکاح میں غیر معتبر ہیں فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۰۱ میں ہے فان زوجہما

الاب والجد فلاخیار لهما بعد بلوغهما لہٰذا یہ نکاح لازم اور صحیح ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد
وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ رجب المرجب ۱۳۹۰ھ
۱۰/۹/۷۰

فہرست
آیاتِ کریمہ

فہرست آیات قرآنیہ
فتاویٰ نوریہ جلد دوم

جلد دوم
فتاوی نوریہ

جلد دوم
فتاوی نوریہ

فہرست
احادیث مبارکہ

فہرست احادیث مبارکہ
فتاویٰ نوریہ جلد دوم

۴ ان ہذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس و انہا لا تحل لمحمد ﷺ و لا لاٰل محمد ﷺ	مسلم شریف، جلد ا، صفحہ ۳۴۵	۱۱۶
۵ نحن اھل بیت لا تحل لنا الصدقہ	ابن خزیمہ، جز ۴، صفحہ ۶۰ مکتبہ اسلامی / معانی الاثار، جز ۳، صفحہ ۲۵۷	۱۱۶
۶ اھریقوا عنہ دما	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۲۲	۱۳۰
۷ یعق عنہ من الابل و البقر و الغنم	فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ۴۸۷	۱۳۰
۸ ما سقت السماء ففیہ العشر و ما سقی بالغرب و الدالیۃ ففیہ نصف العشر	مسلم شریف، جلد ا، صفحہ ۳۱۶ (مفہوما) / مسند احمد بن حنبل، جلد ا، صفحہ ۱۴۵	۱۴۴
۹ رایت رسول اللہ ﷺ بالعرج یصب علٰی راسہ و ھو صائم من العطش او من الحر	ابو داؤد، جلد ا، صفحہ ۳۲۲	۲۳۳
۱۰ استعینوا بطعام السحر علٰی صیام النھار و بالقیلولۃ علٰی قیام اللیل	جامع صغیر، جلد ا، صفحہ ۱۲۹	۲۳۴
۱۱ ان للصلوۃ وقتا کوقت الحج	ابن کثیر، جلد ا، صفحہ ۵۵۰	۱۸۲
۱۲ من حافظ علٰی الصلوات الخمس علٰی وضوئھن و رکوعھن و سجودھن و مواقیتھن	درمنثور، جلد ا، صفحہ ۲۹۶	۱۸۲
۱۳ حافظ علٰی وضوئھا و مواقیتھا	درمنثور، جلد ا، صفحہ ۲۹۵	۱۸۲
۱۴ من صلی الصلوات لوقتھا	درمنثور، جلد ا، صفحہ ۲۹۵	۱۸۳

۱۵	و عزتی و جلالی لا یصلیها عبد لوقتها الا ادخلته الجنة	درمنثور، جلد۱، صفحہ ۲۹۶	۱۸۳
۱۶	ای العمل افضل قال الصلوة لوقتها	بخاری، جلد۱، صفحہ ۷۶ / مسلم، جلد۱، صفحہ ۶۲	۱۸۳
۱۷	خمس صلوات کتبهن الله علی العباد	نسائی، جلد۱، صفحہ ۸۰ / موطا امام مالک، صفحہ ۴۳، دار الاشاعت، اصح المطابع	۱۸۵
۱۸	من جاء بهن لم یضیع منهن شیئا	نسائی، جلد۱، صفحہ ۸۰ / موطا امام مالک، صفحہ ۴۳	۱۸۵
۱۹	خمس صلوات افترضهن الله عز و جل من احسن وضوئهن و صلاتهن لوقتهن	ابوداود، جلد۱، صفحہ ۶۱	۱۸۵
۲۰	فذلك مثل الصلوات الخمس یمحو الله بهن الخطایا	بخاری، جلد۱، صفحہ ۷۶ / مسلم، جلد۱، صفحہ ۲۳۵	۱۸۵
۲۱	الصلوات الخمس و الجمعة الی الجمعة	مسلم، جلد۱، صفحہ ۱۲۲	۱۸۵
۲۲	صلوا خمسکم	ترمذی، کتاب الجمعہ، باب ماذکر فی فضل، حدیث نمبر ۵۵۹ / مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۸ بحوالہ ترمذی واحمد	۱۸۵
۲۳	ان النبی ﷺ سئل عن الامر یحدث لیس فی کتاب و لا سنة فقال ینظر فیه العابدون من المؤمنین	سنن دارمی، صفحہ ۲۸	۱۹۸
۲۴	لا تسئل عما لم یکن فانی سمعت عمر بن الخطاب......الخ	سنن دارمی، صفحہ ۲۸	۱۹۸

۲۵	لا تعجلوا بالبلية قبل نزولها فانكم ان لا تعجلوها قبل نزولها لا ينفك المسلمون و فيهم اذا هى نزلت......الخ	سنن دارمی، صفحہ ۲۸	۱۹۸
۲۶	يا سارية الجبل	اصابہ فی تمیز الصحابہ، جلد ۲، صفحہ ۳	۲۶۲
۲۷	قال (ﷺ) يا بلال اذن فى الناس فليصوموا غدا	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۹۴/ ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۳۳۱	۲۶۴
۲۸	قال رسول اللهﷺ صوموه انتم	بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۶۸/ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۵۹	۲۶۴
۲۹	الفطر يوم يفطر الناس و الاضحى يوم يضحى الناس	صحیح ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۹۹	۲۷۲
۳۰	النحر يوم ينحر الناس و الفطر يوم يفطر الناس	سنن بیہقی، جلد ۴، صفحہ ۲۵۲	۲۷۲
۳۱	فطركم يوم تفطرون و اضحاكم يوم تضحون	ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۳۲۸/ بیہقی، جلد ۴، صفحہ ۲۵۲	۲۷۲
۳۲	الصوم يوم تصومون و الفطر يوم تفطرون والاضحى يوم تضحون	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۸۸	۲۷۲
۳۳	صومكم يوم تصومون و اضحاكم يوم تضحون	بیہقی، جلد ۴، صفحہ ۲۵۲	۲۷۲
۳۴	الفطر يوم تفطرون و الاضحى يوم تضحون	ابن ماجہ، صفحہ ۱۲۱	۲۷۲
۳۵	عرفتكم يوم تعرفون	مبسوط، جلد ۴، صفحہ ۵۷/ بدائع، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶	۲۷۲

نمبر	متن	حوالہ	صفحہ
۳۶	فی روایة حجکم یوم تحجون	مبسوط، جلد۴، صفحہ۵۷/ بدائع، جلد۲، صفحہ۱۲۶	۲۷۲
۳۷	فاصنع الشجر و ما لا نفس له	مسلم، جلد۲، صفحہ۲۰۲	۳۰۲
۳۸	کل شئ لیس فیه روح	بخاری، جلد۱، صفحہ۲۹۶	۳۰۲
۳۹	قولهﷺ فان الله معذبه حتی ینفخ	عینی، جلد۱۲، صفحہ۳۹/ قسطلانی، جلد۴، صفحہ۱۲۱	۳۰۲
۴۰	فمر بالتمثال فلیقطع رأسه حتی یکون کهیئاة الشجرة	ترمذی، جلد۲، صفحہ۱۰۴/ شرح معانی الآثار، جلد۲، صفحہ۳۰۵	۳۰۴
۴۱	ان رسول اللهﷺ قبل الرکن الیمانی و وضع خده علیه	مستدرک حاکم، جلد۱، صفحہ۴۵۶	۳۰۸
۴۲	لما تزوج علی رضی الله تعالٰی عنه فاطمة رضی الله تعالٰی عنها قال رسول اللهﷺ اعطها شیئا قال ما عندی قال این درعك الحُطمیة	نسائی، جلد۲، صفحہ۹۱	۳۷۳
۴۳	ان علیا رضی الله تعالٰی عنه لما تزوج فاطمة بنت رسول اللهﷺ اراد ان یدخل بها فمنعه رسول اللهﷺ حتی یعطیها شیئا فقال یا رسول الله لیس لی شئ فقال له النبیﷺ اعطها درعك فاعطاها درعه ثم دخل بها	ابوداؤد، جلد۱، صفحہ۲۹۰/ نسائی، جلد۲، صفحہ۹۱	۳۷۴
۴۴	و له یومئذٍ تسع نسوة	بخاری، جلد۲، صفحہ۷۸۵/ نسائی، جلد۲، صفحہ۶۷	۳۴۴

۵۷	ابغض الحلال الی الله الطلاق	بیہقی، جلد ۷، ۳۲۲/ سنن ابی داؤد، جلد ا، صفحہ ۲۹۶/ مستدرک، جلد ۲، صفحہ ۱۹۶	۳۸۷
۵۸	ایما امرأة سألت زوجها طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیها رائحة الجنة	سنن ابی داؤد، جلد ا، صفحہ ۳۰۳/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۶/ترمذی، جلد ا، ۱۴۲	۳۸۷
۵۹	المنتزعات و المختلعات هن المنافقات	سنن نسائی، جلد ۲، صفحہ ۱۰۷/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۶	۳۸۷
۶۰	لا طلاق له فی ما لا یملك	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۸/ ابن ماجہ، صفحہ ۱۴۸/ ابو داؤد، جلد ا، صفحہ ۲۹۸/ مستدرک حاکم، جلد ۲، صفحہ ۲۰۵	۳۸۸
۶۱	لا طلاق لمن لم یملك	مستدرک، جلد ۲، صفحہ ۲۰۴/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۹	۳۸۹
۶۲	(قلت لنافع ما الشغار) قال ینکح بنت الرجل و ینکح بنته بغیر صداق و ینکح اخت الرجل و ینکحه اخته بغیر صداق	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۶۶/ مسلم، جلد ا، صفحہ ۴۵۴/ ابو داؤد، جلد ا، صفحہ ۲۸۳/ نسائی، جلد ۲، صفحہ ۸۵/ ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۷/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۲۰۰	۳۹۲
۶۳	و الشغار ان ینکح هذه بهذه بغیر صداق بضع هذه صداق هذه و بضع هذه صداق هذه	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۲۰۰	۳۹۲

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۶۴	احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج	مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۲۷۱/ مسلم شریف، جلد ۱، صفحہ ۴۵۵/ ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۹۱	۳۹۷
۶۵	ان جارية بكرا اتت النبی ﷺ فذكرت ان ابا زوجها و هی كارهة فخيرها النبی ﷺ	ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۵/ نسائی، جلد ۲، صفحہ ۷۷/ ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۶/ مشکوٰۃ، صفحہ ۲۷۱/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۷	۳۹۸، ۶۵۸، ۶۶۵
۶۶	و الشغار ان يزوج الرجل ابنته علٰى ان يزوجه الاخر ابنته او اخته و لا صداق بينهما	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۶۶/ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۴/ ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۳/ نسائی، جلد ۲، صفحہ ۸۵/ ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۷/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۹۹	۴۰۸
۶۷	اذا نكح الرجل المرأة ثم طلقها قبل ان يدخل بها فله ان يتزوج ابنتها و ليس له ان يتزوج امها	سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۶۰	۴۱۶
۶۸	ايما رجل نكح امرأة فدخل بها او لم يدخل بها فلا يحل له نكاح امها	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۳	۴۱۶
۶۹	من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه و ذلك اضعف الايمان	صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۵۱	۴۱۷، ۵۳۴، ۵۹۴، ۶۹۰
۷۰	اياك و ما يسوء الاذن	مسند احمد، جلد ۴، صفحہ ۷۶	۴۲۳
۷۱	و من لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء	صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۵۸/ صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۴۹	۴۵۱

۷۲	لا یجمع بین المرأة و عمتها	صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۶۶ / صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۲	۴۶۱، ۴۶۹
۷۳	لا تنکح المرأة علیٰ عمتها و لا علیٰ خالتها و لا علیٰ ابنة اخیها و لا ابن اختها	صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۳ / سنن ابی داؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۲ / ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۴ / نسائی، جلد ۲، صفحہ ۸۰	۴۶۶
۷۴	کل المسلم علی المسلم حرام	ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۵	۵۲۰
۷۵	الولد للفراش و للعاهر الحجر	ابن ماجہ، صفحہ ۱۴۵ / سنن نسائی، جلد ۲، صفحہ ۱۱۰	۵۲۰، ۵۳۸، ۵۹۴
۷۶	البینة علی المدعی	مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۳۲۶	۶۰۳
۷۷	یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۶۴ / مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۶۷ / ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۶ / نسائی، جلد ۲، صفحہ ۸۱ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۴۰ / ابو داؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۰ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۴۵۳ / کنز العمال، جلد ۳، صفحہ ۲۴۳	۶۱۸، ۶۲۰
۷۸	سئل ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن رجل یکون له امرأتان فترضع احدٰهما صبیا و الاخریٰ صبیة قال لا اللقاح واحد لا تحل له	سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۴۵۳ / مبسوط، جلد ۳۰، صفحہ ۲۹۳ / کنز العمال، جلد ۳، صفحہ ۲۴۵	۶۲۳

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۷۹	الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة	بخاری، جلد۲، صفحہ ۷۶۴ / مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۶۶	۶۳۴
۸۰	الایم احق بنفسها من ولیها	مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۵۵ / ترمذی، جلد۱، صفحہ ۱۳۱ / ابوداؤد، جلد۱، صفحہ ۲۸۶ / نسائی، جلد۲، صفحہ ۷۶ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۶ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۲۲ / معانی الآثار طحاوی، جلد۲، صفحہ ۸	۶۶۴،۶۵۷
۸۱	لا تنکح الایم حتی تستأمر و لا تنکح البکر حتی تستأذن	بخاری، جلد۲، صفحہ ۷۷۱ / مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۵۵ / ابوداؤد، جلد۱، صفحہ ۲۸۵ / ترمذی، جلد۱، صفحہ ۱۳۱ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۶ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۲۲	۶۵۷، ۶۶۳
۸۲	ان رسول الله ﷺ رد نکاح بکر و ثیب انکحهما ابوهما و هما کارهتان	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۷	۶۶۵،۶۵۸
۸۳	امروا النساء فی انفسهن فان الثیب تعرب عن نفسها و البکر رضاء ها صمتها	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۲۳ / کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۴۶	۶۶۳
۸۴	امر النساء بایدیهن و اذنهن سکوتهن	کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۴۷	۶۶۳
۸۵	لا نکاح الا باذن الرجل و المرأة	کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۴۷	۶۶۳
۸۶	استأمروا النساء فی ابضاعهن	نسائی، جلد۲، صفحہ ۷۷ / کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۴۶	۶۶۳

۸۷	لا تنكح النساء حتى تستأمروهن فاذا سكتن فهو اذنهن	مستدرک، جلد ۲، صفحہ ۱۶۷	۶۶۳
۸۸	و البكر تستأذن فى نفسها و اذنها صماتها	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۲۲	۶۶۳
۸۹	عن خنساء بنت حرام الانصارية ان اباها زوجها و هى ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله ﷺ فرد نكاحها	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۷۱ / ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۶ / نسائی، جلد ۲، صفحہ ۷۷ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۶ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۹	۶۶۴
۹۰	فقالت اجزت ما صنع ابى و لكن اردت ان تعلم النساء ان ليس للاباء شئ	نسائی، جلد ۲، صفحہ ۷۷ / ابن ماجہ، ۱۳۶	۶۶۵
۹۱	بغير اذن مواليها	ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۴	۶۶۶
۹۲	بغير اذن مولاها	سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۵	۶۶۶
۹۳	قال رسول الله ﷺ لا نكاح الا بولى قيل يا رسول الله من الولى قال رجل من المسلمين	کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۲۹۶	۶۶۶
۹۴	كان على اذا رفع اليه رجل تزوج امرأة بغير ولى فدخل بها امضاة	الجواہر النقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۲ / کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۲۹۶ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۲	۶۶۷
۹۵	فان انكحها ولى مسخوط فنكاحها باطل	کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۲۴۷	۶۶۷
۹۶	فان انكحها ولى مسخوط عليه فنكاحها باطل	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۲۴	۶۶۷

۹۷	كانوا اذا مات الرجل كان اولياء ه احق بامرأته ان شاء بعضهم تزوجها و ان شاء وا زوجوها و ان شاء وا لم يزوجوها فهم احق بها من اهلها فنزلت هذه الاية فى ذلك	درمنثور، جلد ۲، صفحہ ۱۳۱	٦٧١
۹۸	عن عائشة قالت تزوجنى رسول الله ﷺ بست سنين و بنى بى و انا ابنة تسع سنين	مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۶	٦٨٩
۹۹	توفى عثمان بن مظعون رضى الله تعالٰى عنه و ترك ابنة له من خويلة بنت حكيم بن امية بن حارثة بن الاوقص قال و اوصى الى اخيه قدامة بن مظعون قال عبد الله فهما خالاى قال خطبت الى قدامة بن مظعون ابنة عثمان بن مظعون فزوجنيها فدخل المغيرة بن شعبة رضى الله تعالٰى عنه الى امها......الخ	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۳	٦٨٩

ماخذ و مراجع

فہرست مآخذ ومراجع

۱ قرآن کریم

کتب تفسیر واصول تفسیر

۲ جامع البیان، ابو جعفر محمد بن جعفر طبری ۳۱۰ھ، کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۳۰ھ

۳ احکام القرآن، ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص ۳۷۰ھ، بہیہ مصر ۱۳۴۸ھ

۴ معالم التنزیل، ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی ۵۱۶ھ، تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ

۵ مفاتیح الغیب (کبیر)، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی ۶۰۶ھ، عامرہ شرقیہ مصر

۶ انوار التنزیل (بیضاوی)، ابو سعید عبد اللہ بن عمر شافعی بیضاوی ۶۸۵ھ، نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۲ھ

۷ مدارک التنزیل، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی ۷۱۰ھ، احیاء الکتب مصر ۱۳۴۴ھ

۸ غرائب القرآن، حسن بن محمد قمی نیشاپوری ۷۲۸ھ، کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۳۰ھ

۹ لباب التاویل خازن، علی بن محمد بغدادی صوفی خازن ۷۴۱ھ، تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ

۱۰ ابن کثیر، ابو الفداء اسمعیل بن عمر بن کثیر ۷۷۴ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۲۱ھ

۱۱ جلالین، جلال الدین محمد بن احمد محلی شافعی ۸۶۴ھ، جلال الدین سیوطی شافعی ۹۱۱ھ، مجیدی کانپور

۱۲ الدر المنثور، امام جلال الدین سیوطی شافعی ۹۱۱ھ، میمنہ مصر، ۱۳۱۴ھ

۱۳ ارشاد العقل، ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی ۹۸۲ھ، حسینیہ عامرہ شرقیہ مصر

۱۴ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ، جید برقی پریس، دہلی

۱۵ تفسیرات احمدیہ، شیخ احمد ابو سعید ملا جیون جونپوری ۱۱۳۰ھ، علیمی دہلی ۱۳۴۹ھ

۱۶ روح البیان، شیخ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ بروسوی ۱۱۳۷ھ، در سعادت مصر ۱۳۳۰ھ

۱۷ الفتوحات الالہیہ (جمل)، سلیمان بن عمرو عجیلی شافعی ۱۲۰۴ھ، عیسیٰ البابی الحلبی مصر

۱۸ صاوی، شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی ۱۲۴۱ھ، ازہریہ مصر ۱۳۴۸ھ

کتب حدیث

۱۹ موطا امام مالک، ابو عبد اللہ مالک بن انس ۱۷۹ھ، دار الاشاعۃ رحیمیہ دیوبند

۲۰ سنن دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ۲۵۵ھ، مدینہ منورہ ۱۳۸۶ھ

۲۱ صحیح بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۲۵۶ھ، اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ

۲۲ صحیح مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری ۲۶۱ھ، اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ

۲۳ سنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی ۲۷۵ھ، مجیدی کانپور، اصح المطابع

۲۴ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ ۲۷۳ھ / ۲۷۵ھ، اصح المطابع دہلی / کراچی ۱۳۷۲ھ

۲۵ جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ، مجیدی کانپور / علیمی دہلی ۱۳۴۱ھ

۲۶ نسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب خراسانی ۳۰۳ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۵۰ھ

۲۷ شرح معانی الآثار، ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی ۳۲۱ھ، اصح المطابع ۱۳۹۰ھ / رحیمیہ دیوبند

۲۸ مشکل الآثار، ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی ۳۲۱ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۳ھ

۲۹ دارقطنی، علی بن عمر بن احمد بغدادی دارقطنی ۳۸۵ھ، فاروقی دہلی ۱۳۱۰ھ

۳۰ مستدرک، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم ۴۰۵ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ

۳۱ تلخیص المستدرک، ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی ۷۴۸ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ

۳۲ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی ۴۵۸ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ

۳۳ مشکوٰۃ، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب ۷۴۰ھ، اصح المطابع

۳۴ کنز العمال، علاء الدین علی متقی ہندی ۹۷۵ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۱۲ھ تا ۱۳۱۴ھ

۳۵ جامع صغیر، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر سیوطی ۹۱۱ھ، تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۲ھ

۳۶ شرح مسلم، ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی ۶۷۶ھ، اصح المطابع ۱۳۴۹ھ

۳۷ نصب الرایہ، جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی ۷۶۲ھ، مجلس علمی ۱۳۵۸ھ

۳۸ الکواکب الدراری، شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی ۷۸۶ھ، بہیہ مصر ۱۳۵۴ھ

۳۹ فتح الباری، شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ، بہیہ مصر ۱۳۴۸ھ

۴۰ عمدۃ القاری، ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ، دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۰۸ھ

۴۱ ارشاد الساری، علامہ احمد بن محمود قسطلانی ۹۲۳ھ، بولاق مصر ۱۳۵۱ھ

۴۲ شرح شمائل مناوی، شیخ عبد الرؤف مناوی ۱۰۳۱ھ، عامرہ شرقیہ مصر ۱۳۱۸ھ

۴۳ شرح شمائل / قاری، ملا علی بن سلطان محمد قاری ۱۰۱۴ھ، عامرہ شرقیہ ۱۳۱۸ھ

۴۴ مرقات، ملا علی بن سلطان محمد قاری ۱۰۱۴ھ، امدادیہ ملتان ۱۳۷۸ھ

۴۵ فیض القدیر، عبد الرؤف محمد بن علی حدادی مناوی ۱۰۳۱ھ، تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۶ھ

۴۶ اشعۃ اللمعات، شیخ عبد الحق بن سیف الدین محدث ۱۰۵۲ھ، منشی نول کشور ۱۳۵۴ھ

۴۷ شیخ الاسلام، محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین، ۱۱۰۴ھ

۴۸ ترجمہ ابو داؤد، وحید الزماں ۱۳۴۸ھ

لغات و مشکل الحدیث

۴۹ نہایہ' مجد الدین مبارک بن محمد ابن اثیر جزری ۶۰۶ھ' خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

۵۰ المغرب' امام ابو الفتح ناصر بن عبد السید بن علی المطرزی ۶۱۰ھ' دائرۃ المعارف

۵۱ تہذیب نووی' امام ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی ۶۷۶ھ' ادارہ طباعۃ منیریہ

۵۲ صراح' ابو الفضل محمد بن عمر جمال قرشی' تکمیل کتاب ۶۸۱ھ' احمد کانپور ۱۳۱۰ھ

۵۳ منتہی الارب' شیخ عبد الرحمٰن بن عبد السلام صفوری ۸۹۴ھ' اسلامیہ لاہور ۱۳۲۴ھ

کتب فقہ

۵۴ جامع صغیر' ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ' علوی ۱۳۱۲ھ

۵۵ جامع کبیر' ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ' استقامۃ مصر ۱۳۵۶ھ

۵۶ الکافی' حضرت حاکم الشہیر محمد بن محمد حنفی ۳۳۴ھ' السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ

۵۷ قدوری' ابو الحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی ۴۲۸ھ' اصح المطابع کراچی

۵۸ مبسوط سرخسی' محمد بن احمد بن ابو سہل سرخسی ۴۸۲ھ' السعادۃ مصر ۱۳۲۴ھ

۵۹ خلاصۃ الفتاویٰ' طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری ۵۴۲ھ' ایکسپورٹ لیتھو لاہور

۶۰ فتاویٰ سراجیہ' سراج الدین علی بن عثمان روشی فرغانی ۵۶۹ھ' نول کشور ۱۳۴۴ھ

۶۱ بدائع صنائع' ملک العلماء علاؤ الدین ابو بکر ابن مسعود کاشانی ۵۸۷ھ' جمالیہ مصر ۱۳۲۸ھ

۶۲ فتاویٰ خانیہ' فقیہ النفس حسن بن منصور اوزجندی ۵۹۲ھ' نول کشور ۱۹۲۱ء

۶۳ ہدایہ' شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی ۵۹۳ھ' مصطفائی / مجتبائی / شرکۃ علمیہ دہلی ۱۳۵۰ھ

۶۴ منیۃ المصلی، علامہ سدید الدین محمد بن محمد کاشغری ۷۰۵ھ، قرآن محل کراچی ۱۳۷۴ھ

۶۵ کنز الدقائق، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی ۷۱۰ھ، مجتبائی / شمس المطابع

۶۶ کفایہ، مولانا جلال الدین خوارزمی ۷۱۱ھ، میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ

۶۷ تبیین الحقائق، فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی ۷۴۳ھ، امیریہ مصر ۱۳۱۳ھ

۶۸ وقایہ، تاج الشریعہ محمود بن احمد بن جمال محبوبی ۶۳۰ھ تقریباً، مجتبائی / مجیدی

۶۹ شرح وقایہ، عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ ۷۴۷ھ، سعید اینڈ کمپنی کراچی

۷۰ زاد المعاد، شمس الدین بن عبد اللہ ابن قیم ۷۵۱ھ، ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

۷۱ رحمۃ الامۃ، شیخ محمد بن عبد الرحمٰن دمشقی شافعی، تکمیل کتاب ۷۸۰ھ، مصطفیٰ البابی حلبی مصر ۱۳۵۴ھ

۷۲ عنایہ، محمد بن محمود بابرتی ۷۸۶ھ، میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ

۷۳ جوہرہ نیرہ، ابو بکر بن علی حداد عبادی حنفی ۸۰۰ھ، محمود بک آستانہ ۱۳۰۱ھ

۷۴ جامع الفصولین، شیخ الاسلام محمود بن اسرائیل ۸۲۳ھ، کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۰۰ھ

۷۵ شریفیہ، سید میر شریف جرجانی ۸۱۶ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ

۷۶ رمز الحقائق، بدر الدین محمود عینی ۸۵۵ھ، حیدری بمبئی ۱۲۹۴ھ

۷۷ فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الحمید ابن ہمام ۸۶۱ھ، میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ

۷۸ درر، محمد بن فراموز، منلا خسرو ۸۸۵ھ، در سعادت ۱۳۲۹ھ

۷۹ غرر، محمد بن فراموز، منلا خسرو ۸۸۵ھ، در سعادت ۱۳۲۹ھ

۸۰ الحاوی للفتاویٰ، جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی ۹۱۱ھ، منیریہ درب الاتراک ۱۳۵۲ھ

۸۱ جامع الرموز، شمس الدین محمد قہستانی ۹۵۳ھ، نول کشور ۱۳۰۹ھ

۸۲ ملا مسکین، علامہ معین الدین الہروی المعروف ملا مسکین ۹۵۴ھ

۸۳ غنیۃ المستملی (کبیری)، شیخ ابراہیم بن محمد حلبی ۹۵۶ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ

۸۴ صغیری، شیخ ابراہیم بن محمد حلبی ۹۵۶ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۲۵ھ

۸۵ ملتقی الابحر، شیخ ابراہیم بن محمد حلبی ۹۵۶ھ، دار الطباعہ عامرہ مصر ۱۳۱۶ھ

۸۶ بحر الرائق، زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری ۹۷۰ھ، دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۱۳ھ

۸۷ الاشباہ والنظائر، زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری ۹۷۰ھ، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۵ء

۸۸ میزان شعرانی، سیدی عبدالوہاب بن احمد شعرانی ۹۷۳ھ، مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۵۴ھ

۸۹ تنویر الابصار، محمد بن عبداللہ تمر تاشی غزی ۱۰۰۴ھ، احمدی دہلی / دار السعادۃ ۱۳۲۴ھ

۹۰ غنیۃ ذوی الاحکام، حسن بن عمار وفائی شرنبلالی ۱۰۶۹ھ، دار السعادۃ مصر ۱۳۲۹ھ

۹۱ نور الایضاح، حسن بن عمار وفائی شرنبلالی ۱۰۶۹ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ

۹۲ مراقی الفلاح، حسن بن عمار وفائی شرنبلالی ۱۰۶۹ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ

۹۳ مجمع الانہر، محمد بن سلیمان شیخ زادہ ۱۰۷۸ھ، دار الطباعۃ مصر ۱۳۱۶ھ

۹۴ فتاویٰ خیریہ، خیر الدین احمد رملی ۱۰۸۱ھ، در سعادت ۱۳۱۱ھ

۹۵ در المختار، علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی ۱۰۸۸ھ، احمدی دہلی / دار السعادۃ ۱۳۲۴ھ

۹۶ در المنتقی، علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی ۱۰۸۸ھ، دار الطباعہ عامرہ مصر ۱۳۱۶ھ

۹۷ غمز العیون، شہاب الدین سید احمد بن محمد حموی ۱۰۹۸ھ، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۵ء

۹۸ فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری)، ملا نظام الدین برہان پوری ۱۱۰۴ھ، مجیدی کانپور ۱۳۰۵ھ / کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۰ھ

۹۹ تکملہ بحر الرائق، محمد بن حسین طوری ۱۱۳۷ھ، دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۳۳ھ

۱۰۰ طحطاوی علی المراقی، سید احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی ۱۲۳۱ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ

۱۰۱ طحطاوی علی الدرر، سید احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی ۱۲۳۱ھ، دار الطباعہ عامرہ مصر ۱۲۵۴ھ

۱۰۲ العقود الدریہ، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ

۱۰۳ ثلاثین شامی، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، دار السعادۃ مصر ۱۳۱۵ھ

۱۰۴ منحۃ الخالق، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۳۳ھ

۱۰۵ رد المحتار، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، دار السعادۃ مصر ۱۳۴۴ھ

۱۰۶ عمدۃ الرعایہ، علامہ عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ، مجیدی

۱۰۷ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، عبدالرحمٰن جزیری ۱۳۴۰ھ تقریباً، دار الکتب مصر ۱۳۶۹ھ

۱۰۸ حاشیہ کتاب الفقہ' عبدالرحمٰن جزیری ۱۴ویں صدی ہجری' دارالکتب مصر ۱۳۶۹ھ
۱۰۹ کفل الفقیہ الفاہم' اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ' نوری کتب خانہ لاہور
۱۱۰ طریق اثبات اھلال' اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ' نوری کتب خانہ لاہور
۱۱۱ فتاویٰ رضویہ' اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ' یوسفی فرنگی محل ۱۹۶۲ء
۱۱۲ بہار شریعت' مولانا امجد علی اعظمی ۱۳۶۷ھ' رفاہ عامہ آگرہ
۱۱۳ افادۃ الستر' سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ
۱۱۴ روزہ اور ٹیکہ' سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ
۱۱۵ فتاویٰ نوریہ قلمی' سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ
۱۱۶ حاشیہ علی الشامی قلمی' سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ
۱۱۷ حرمت المصاہرۃ' سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ

کتب اصول فقہ

۱۱۸ حسامی' محمد بن محمد بن عمر حسام الدین اخسیکتی ۶۴۴ھ' سعیدی
۱۱۹ مختصر المنتہی' جمال الدین عثمان بن عمر بن حاجب مالکی ۶۴۶ھ' کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۶ھ
۱۲۰ منار' ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی ۷۱۰ھ' سعید ایچ ایم کراچی ۱۳۷۹ھ
۱۲۱ شرح قاضی عضد' عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد ایجی ۷۵۶ھ' کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۶ھ
۱۲۲ حاشیہ تفتازانی علی العضد' علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی ۷۹۲ھ' کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۶ھ
۱۲۳ مسلم الثبوت' ملا محب اللہ بن نظام الدین بہاری ۱۱۱۹ھ' نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۳ء
۱۲۴ نورالانوار' ملا جیون صدیقی' سعید ایم ایچ کراچی ۱۳۷۹ھ
۱۲۵ فواتح الرحموت' بحرالعلوم عبدالعلی محمد بن نظام الدین سہالوی ۱۲۲۵ھ' سعید ایم ایچ کراچی ۱۳۷۹ھ

کتب نحو

۱۲۶ کافیہ، شیخ جمال الدین ابن حاجب ۶۴۶ھ

۱۲۷ شرح جامی، مولانا عبدالرحمٰن جامی

۱۲۸ غایۃ التحقیق، صفی بن نصیر بن نظام الدین اشرفی، نویں صدی ہجری

۱۲۹ رضی، محمد بن حسن الشیخ رضی، تکمیل کتاب ۶۸۶ھ، منشی نول کشور ۱۲۷۹ھ

۱۳۰ تکملہ عبدالغفور، مولانا عبدالغفور، منشی نول کشور، ۱۸۸۵ء

متفرقات

۱۳۱ احیاء علوم الدین، امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ۵۰۵ھ، مصطفیٰ البابی حلبی مصر ۱۳۵۸ھ

۱۳۲ الجواہر المضیہ، محی الدین عبدالقادر بن ابی الوفاء محمد قرشی حنفی ۷۷۵ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ

۱۳۳ المواہب اللدنیہ، علامہ احمد بن محمد قسطلانی ۹۲۳ھ، ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

۱۳۴ کشف الظنون، مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی ۱۰۶۷ھ، اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ

۱۳۵ زرقانی، محمد بن عبدالباقی زرقانی ۱۱۲۲ھ، ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

۱۳۶ دستور العلماء، قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری ۱۱۷۳ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ

۱۳۷ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۷۶ھ، طباعت منیریہ ۱۳۵۲ھ

۱۳۸ الفوائد البہیہ، ابو الحسنات محمد عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ، ندوۃ المعارف

۱۳۹ ملفوظات اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی ۱۳۴۰ھ

هُوَ القَاضِی الحَاجَات

۱۳۹۷ھ

"مُراسلاتِ فقیہِ معظّم"

۱۹۷۷ء

صاحبِ عرفان ذی المجد و الاحترام

عارف ستودہ صفات پاک سرشت محمد نور اللہ

مفتیٔ اعظم زاد حیاتہ

فتاویٰ نوریہ پیشِ نظر ہے — مقدر کا ستارا اوج پر ہے

یہ ہے فقہ و تصوف کا مرقع — یہ اک گلدستۂ گلہائے تر ہے

ہر اک نقطہ ہے مثلِ ماہِ تاباں — ہر اک لفظ اس کا مانندِ گہر ہے

برائے گمرہانِ علم و دانش — فتاویٰ نوریہ ہی معتبر ہے

یہی ہے کاوشِ پیہم کا حاصل — یہی نخلِ تمنا کا ثمر ہے

بفیضانِ نگاہِ بو حنیفہ — بہاروں پر گلستان نظر ہے

نعیم الدین و دیدارِ علی شاہ — ادھر فتحِ محمد راہ بر ہے

نگاہِ مفتیٔ اعظم نعیمی — فروغِ محفلِ اہلِ بصر ہے

عجب دار العلومِ حنفیہ ہے — جو اربابِ نظر کا مستقر ہے

ابو الخیر آفتابِ چرخِ حکمت — زبانِ قدس جن کی پُر اثر ہے

جسے ہو صحبتِ بو الخیر حاصل — وہ نازاں خوبیٔ تقدیر پر ہے

محبِ محترم، تابش قصوری — میسر جن کو نصر اللہ ابر ہے

ضیائے ماہتابِ علم و عرفان — درخشاں جس سے ہر اک رہگزر ہے

رہے تا حشر یہ میخانہ آباد — یہی وردِ زبان شام و سحر ہے

قمر کہہ دو یہ تاریخِ طباعت — فتاویٰ نوریہ مدِّ نظر ہے

۱۹۷۷ء

از قلم: مولانا قمر یزدانی۔ پنوانہ ضلع سیالکوٹ

قطعہ تاریخ طباعت فتاویٰ نوریہ (جلد دوم)

رشحات فکر حضرت مولینا الحاج سید شریف احمد شرافت نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ
آستانہ عالیہ نوشاہیہ سہنپال شریف گجرات

بحمد اللہ این نسخۂ باکرامت
بفقہ حنیفی شدہ باشہامت
ز تالیف علامہ و شیخ زاھد
ابوالخیر نور اللہ مرد مجاہد!
کہ روح و روان انجمن حزب رحمان
بشہر بصیر[1] آمدہ فخر دوران
بفقہ و حدیث و بہ تفسیر اعلیٰ
بورع و بتقویٰ ز اقران اولیٰ
بمعقول و منقول اشہر عجائب
بعلم بدیع و علوم الغرائب
شرافت بگفتا ز سال طباعت
فتاوائے نوریہ نجم سعادت

۱۳ ھ ۹۰

[1] مراد بصیر پور

فقیہِ اعظم فقہائے ملّت

از مولانا ابوالضیا محمد باقر ضیاء النوری علیہ الرحمۃ

خدایا تا نگہدار جہان را — زمان را و زمین و آسمان را
بحرمت روئے تابانِ محمّد — درودے بر روانش باد بیحد
کہ حضرت مولینا ابوالخیر باخیر — بعفو و عافیت داری بلاضیر
به ابد آباد شاد آباد داری
نگہدارش بکرم خویش دیاری
زہے تقوا بعالمے را دستگیر است — زپیر دستگیرے فیض گیر است
تو میپرسی کہ این جاش پرواز — چہ گویم ز آسماں پروانہ شہباز
امام اہلسنت و الجماعت — فقیہ اعظم فقہائے ملت
بنگہش دیدۂ دل باز گردد — کہ کنجشک آمادہ شہباز گردد
ز فتوا ہاش طبع جلد ثانی
ز نصر اللہ ترتیبش بدانی
فتاوی نوریہ عجیبے کتابے — کتابے باصوابے لاجوابے
مہماتِ مسائل را عیاں کرد — نماندہ مشکلے آساں چناں کرد
چراغ رہ فروغِ مفتیاں را — الاسے مشکلکشا مستفتیاں را
پئے فقہا و وکلا دستگیرے — بہ خطبا طلبا بہتر نصیرے
عیاں تاریخ طبعش بے ملال است
"ز تحقیقات کتابش کمال است"
۱۹۷۷ء
دگر تاریخ طبعش بے عیوب است — "چہ مطلوبیکہ مرغوبِ قلوب است"
بصدق دل وراہر کس کہ خواند — ضیاء فائز چناں گردد کہ داند
۱۹

اجمالی فہرست کتب و ابواب

فتاویٰ نوریہ

جلد اول

جلد دوم

کتاب الصیام
باب رؤیۃ الہلال
باب الاعتکاف
کتاب النکاح
باب المہر
باب المحرمات
باب نکاح المحصنات
باب المصاہرہ
باب الرضاع
باب الولی

رسالہ روزہ اور ٹیکہ
رسالہ "افادۃ النشر اوکد الامر"
کتاب الحج
باب الخطبہ
باب الشغار
باب الجمع بین المحارم
باب نکاح المعتدات
رسالہ "حرمۃ المصاہرۃ ترفع المناکحۃ"
باب الکفو
باب خیار البلوغ

جلد سوم

کتاب الطلاق
باب طلاق المجنون والمغمٰی علیہ
باب طلاق الحوامل
باب کتابۃ الطلاق
باب الطلاق بالشرط
باب تفریق القاضی
باب العدۃ
باب ما یؤکل لحمہ و ما لا یؤکل لحمہ
کتاب الاضحیۃ
کتاب التعزیر
رسالہ "الافتاء فی جواز تعلیم الکتابۃ للنساء"

باب طلاق الصبی
باب الطلاق فی الغضب
باب طلاق المکرہ
باب الفاظ الطلاق
باب الحلالۃ
باب الظہار
کتاب الذبائح
رسالہ حرمت زاغ
باب العقیقۃ
کتاب الحظر والاباحۃ

جلد چہارم

کتاب السرقۃ
کتاب البیوع
کتاب الرہن
باب ثبوت النسب
کتاب الوصایا
باب ذوی الفروض
باب ذوی الارحام

کتاب الدیۃ والقصاص
کتاب الربا
کتاب الدعویٰ
باب حضانۃ الولد
کتاب الفرائض
باب العصبات
باب العول

باب الرد

باب التصحیح

باب المناسخة

باب مسائل الشتی

جلد پنجم

کتاب العقائد

توحید

نورانیت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

رسالہ "مسئلہ سایہ"

عظمت مصطفیٰ

قرآن کریم

ملائکہ

حساب، کتاب

رسالہ "انار استمرار الکفار فی اضرار النار"

موت وحیات

قیامت، حشر، نشر

شفاعت

مسائل ارواح

خلفاء راشدین، ائمہ اہل بیت کرام

اولیائے کرام

شریعت وطریقت

کتاب التفسیر

کتاب السنۃ والحدیث

حدیث الحبیب (حجیت حدیث کے موضوع پر تصنیف)

فوائد متفرقہ

جلد ششم

اس جلد کی حیثیت تتمہ کی ہے اس میں وہ فتاویٰ درج ہیں، جو پہلی جلدوں میں شامل نہ کیے جا سکے۔

کتاب الطہارۃ

باب الوضوء

کتاب المساجد

کتاب الصلوٰۃ

باب الاقات

باب الامامۃ

باب ما تبطل بہ الصلوٰۃ وما لا تبطل

باب التطوع

رسالہ "قضائے سنت فجر"

باب الجمعہ والعیدین

باب الجنائز

کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصوم

باب رؤیۃ الہلال

باب الاعتکاف

کتاب الحج

کتاب النکاح

باب المحرمات

باب المصاہرۃ

باب نکاح المعتدات والحوامل

باب الرضاع

باب الولی

باب الکفو

کتاب الطلاق

کتاب الحظر والاباحۃ

فوائد اصول متفرقہ

متفرقات